U5777 8-12

Title - MEHSHAR KHAYAL

Creator - Sajjad Ali Ansari.

Publisher - Aaina Adab (Lahore).

Date - 1957.

Pages - 287.

Subjects - Urdu Adab - Mazameen ; Ak Aligarh Magazine.

محشرِ خیال

سجاد علی انصاری مرحوم (بی اے - ال ال بی علیگ)

مرتبہ

میر خواجہ منظور حسین ایم اے (علیگ)، بی اے (آکسن)

ناشر

خان الیاس احمد مجیبی
قرول باغ، نئی دہلی

(جملہ حقوق محفوظ)

بار دوم جولائی ۱۹۳۱ء ۱۳۴۷ھ

جید برقی پریس دہلی

قیمت قسم دوم بے جلد ۱۲؍
" " مجلد مع گرد پوش ۱۴؍
" قسم اول " " ۱۲؍

فہرست

شعر

Nice urdu realy very hard
'Testy Book'
Nice One.'

بسم اللہ

عرض ناشر

محشرِ خیال کا پہلا ایڈیشن راقم الحروف نے شرکت ادبیہ کی طرف سے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا تھا۔ اس دوران میں سجاد مرحوم کے تصورات اور طرزِ تحریر کی پذیرائی حلقۂ فکر و ادب میں جس لطف و عقیدت سے کی گئی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعض یونیورسٹیوں میں "محشرِ خیال" کو داخلِ نصاب کیا گیا۔ اہلِ قلم نے اس کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور نوجوانوں نے مصنف مرحوم کی طرزِ نگارش اور زاویۂ فکر کو اپنے رجحانات کے مطابق پایا۔

وہ جوان مرے ـــــ شاید نوجوانوں میں ظہور پانے اور

زندہ رہنے کے لئے!

اس ایڈیشن میں مرحوم کا ڈراما "روزحیرا" بھی شامل کرلیا گیا ہے جو اُن کے انتقال کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مشہور مجلہ ادبی "سہیل" میں شائع ہوا تھا۔ اِس ڈرامے میں کیا باتیں کس انداز سے بیان کی گئی ہیں اس پر بحث کرنا میرا منصب ہے نہ اس کا موقع۔ میرے لئے تو یہ کفایت کرتا ہے کہ وہ سجاد مرحوم کا لکھا ہوا ہے۔ وہ اُس زمانے میں لکھا گیا جب اس قسم کی چیزیں اُردو میں ناپید تھیں اور انگریزی میں بھی عام ہوکر ہندوستان میں نہیں پھیلی تھیں اساتذۂ فن کا خیال ہے کہ رفعتِ تخئیل، دقّتِ نظر، بے باکیِ فکر حکیمانہ توضیح اور شاعرانہ پیرایۂ بیان میں سجاد کا ہمسر اردو نثرنگاروں میں اب تک نہیں پیدا ہوا۔

سجاد مرحوم کے خیالات سے بعض بزرگوں کو اتفاق نہیں ہے وہ مرحوم کے زاویہ نگاہ سے بدگمان اور آزردہ ہیں۔ یہاں اور اس وقت تو صرف یہ عرض ہے کہ مجھے سجاد عزیز تھے اور اب جب کہ وہ اس جہان سے اُٹھ چکے ہیں اور اُن کا معاملہ اُس سے ہے جو اپنا معاملہ ہمارے آپ کے اور سجاد کے معاملے سے بالکل علیٰحدہ رکھتا ہے مجھے سجاد عزیزتر اور گرامی تر معلوم ہونے لگے ہیں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

سجاد علی انصاری مرحوم علی گڑھ کالج کے بہت ذہین طالب علم
تھے۔ گدیہ ضلع بارہ بنکی وطن تھا۔ بڑے خوش شمائل خوش فکر اور خوش
باش۔ مجھ پر بھی کرم فرماتے تھے۔ اپنی تحریروں میں بھی وہ اب بھی
ویسے ہی چلتے پھرتے، ہنستے ہوئے، تلملاتے اور جھلاتے نظر آتے ہیں
جیساکہ اپنی زندگی میں اب سے کوئی بیس برس پہلے۔

جناب سرور صاحب مکرم کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے میری
گذارش پر وہ مقالہ سپرد قلم فرمایا جو بعنوان شعلۂ مستعجل آئندہ صفحات
میں آپ کی نظر سے گزرے گا۔

پروفیسر خواجہ منظور حسین صاحب کا محشر خیال کی ترتیب و تہذیب
میں بڑا دخل رہا ہے۔ موصوف ہی کی غیر معمولی کاوش [illegible]
یہ منتشر ذخیرہ فراہم ہو سکا۔

اس مہم کی بعض کٹھن منزلوں میں محترم ڈاکٹر پروفیسر رشید احمد
صاحب صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی رہنمائی
اور مفید مشورے حاصل نہ ہوتے تو شاید یہ ایڈیشن اس تکمیل
کے ساتھ شائع نہ ہو سکتا۔

میں ان سب صاحبوں کا بدل ممنون و شکرگزار ہوں۔ سجاد
مرحوم کے تفصیلی حالات کی فراہمی کے سلسلے میں مجھے بہت

ہاتھ پاؤں مارے تاخیر اشاعت کا خیال کیا نہ کاغذ کی روز افزوں گرانی کا مگر افسوس کہ آخر وقت تک کامیابی نہ ہوئی اہلِ ذوق مجھے معاف فرمائیں، میں خود اس کمی کو بہت محسوس کرتا ہوں۔

مجتبیٰ
قرولباغ، نئی دہلی
۱۰ر جون ۱۹۴۱ء

شعلۂ مستعجل

از

جناب آلِ احمد صاحب سرور صدیقی ایم اے (علیگ)

لیکچرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ

All - Ahmed. Suroor. Siddiqui. M.A. (Alig).

Lecturer M.U. Aligarh

"جماعت محض جاہل، کمزور اور بزدل افراد کا اتحاد ہے جس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بلند نظر اور بلند حوصلہ افراد کی قوتوں کو ابھرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ جماعت چاہتی ہے کہ برگزیدہ شخصیتوں کی قوت ارادہ اور قوت عمل دونوں ہمیشہ کے لیے برباد ہو جائیں۔ نظام اخلاق جماعت کے اسی بزدلانہ اتحاد کا دوسرا نام ہے۔ بلند نظر افراد کا فرض اور اہم ترین فرض یہ ہے کہ جماعت کے اخلاقی قوانین کو پامال کر دیں ورنہ وہ ایک دن ان کی انفرادی عظمت کو پامال کر دے گی۔"

یہ بلند آہنگ الفاظ سجاد انصاری کے ہیں۔ ان میں نیتشے کی روح برنارڈ شا کی بت شکنی، آسکر وائلڈ کی پیراڈوکس Paradox بیدل کی انانیت، غالب کی انفرادیت، سب کا عکس ملتا ہے۔ سجاد انصاری نہ لیڈر رہتے۔ نہ حاکم نہ دولت مند۔ وہ پیشہ ور ادیب بھی نہ تھے۔ عوام انھیں جانتے بھی نہیں۔ صرف خواص ہی ان سے واقف ہیں۔ ادب کی دنیا میں وہ کوئی "آرٹ" لے کر نہیں آئے تھے۔ ان کے یہاں فلسفہ اور ادب لطیف دونوں کا ایک حیرت انگیز امتزاج ملتا ہے۔ اس بنا پر وہ ادب لطیف کے فلسفی کہے جا سکتے ہیں۔ مگر ان کا

رعنائی خیال، آتش سیال اور ارتعاش رنگیں والی نہیں حقائق کو اُلٹنے پلٹنے اور اُن کی رنگینی سے لطف اٹھانے سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنے اسٹائل کی وجہ سے اہم ہیں مہدی افادی نے آزاد کے متعلق جو فقرہ کہا تھا وہ ان پر زیادہ صادق آتا ہے۔ یہ بھی صرف انشا پرداز ہیں "جنھیں کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔"

سجاد ادب برائے ادب کے نظریئے کی پیداوار ہیں آج کل اس نظریئے کی بڑی مخالفت کی جاتی ہے ادب پہلے مذہب کا خادم تھا، پھر اخلاق کا معلم بنا۔ کچھ دنوں اس نے اپنی مطلق العنانی کا اعلان کیا تھا کہ زندگی کی وسعتوں میں اسے گم ہونا پڑا۔ دراصل ادب برائے ادب یا آرٹ برائے آرٹ کے نظریئے کے دو پہلو ہیں۔ جب آرٹسٹ اس نظریہ کی آڑ میں زندگی سے گریز کرکے اپنے خیالات کی دنیا میں پناہ لینا چاہتا ہے تو اس نظریہ میں کثافت اور مردنی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس کے ذریعے سے وہ اپنی آزادی اپنی انفرادیت، زندگی سے قریب رہتے پر بھی اس سے تھوڑی سی بلندی اور تھوڑی سی غیر جانبداری اپنے خیالات پر پارٹی کی مہر لگانے کے بجائے ان میں فراغی اور روانی، فضاؤں کی وسعت اور ہواؤں کی تازگی دیکھنا چاہتا ہے تو یہ کوئی بری بات نہیں۔ یہ بلندی جسے میتھو آرنلڈ **Olympian** کہتا ہے رجعت پسندانہ نہیں ہاں فضا میں پرواز کے ساتھ نظر زمین کی طرف ہونی چاہیے ادب برائے ادب کا یہ دوسرا نظریہ زوال کی علامت نہیں۔ پناہ گزینی کا نظریہ ضرور زوال آمادہ معلوم ہوتا ہے۔ انگلستان میں پیٹر

Pater نے تلاش حسن کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اس کا جمالیاتی احساس اس کے طرز میں موجود ہے اس کے نصب العین کی اہمیت نہیں رہی مگر اس کا طرز اپنی رنگینی و رعنائی کی وجہ سے یادگار ہے۔ یہ حسن پرستی ہمارے شعرا کے یہاں بہت عام تھی۔ چنانچہ "پیام یار" اور "فتنہ" نے اسے قیامت بنا دیا تھا۔ ادب لطیف دراصل اسی ذہنیت کی پیداوار ہے۔ یہ رنگ ٹیگور کے ترجموں سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ شرر کے عاشقانہ و شاعرانہ مضامین اور سجاد حیدر کے "خیالستان" میں اس کا عکس ملتا ہے۔ بقول اصغر گونڈوی کے "ادب لطیف کا اصلی مفہوم اس طرز انشا سے ہے جو وسعت علم، احساس شعریت و حکیمانہ نزاکت خیال کے باہمی امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔" ان کا خیال یہ ہے "کہ زبان کا اصلی وقار اس کے سنجیدہ سرمایہ علمی سے ہے نہ کہ صرف خوبصورت و لطیف طرز انشا سے" لیکن وہ اس فرق کو نظر انداز کر جاتے ہیں جو محض خوبصورت اور لطیف طرز انشا میں ہے۔ لطیف طرز انشا ادب کی معراج ہے۔ اس لطافت کے لئے صرف خوبصورت الفاظ کافی نہیں ہوتے، اس کے لئے احساس اور بصیرت میں انفرادیت کم سے کم الفاظ سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی صلاحیت، جذبہ کا اصلی اور واقعی اور پیرایہ بیان کا قطعی ہونا ضروری ہے۔ پیرایہ بیان کے قطعی ہونے سے میری مراد یہ ہے کہ اور کوئی پیرایہ ممکن ہی نہ ہو۔ یہ محض مرصع کاری یا مینا کاری یا نگوں کا جڑنا، یا چاول پر قل ہو اللہ لکھنا نہیں، بے جان اور بے رنگ الفاظ میں جان ڈالنا ہوتا ہے۔ جب جذبہ اصلی اور شدید ہوتا ہے اور اس جذبے میں مخصوص۔ ذاتی اور انفرادی رنگ ہوتا ہے اور جب یہ الفاظ میں اس طرح اتر

آتا ہے کہ غالب کے الفاظ میں آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھل جاتا ہے تو زبان میں ایک خاص قوت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ایک دیوتا نیند سے بیدار ہو رہا ہے۔

ہمارا ادب لطیف نسوانیت لئے ہوئے ہے، اقبال کے الفاظ میں اس پر "عورت" سوار ہے۔ لذتیت اور حسن پرستی کا عکس ممکن ہے سجاد انصاری کے یہاں بھی لوگوں کو مل جائے مگر دراصل اُنکا مذہب خوش مذاقی ہے۔ خود کہتے ہیں کہ "مذاق لطیف میری پہلی اور آخری دلیل ہے" اور ایک لطیف گناہ ہزاروں خشک نیکیوں سے بالاتر ہے" اقبال جب کار رنادر کو گناہ ہوتے ہوئے بھی ثواب بتاتے ہیں تو ان کی یہی مراد ہوتی ہے۔

سجاد جدید نسل کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو مغربی تعلیم سے متاثر اور بہرہ یاب ہو چکا تھا مگر جس نے اپنی مشرقیت کو بالائے طاق نہیں رکھا تھا۔ اس مشرقیت کو بیدار کرنے کا سہرا دراصل شبلی کے سر ہے۔ اکبر نے مغربیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی۔ شبلی نے مذہب، تاریخ، فلسفہ علم و اخلاق، ادب غرض زندگی کے ہر شعبے میں مشرق کی عظمت پھر سے قایم کی سجاد کے الفاظ میں "شبلی کا اثر دور جدید کے نظام علم و اخلاق پر ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا" اسی اثر نے مذہب میں سید سلیمان اور عبدالماجد، سیاست میں ابوالکلام اور ادب میں مہدی افادی اور سجاد انصاری کو پیدا کیا۔ اگر خالص انشاپردازی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہاں وہ شعر دہرانا پڑے گا جو سجاد نے اپنے ایک مضمون میں نقل کیا ہے ؎

کامل اس فرقۂ زہّاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے بھی تو یہ رندانِ قدح خوار ہوئے

سجاد انصاری نے جو سرمایہ چھوڑا ہے، وہ بہت مختصر ہے۔ کچھ مضامین ہیں۔ کچھ نظمیں اور غزلیں۔ ایک ڈراما ہے جو نامکمل ہے۔ مضامین اور اشعار ان کے انتقال کے بعد خواجہ منظور حسین صاحب نے "محشرِ خیال" کے نام سے شایع کر دئے تھے۔ یہ کتاب اب قریب قریب ناپید ہے۔ شاید مرحوم کے بعض احباب کے پاس اس کے کچھ نسخے موجود ہوں۔ شاعر کی حیثیت سے سجاد کا کوئی نمایاں کارنامہ نہیں ہے۔ مگر ان کے یہاں اچھے شعر بھی مل جاتے ہیں۔ ان میں خیالات کی رعنائی بھی ہے اور الفاظ کی رنگینی بھی ہے مگر ان کا فلسفۂ زندگی۔ ان کی بصیرت۔ ان کے مرکزی خیالات سب ہمیں ان کے مضامین میں ملتے جاتے ہیں۔ ڈراما نامکمل سہی مگر یہ کیٹس کی نظم ہائی پیرین کی طرح تکمیل کا احساس دلاتا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اُن کے قلم سے جو کچھ نکلا تھا وہ سب دوبارہ کتابی صورت میں شایع ہو رہا ہے۔

مضامین کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ ان میں عفت نسوانی، حقیقتِ عُریاں، پیامِ زلیخا، مذہب و اخلاق، مسلمانانِ ہند و تحریکِ اصلاح اور رعنائی خیال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سجاد نے بیشتر مضامین علی گڑھ میگزین میں اشاعت کے لئے بھیجے جو بزرگ آج ادب کے آسمان پر مہر و ماہ بن کر چمک رہے ہیں۔ ان کی شہرت سب سے پہلے میگزین ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔ چنانچہ شاعروں میں فانی۔ جگر۔ اصغر۔ سُہیل۔ عظمت اللہ خاں اور نثر نگاروں میں سجاد انصاری، سجاد حیدر

اور رشید صدیقی کا نام لیا جا سکتا ہے ۔ انھیں ارباب میگزین نے اس وقت پہچان لیا تھا جب ادب میں کوئی جانتا بھی نہ تھا ۔ سجاد نے مضامین کے ساتھ جو خط ایڈیٹر میگزین کو لکھے تھے، وہ بھی نہایت دلچسپ ہیں ان کے بعض اقتباسات آپ کو آئندہ صفحات میں کہیں نہ کہیں مل جائیں گے ۔

سجاد انصاری کے خیالات کو صحت یا غلطی کے معیار سے نہیں جانچا جا سکتا ۔ وہ صحت اور غلطی دونوں سے بیزار ہیں وہ صرف دلچسپی کے قایل ہیں ۔ محبت کی ماہیت نفسی' میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ " ہر وہ دماغ صحیح خیال قائم کر سکتا ہے جو حسن تخیل سے بے بہرہ ہے" ۔ ان کے مذہب میں سب سے بڑا گناہ بدمذاقی ہے ۔ عوام یا ان کے الفاظ میں ناآشنایان راز سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے ذہنی زندگی کی لطافتیں سب کے بس کی نہیں، اسی طرح خوش مذاقی عام نہیں ہے ۔ سجاد انصاری اسی وجہ سے یہ چیزیں پسند کرتے تھے وہ عام طور پر مذہب کے مخالف سمجھے جاتے ہیں لیکن دراصل وہ فلسفی، صوفی اور زاہد خشک کے زیادہ خلاف ہیں " فلسفی دنیا کے ہر واقعہ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوتا ہے ۔ یہی اس کی ناکامیوں کا حقیقی راز ہے ۔ وہ ہر ظاہر کا ایک باطن تلاش کرتا ہے ۔ حالانکہ دنیا میں ہزاروں پردے ایسے ہیں جن کے اندر کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں ۔" ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ شاعری کی طرح فلسفہ بھی ایک دھوکا ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ شاعری لطیف ترین دھوکا ہے اور فلسفہ نہایت خشک اور غیر دلچسپ ہے " نتایج معلوم، ژولیدہ بیانی ۔ کج فہمی ۔ بے راہ روی ۔ نادانیاں حماقتیں ۔ جہل مرکب ، نہ منزل کا پتہ ، نہ جادہ منزل کا ہوش ، دماغ کے سامنے

کوئی راستہ نہیں، دل میں کوئی آرزو نہیں، الفاظ کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ
کوئی مفہوم۔ ان تمام عقدہ ہائے لاینحل اور افکار لایعنی کا نام فلسفہ رکھا گیا ہے۔
صوفیوں سے بھی سجاد بہت ناراض ہیں، روز جزا میں شیطان صوفی سے کہتا
ہے "تمہارا گروہ بھی باوجود اپنے ادعائے حقیقت پرستی کے ہمیشہ حقیقتوں سے
بے خبر رہا۔ نہ وہ مجاز کو صحیح طور پر سمجھا اور نہ حقیقت کو۔ تمہارا مجاز بھی غلط اندیشیوں
پر مبنی تھا اور تمہاری حقیقت بھی۔ خدا بھی صوفی سے برہم ہے" یہ تیری نادانی تھی
کہ تیرے سامنے جو حقیقت آئی تو اسے مجاز سمجھا۔ مجاز و حقیقت کے امتیاز میں
ہی تیری جستجو کی ناکامیاں پنہاں تھیں۔ سجاد کو زاہد خشک کی زندگی میں خلوت نشینی
اور عمل نیک کی خشکی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کا خیال یہ ہے کہ زاہد خشک
کچھ انسان نما حیوان ہی پر کھلتا ہے۔

سجاد کا وار صرف فلسفی، صوفی اور زاہد خشک ہی پر نہیں۔ وہ مذہب و
اخلاق پر بھی چوٹیں کرتے ہیں۔ وہ جماعت کو برگزیدہ افراد کے خلاف ایک بزدلانہ
اتحاد سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی بڑھی ہوئی انفرادیت اور انانیت کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے
کہ سجاد نیٹشے کے خیالات سے بھی متاثر ہوئے ہیں۔ نیٹشے ارتقار کا قائل ہے
مگر نوع کی نہیں فرد کی۔ اس کے نزدیک کائنات فوق البشر پیدا کرنا چاہتی
ہے۔ نیٹشے کا یہ فوق البشر قوت کا مظہر ہے مگر جمالیاتی احساس سے محروم
سجاد کے یہاں جمالیاتی احساس سب کچھ ہے اس وجہ سے ہم انھیں نیٹشے سے
زیادہ آسکر وائلڈ کے قریب پاتے ہیں، جن کے مضامین میں قول محال
Paradox سے بڑا کام لیا گیا ہے۔

The decay of lying as an art De Profun dis Pen Pencil & Poison

ان تینوں مضامین کی نمایاں خصوصیت یہی **Paradox** ہے۔ مذہب اخلاق پر جو مضمون ہے اُس میں سجاد صاحب کہتے ہیں کہ مذہب نام ہے خلوص نیت اور صدق عمل کا۔ روز جزا ایں شیطان خدا سے سفارش کرتا ہے کہ تمام گناہ کبیرہ اور خبیثہ کا ارتکاب کرنے والے دوزخ میں بھیج دیئے جائیں۔ وہ صرف ان لوگوں کی سفارش کرتا ہے جن کی سفارش رومی و اقبال بھی کرتے ہیں۔ سجاد کی طنز دراصل ان لوگوں پر صرف ہوتی ہے جو مذہب و اخلاق کے مقدس واسطے سے افراد پر مظالم کرتے رہتے ہیں کیونکہ اس طرح فرشتوں کا یہ قول صحیح ہو جاتا ہے کہ انسان خون بہائے گا۔

سجاد کے مرکزی خیالات "حقیقت عریاں میں ملتے ہیں۔ دراصل اس کو پڑھ کر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سجاد لامذہب ہیں۔ یہ مضمون سجاد کے طرز تحریر کا سب سے اچھا نمونہ ہے۔ اس میں خیالات صاف اور واضح، منطقی استدلال انوکھا اور منفرد، اور انداز بیان ہیرے کی مانند ترشا ہوا ہے۔ لیکن یہ محض حقائق کو اُلٹنے پلٹنے اور ان کی نئی تعبیر کرنے یا خیال کی تمام پہنائیوں کا احاطہ کرنے کی کوشش ہے۔" فرشتے کی انتہا یہ ہے کہ شیطان ہو جائے۔ ایک حقیقت جب پلٹتی ہے، دوسری حقیقت ہو جاتی ہے۔ خدا نے ابتدا میں صرف فرشتوں کو پیدا کیا تھا۔ اُس وقت تخلیق شیطنت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ خود ملکوتیت میں عناصر شیطنت مضمر ہیں۔ سلسلہ ارتقا سے شیطان خود بخود پیدا ہو جائے گا

انسان صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ملکوتیت اور شیطنت دونوں کو ایک دوسرے سے براہ راست ٹکرانے نہ دے۔ اور جب کبھی تصادم کا اندیشہ ہو اپنی ہستی کو پیش کر دیا جائے۔ شیطان کی انتہا یہ ہے کہ فرشتہ ہو جائے۔ جب شیطنت ملکوتیت سے بدل جائے گی نہ دنیا کی ضرورت رہے گی نہ انسان کی"

سجاد انصاری کو انھیں خیالات کے بار بار دہرانے میں بہت لطف آتا ہے۔ ان میں جرات، ہمت اور ندرت تینوں کی چاشنی ہے۔

روز جزا دراصل حقیقت عریاں کی تفصیل ہے۔ یہ ڈراما انھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں لکھا تھا اور ابھی اسے ختم نہ کر پائے تھے کہ خود ختم ہو گئے۔ ایک عرصہ کے بعد یہ رسالہ سہیل علی گڑھ میں سب سے پہلے شایع ہوا یہاں سجاد قیامت کا ایک منظر پیش کرتے ہیں جس میں ان کے خیال کے مطابق آدم و حوا۔ فرشتے اور شیطان، زاہد اور صوفی، خوبصورت مرد اور خوبصورت عورت، سب سے ان کے اعمال کا حساب لیا جاتا ہے اور پھر ہر ایک کو عمل کے مطابق اسے انعام یا سزا ملتی ہے۔ اس ڈرامے میں سجاد برنارڈ شا کے Man and Superman سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ برنارڈ شا کے ڈرامے طویل دیباچوں کا خشک ضمیمہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسے سوائے زندگی کے ہر گوشہ پر تخریبی طنز کے اور کسی چیز سے سروکار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے یہاں لمبے چوڑے وعظ، اور بلند آواز سے ذہنی ورزش کے نمونے ملتے ہیں۔ سجاد کے یہاں بھی ڈرامے میں واقعات کا اتار چڑھاؤ یا ایسے لمحات جن میں ساری زندگی سمٹ آئے۔ کم ہوتے ہیں، انھیں کردار نگاری سے

سے بھی زیادہ دلچسپی نہیں - وہ تو ڈرامے کو سہارا بنا کر اپنے خیالات کا تفصیل سے اظہار کرتے ہیں۔ سجاد کا نام آتے ہی برنارڈ شاہ یوں بھی یاد آتا ہے
Man and Superman بشر اور فوق البشر کا ہیرو ٹینر
Tanner عورت کو اجگر Baa-Constrictor کہتا ہے
جو انسان سے اُس کی روح - اس کی آزادی - اس کا حقایق کی جستجو کا جذبہ اس کا زندگی کے سربستہ رازوں کو فاش کرنے کا ولولہ چھین لیتی ہے سجاد بھی Tanner کے انجام سے واقف ہیں - اُن کی زلیخا اور برنارڈ شاہ کی ہیروین این Ann میں کتنی مشابہت ہے -

روز جزا کا ہیرو شیطان ہے - وہ حسن معاصی کی شریعت کا پیمبر اور خدا کا محرم راز ہے - سجاد اس راز کو فاش کرنے سے نہیں جھجکتے جس کی جرأت نہ ملٹن کو ہوئی اور نہ اقبال کو - خود شیطان کی شخصیت سے ادیب یا شاعر کو جو دلچسپی ہو سکتی ہے اُسے میں نے اپنے ایک مضمون "اقبال[1] اور ابلیس" میں تفصیل سے بیان کیا ہے - مغرب میں دانتے - گوئٹے اور ملٹن اور مشرق میں بعض صوفیا اور اقبال نے اس کی شخصیت عظمت اور جاذبیت کی طرف اکثر اشارے کئے ہیں - اقبال "جاوید نامے" میں اُسے خواجہ اہل فراق کا لقب دیتے ہیں اور اسی کے لہو کو قصہ آدم کی رنگینی کا باعث سمجھتے ہیں مگر اقبال سے پہلے سجاد اُسے محرم راز قرار دے چکے تھے - سجاد کے بعد اردو میں فلک پیما اور رشید احمد صدیقی کے یہاں اس تخیل پر اضافہ کیا گیا ہے - "پاسبان" اور "کچھ کا کچھ" اس لحاظ سے بہت اہم ہیں - رشید صاحب

---

(۱) رسالہ ہندستانی ۳۸ء

کے آدم کے متعلق ان کے شیطان کا نظریہ یہ ہے۔

"اجی آدم میرے بڑے بھائی تھے۔ لیکن نہایت سادہ لوح، ضدی اور جاہل۔ ذرا یہ کرشمہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ نہ بندوق اپنی نہ نشانہ اپنا نہ ارادہ اپنا نہ مقصد اپنا، صرف اپنے کندھے پر رکھ کر چھوڑ والی۔ یہ نہ سمجھے کہ ان کی اس حرکت سے کتنا بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اب جو کہتا ہوں کہ میاں یہ کیا کیا تو کہتے ہیں کہ ہم خلاصۂ کائنات ہیں۔ میں نے کہا اور میں؟ لال پیلے ہو کر فرمایا شیطان"

آپ اپنے کو جو کہہ لیجیے لیکن مسئلہ کی نوعیت کھیل کھلاڑی کا پیسہ مداری کا سے آگے نہیں بڑھتی۔ کھیل کھیلنے پر آپ مجبور ہیں، کمال فن پر داد ملتی ہے۔ اور آپ خوش ہیں کہ کمال آپ کا ہے۔ انسان ایک مقدس گمراہی میں مبتلا ہے جس کو وہ مذہب قرار دیتا ہے اور جس چیز کو نہ وہ سمجھتا ہے اور نہ سمجھنا چاہتا۔ اس کو مذہب کے حوالے کر دیتا ہے میلادِ آدم نے قوائے الٰہیہ کو مضمحل کر دیا تھا۔ انکار ابلیس نے ان کو شگفتہ بنا دیا۔ انکار ابلیس ایک آئینہ تھا جس میں حقیقت نے پہلی بار حقیقت کو پہچانا۔"

یہاں سجاد انصاری کا اثر صاف نمایاں ہے۔ پاسبان میں شاعر شیطان سے سوال کرتا ہے، تمہارا ایمان کس پر ہے۔ شیطان اس کا جواب نہیں دیتا۔ مگر شاعر کا یہ مصرعہ بہت واضح جواب ہے ؎

وہ ہم سے بھی زیادہ کشتۂ تیغ ستم نکلے

مگر سجاد کی حیثیت صرف ایک مست بیل کی نہیں ہے جو ہر طرف ہر چیز

کو پامال کرتا جائے، نہ وہ ایسے دیوانے ہیں جو شیشہ گر کی دوکان میں جاکر ہر برتن کو پاش پاش کرتا ہو۔ ان کی نظر بعض معاملات میں بہت صائب اور گہری ہے۔ اس دعوی کے ثبوت میں ان کا مضمون "مسلمانان ہند اور تحریک اصلاح" پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس میں وہ بڑی خوبی سے علمار کی تنگ نظری سرسید کی کمزوری" اور طبقہ علمار میں جہلا اور طبقہ جہلا میں علما کی موجودگی کا ذکر کرتے ہیں۔ انھوں نے علمار اور سرسید دونوں کا موازنہ اس طرح کیا ہے:-

"علمار ایک حد پر تھے اور سرسید دوسری حد پر۔ سرسید پر سب سے بڑا الزام یہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے علمار کی ضد میں مذہب کو غلط سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ مذہبی حیثیت سے وہ واقعی گمراہ تھے انھوں نے علمار کی مخالفت میں مذہب و اخلاق کو دور جدید کی ضروریات پر قربان کر دیا اور علمار نے سرسید اور ان کے طبقے کی مخالفت میں تعلیم جدید سے مخالفت اختیار کر لی۔ اس کشمکش میں نہ علما تباہ ہوسکے اور نہ سرسید جو کچھ تباہی آئی تھی وہ اسلامی تمدن پر آئی"

یہی نہیں۔ سجاد مشرق کی روحانیت کے قائل اور مغرب کی مادیت سے بیزار ہیں۔ انھیں مغرب کے نظریہ ارتقا میں بدمذاقی نظر آتی ہے حقیقت انسانی اسے مضطرب کر رہی تھی۔ حقیقت میمونی نے اس کو مطمئن کر دیا ان کے لئے یہ تصور لطیف نہ تھا کہ انسان عالم لاہوتی کا ایک کرشمہ ہے، وہ صرف اس حقیقت سے مسرور و مطمئن ہیں کہ اس کی حقیقتیں میمونیت میں

مضمر ہیں۔ مشرق روحانی فضا سے مانوس ہے۔ اس کا فلسفہ اگر کسی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسی عالم قدس کی طرف جس کی رنگینیوں کے پرتو سے یہ دنیا معمور ہے۔ مغرب کی غلامی سے آزادی کا یہ سبق دراصل شبلی نے پڑھایا تھا۔ شبلی کی اس اولیت کا اعتراف مہدی اور سجّاد دونوں نے دل کھول کر کیا ہے۔

سجّاد کے خیالات محض مجذوب کی بڑ نہیں تھے۔ انھیں ادب اور شاعری سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ ان کے متعلق بڑے دلچسپ خیالات رکھتے تھے۔ ان کے خیالات میں صحت اتنی نہیں ہوتی تھی جتنی شدت۔ وہ ہر بات کو بڑی قطعیت سے بیان کرتے تھے۔ یہ بات مکالے کے یہاں بھی پائی جاتی ہے اور اسی نے اس کے حق میں کانٹے بوئے ہیں۔ مگر سجّاد کے انداز میں ایک بڑی بات ہے جو مکالے کے یہاں نہیں۔ مکالے سطحی ذہن و دماغ کا آدمی ہے۔ سجّاد کے خیالات میں گہرائی ہے اور ان کے قلم سے جو بات نکلتی ہے وہ اس قدر دلچسپ ہوتی ہے کہ اس کا ذہن پر ایک غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ مگر یہی نہیں ادب میں ان کی بہت سی قدریں صحیح بھی ہیں۔ مثلاً شاعری میں خشک فلسفہ نظم کرنے کو وہ بد مذاقی سمجھتے ہیں۔ انھوں نے فلسفیانہ اور اصلاحی شاعری کا جو معیار بتایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ بہترین اصلاح کی صورت یہ ہے کہ انھیں رنگینیوں کو جو محبوب کے خط و خال میں صرف کی جاتی ہیں، مذہب و اخلاق کی خاکہ کشی میں استعمال کیا جائے" ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ "شاعر کسی لطیف خیال کو نظم کرے یا کہنہ کو ساغر نو میں پیش کرے، اگر دونوں میں سے ایک خصوصیت بھی نہ ہو تو شعر کہنا ایک ناقابل عفو جرم ہے" علاوہ بریں اس سے بہتر معیار کیا ہو سکتا ہے کہ

صحیح شاعری وہ ہے جو حقائق کو رنگینیوں سے اس طرح لبریز کر دے کہ ہر شعر اپنے علم کی لطافت میں قرآن کی ایک آیت اور اپنے عمل کی وسعتوں میں حدیث کا ایک ٹکڑا بن جائے "سجاد نے اگرچہ کسی شاعر یا ادیب کے متعلق تفصیل سے اظہار خیال نہیں کیا ہے مگر ان کے مضامین میں جابجا جو تنقیدی اشارے ہیں اُن سے اس خیال کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ سجاد کا ادبی مذاق نہایت پاکیزہ اور بلند تھا۔ مہدی کی طرح وہ بھی دوم درجے کی چیز کے قائل نہیں تھے وہ اس حالی کے قائل ہیں جنھوں نے مقدمے کے قبل شاعری کی اور شاعری کے بعد مقدمہ لکھا۔ اُنھوں نے اس کا ماتم کیا ہے کہ "حالی اپنی سعی اصلاح میں خشک ہو کر رہ گئے ورنہ حالی وہ بھی تھے جنھوں نے یہ شعر کہا تھا۔

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

اس خیال میں بہت کچھ صداقت موجود ہے۔ "جواہرات حالی" میں نہ چمک ہے نہ خوبصورتی۔ ان میں وزن ضرور ہے۔ حالی کی رباعیات ان کی شاعری میں بہت بڑا درجہ نہیں رکھتیں۔ برکھا رت، حُبِ وطن، مسدس شکوہ ہند، مناجات بیوہ اور بعض غزلوں کے بعد حالی کو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اُن کے آخری دور کی شاعری اُن کی سب سے بہترین شاعری نہیں۔

شبلی کے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ ان کی اردو شاعری روزمرہ کے واقعات سے متعلق ہے۔ لیکن اُن کا شعر حقیقتاً شعر ہوتا ہے۔ تا قابلِ

برداشت نشر نہیں ہوجاتا۔ اگر وہ کبھی اخلاق کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اس لطیف انداز سے لکھتے ہیں کہ وہ ناصح کی بے مزہ اور تکلیف دہ مصیبت نہیں بن جاتی، اقبال اور ابوالکلام کے متعلق انھوں نے جس عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے مگر ذرا الفاظ کو دیکھئے اپنا انداز یہاں بھی قایم ہے۔

"اقبال کو جب پڑھتا ہوں۔ خدا یاد آجاتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن نازل نہ ہوچکا ہوتا یا مولانا ابوالکلام کی نثر اس کے لئے منتخب کی جاتی یا اقبال کی نظم۔

ابوالکلام کی نثر اور اقبال کی نظم دونوں کا اثر ان کی نثر میں ملتا ہے اُن کے یہاں جو گرمی ہے وہ ابوالکلام کے اثر سے آئی ہے۔

آسکر وائلڈ نے بلند پایہ ادب کا ایک معیار یہ بھی بتایا ہے کہ ایک ایک مصرعے یا جملے میں حقیقت اس طرح بیان ہوجائے کہ ازل و ابد کی طنابیں کھچ جائیں یا غالب کے الفاظ میں فرد اودی کا تفرقہ مٹتا نظر آئے۔ اس نے شکسپیر اور کیٹس کے اشعار سے اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ اس کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ سجاد کے یہاں کبھی کبھی خیال اس قدر انوکھی شان سے بیان ہوتا ہے کہ ذہن پر ایک لازوال نقش چھوڑ جاتا ہے۔ ایسے جملے یا فقرے بکثرت ملتے ہیں جو فوراً یاد ہوجاتے ہیں۔

چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

"مجھے عقبیٰ سے کوئی دلچسپی نہیں البتہ اس کا منتظر ضرور ہوں۔ میں

قرۃ العین کے قاتلوں کا حشر دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"بدصورت عورت فطرت کا محض ایک غمزہ رہیری ہے"۔

"شیطان اور فرشتے کے درمیان انسان محض ایک بزدلانہ اور ریاکارانہ صلح ہے"۔

"انسان کی سب دعائیں اگر مقبول ہوجائیں تو اُس کی شخصیت برباد ہو جائے"۔

"وفاشعاری احساس حیات اور جذبہ حسن پرستی کے اضمحلال کا نام ہے"۔

اقبال نے اپنے شعر میں یہی خیال اس طرح نظم کیا ہے ؎

سچ اگر پوچھو تو افلاس تخیل ہے وفا
دل میں ہر دم اک نیا محشر بپا رکھتا ہوں میں

ابوالکلام کے متعلق ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

"جامعیت ہندوستان میں کبھی اس سطوت وجبروت سے نمایاں نہیں ہوئی تھی۔ مولانا آزاد نے مذہب کی بھی تبلیغ کی اور سیاست کی بھی"۔

"دنیا متعجب تھی کہ پیر وفا کی خانقاہ سے مجاہدین اسلام کا لشکر کس طرح نکلا۔ حکومت متحیر ہوگئی کہ بردکش نے بھی بالآخر حملہ کر دیا"۔

سجاد انصاری کے جملے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر ان میں ایک خاص ربط ہوتا ہے۔ خیال رفتہ رفتہ قدم بڑھاتا ہے۔ عبارت باوجود منفرد اور عالمانہ ہونے کے مشکل نہیں ہوتی۔ وہ عربی فارسی کی ان اصطلاحوں

بیزار ہیں جو آسانی سے ادا نہ ہو سکیں ۔نظریہ نسبیہ، کی ترکیب پر وہ اسی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں ۔ اُن کے خیال میں اس قدر صفائی اور تیزی ہے کہ الفاظ بھی آئینہ بن جاتے ہیں ۔ ان کا جذبہ یا احساس اس قدر گہرا ہے کہ جو خوف کے الفاظ میں ہمیں "ٹوٹی ہوئی بوتل میں چاندنی کا عکس" اور اقبال کے الفاظ میں شراب میں شمشیر کی تیزی محسوس ہوتی ہے ۔ ان کے یہاں حیرت انگیز یکسانیت اور توازن ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بہت جلد اپنے آپ کو پا لیا تھا، یا مڈلٹن مرے کے الفاظ میں وہ "الفاظ پر فتح پا چکے تھے" اُن کے یہاں اُتار چڑھاؤ، یا خشکی یا بے کیفی کہیں نظر نہیں آتی اُن کو پڑھ کر Pater کی نثر کی چستی اور فن کاری یاد آتی ہے اگرچہ یہاں گرمی و گداز بھی ہے ۔ یہی گرمی بڑھ کر عظمت و جلال کا درجہ حاصل کر لیتی ہے ۔ سجاد کا اسٹائل رفیع Sublime ہے ۔ اس میں دھیمی دھیمی بہنے والی جوئے دل نشیں کا نغمہ نہیں، ہمالہ کے چشموں کے اُبلنے کی کیفیت ہے ۔

سجاد انصاری کا اثر ان کے ہم عصروں یا نوجوان ادیبوں پر زیادہ نہیں ۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ مشہور نہ ہو سکے ۔ محشر خیال کا پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا اور دوسرے ایڈیشن کی نوبت اب آئی ہے سجاد عام پسند نہیں، خواص پرستی کے قائل ہیں، وہ تو برنارڈ شا کی طرح خواص کی آمریت کے حامی معلوم ہوتے ہیں ۔ آج کل جمہوری رجحانات کی بنا پر خواص پرستی کو شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ کبھی کبھی اس کی آڑ رجعت پسندی نے بھی لی ہے ۔ ادب لطیف سے بیزاری بھی بڑھتی جاتی ہے ۔ کیونکہ

اس کا مقصد محض ذہنی تعیش رہا ہے اور اگرچہ سجاد کا ادب صرف "عشوہ گری"
نہیں پھر بھی موجودہ مقصدی اور جمہوری رجحان خالص جمالیاتی یا ذاتی نقطۂ نظر سے
ہمدردی نہیں رکھتا۔ برنارڈ شا کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ طنز سے اصلاح کرتا ہے
سجاد کے یہاں بھی طنز ملتی ہے اور وہ بھی طنز کے تیشے سے سینکڑوں بت توڑنا
چاہتے ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طنز بغیر ظرافت کے ناممکن ہے وہ سجاد انصاری
کے مضامین کا مطالعہ کریں۔ یہاں جذبہ اس قدر شدید اور مقصد اس قدر
عزیز ہے کہ چہرے پر تبسم آتا ہی نہیں۔ سوئفٹ پر آخر میں جو رنگ آیا، سجاد
کے یہاں شروع سے موجود ہے۔ سوئفٹ کی ہنسی میں ایک حزنیہ رنگ
ہے۔ سجاد مسرت اور عبرت دونوں سے بے نیاز ہیں۔ وہ صرف نفرت
کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا اثر ہمیں رشید صدیقی کی نثر میں زیادہ اور اصغر
کی نظم میں کم کم ملتا ہے، گو اصغر کے یہاں روشنی ہے گرمی نہیں۔ ان کا اسٹائل
اردو میں یادگار رہے گا۔ ان کا نام آتا ہے تو اقبال کا یہ مصرعہ بے ساختہ
زبان پر آجاتا ہے ؎

ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

آل احمد سرور

معارفِ جمیل

محبت کی ماہیت نفسی

"نفسیات" کی بلند آہنگیوں سے دنیا اس قدر مرعوب ہے کہ اُس کی ہر اصطلاح کو انسانی دماغ ایک ناقابل فہم سر سمجھتا ہے، لیکن فلسفہ ناشناس طبائع پریشان نہ ہوں۔ میں انھیں "علم النفس" کی کوئی دھمکی دینا نہیں چاہتا محبت کے متعلق چند منتشر خیالات کو مجتمع کرنا تھا، یہ بھی ڈر تھا کہیں سطحیت کا الزام نہ آئے، اس لئے ایک "وقیع" اور "سنجیدہ" عنوان کی تلاش ہوئی۔ اتفاق سے ایک جامع ترین، لیکن نہایت غیر ذمہ دار، ترکیب الفاظ ذہن کے سامنے آگئی۔ یہ خیالات کا محض ایک "عمل توجہ" تھا اور کچھ نہیں "ماہیت نفسی" کا شان نزول بس یہی ہے۔

اس تمہید سے غالباً میری تمام ذمہ داریاں ختم ہوگئیں۔ عنوان کی فلسفیت سے اگر کوئی یہ امید رکھتا ہو کہ میں مصطلحات کے ذریعہ سے شان فلسفہ قایم رکھنے کی کوشش کروں گا، یہ اس کی غلطی ہوگی۔ میرا دامن

خیال معصیت فلسفہ کے داغ سے ہمیشہ پاک رہا۔ اور جب تک محققین نفسیات کا عبرت آموز حشر نگاہوں کے سامنے ہے میں کبھی ارتکاب تحقیق کا مجرم نہیں ہو سکتا۔

"ماہرین علم النفس" اور اُن کے ہمنوا گروہ نے جس دریدہ دہنی سے عشق و محبت کی نفسیات کی تحلیل کی ہے، اس سے نہ مجھے اختلاف ہے اور نہ اتفاق۔ ممکن ہے مصنفین کا کوئی وقتی جذبہ تنفر محبت کے متعلق اس عُریاں خیالی کا باعث ہوا ہو، یا عصمت فلسفہ کی مجبورانہ خودداری۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محض ایک مدافعانہ انتقام ہو، صنف لطیف کی عشوہ سازیاں متانت فلسفہ کی تضحیک کرتی ہیں۔ ایک فلسفی کو لازماً اس انداز سے متنفر ہونا چاہیے اس لئے اس کی نگاہوں میں ہر وہ جذبہ جس کا تعلق صنف لطیف سے ہے انتہائی نفرت کا مستحق ہے۔ انگلستان کا مشہور شاعر پوپ ایک بدہیولہ شخص تھا اُسے خیال ہوا کہ طبقہ نسواں اُس سے متنفر ہوگا۔ صرف اس بدگمانی پر وہ عورتوں کا دشمن ہوگیا۔ اُس کی تمام تر زندگی کا امتیازی جذبہ یہی جذبہ تنفر تھا۔

بہر حال، مجھے اس فلسفیانہ انداز سے کوئی سروکار نہیں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ محبت کی یہ دلیرانہ توضیح غلط ہے۔ بہت ممکن ہے صحیح ہو۔ کیونکہ عموماً خشک اور غیر دلچسپ باتیں صحیح ہوا کرتی ہیں۔ خیالات میں بھی صرف دلچسپ اور غیر دلچسپ کی تقسیم ہو سکتی ہے، غلطی اور صحت کا کوئی معیار نہیں عُریانی حسن کی طرح عریانی خیال میں بھی دل کشی ہے، لیکن انتہائی عُریانی خیال بھی حسیات لطیفہ کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ اس لئے کسی مسئلہ

کی خشک اور "سنجیدہ" تشریح کرنی انتہائی حسن کشی ہے۔

مصطلحی نہ فلسفہ ہمیشہ فنون لطیفہ کا دشمن رہا ہے اُسے ضد ہے کہ دنیا میں کسی لطیف خیال کا طلسم قایم نہ رہے۔ محبت ایک لطیف کیفیت تھی۔ دل اس دھوکے میں تھا کہ یہ جذبہ بہشت کے بہترین پھولوں کے رنگ و بو سے بنایا گیا ہے جس میں کثافت کا کوئی جز و نہیں۔ لیکن "علم النفس" کی مجادلانہ تحقیق اس دھوکے کو بھی قایم رکھنا نہیں چاہتی۔ ہمیں شکایت صرف یہ ہے کہ "نفسیات" اس حسن خیال کا احترام نہیں کرتی مسئلہ اُنس و محبت کی لطافت جس کی مستحق ہے۔ ورنہ کسی مسئلہ کی صحیح توضیح کرنی کوئی دشوار کام نہیں۔ ہر وہ دماغ صحیح رائے قایم کر سکتا ہے جو حسن تخیل سے بے بہرہ ہو۔

فلسفہ صحت خیال چاہتا ہے، لیکن وہ جس میں خشکی اور سنجیدگی کے سوا حسن کی جھلک بھی نہ ہو۔ شاعری حسن خیال کی تابع ہے، عام اس سے کہ صداقت ہو یا کذب و افترا۔ میرے ان تمام خیالات کا یہی ایک عذر ہے۔

فارسی شاعری نے تصوف اور تصوف نے امرد پرستی کے جذبات کو اس قدر ابھار دیا ہے کہ عشق و محبت کا مفہوم ہی مسخ ہو گیا۔ تصوف پیشہ گروہ میں محبت اُس عجیب کیفیت کا نام ہے جو ایک سیزدہ سالہ مغبچہ بادہ فروش سے بھی وابستہ ہو سکتی ہے اور ایک صد سالہ پیر خرابات سے بھی۔ محققین نفسیات باوجود اپنے ادعائے تحقیق کے اس معمے کو حل نہیں کر سکتے۔ میرے خیالات کا تعلق صوفیوں کی اس محبت سے نہیں! اس تنبیہ کی ضرورت اس لئے محسوس

ہوئی کہ مروجہ تصوف نے مذاق سلیم کو یہاں تک برباد کر دیا ہے کہ خیالات کے ساتھ الفاظ بھی انتہائی غلط فہمی پیدا کر سکتے ہیں۔

۱۹۶۳ء میں محبت صرف اُس لطیف جذبہ کو کہتا ہوں جو ایک حسن پرست دل میں صنفِ لطیف کی کشش سے پیدا ہو جاتا ہے۔ جنسیات کی باہمی کشش میں کوئی راز لطیف پوشیدہ ہے اُسے محبت کہا جائے یا حُسن، مفہوم ایک ہی رہتا ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ خود صنفِ لطیف اجتناب و تغافل کے پردے میں محبت کرتا ہے۔ مرد کا جذبۂ محبت فطرت کی صرف مجبورانہ اثر پذیری ہے۔ نظام فطرت کی یہ ایک اہم ترین مصلحت ہے کہ اہلِ عشق نسوانیت کے انداز تغافل کو جوشِ محبت نہیں سمجھتا ورنہ انسانی ہستی کا طلسم ہی ٹوٹ جاتا۔ غالباً یہ خیال صحیح ہے۔ محبت کی نفسیات پر بھی اس سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ تخلیق کائنات کا کوئی مقصد ہو یا نہ ہو، یہ امر مسلمہ ہے کہ انسانی محبت میں فطرت کے رموز پنہاں ہیں دل و دماغ کی یہ پریشانیاں بے معنی نہیں۔ انھیں کے ذریعے سے کائنات کے اہم ترین مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے" مجاز و حقیقت صرف ایک دام فریب ہے، جسے تصوف کی معصوم خیالی نے تیار کیا تھا۔ پیشہ ور صوفیوں نے اُس سے فائدہ اُٹھایا ؎

آ جائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجیے
عشقِ مجاز و چشم حقیقت نگر غلط

وہ مجبور ہستیاں جو مبتلائے محبت ہیں، اس مسئلہ کو دنیا والوں کے ملوث خیالات سے بالاتر سمجھتی ہیں۔ اُن کے عقیدے میں یہ برگزیدہ مسئلہ

صرف "لوح و قلم" سے حل ہو سکتا ہے۔ گروہ عشاق اس قدر بر خود غلط نہ ہوتا اگر
غیر ذمہ دار شعرا اُسے غلط فہمیوں میں نہ ڈال دیتے۔ شعرا نے محبت کو ایک
ایسا طلسم فردوسی بنا دیا ہے کہ خود عشاق کو اپنے متعلق نہایت مضحکہ خیز حُسنِ ظن
پیدا ہو گیا۔ ہر عاشق جوش وفا میں مجنوں منش اور فرہاد پیشہ بننا چاہتا ہے
وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ دونوں ہستیاں فرض وفا کی غلط فہمی اور عشق کی غلط کاریوں
سے ابتذال عشق کا مجسمہ بن گئی تھیں۔ شعرا نے انھیں مبتذل تر بنا دیا۔ وفا
شعاری صرف اس صورت میں جائز کہی جا سکتی ہے جب حسن بے پروا نہ ہو
لیکن اس کی سنگدلی پر اپنے تمام احساسات کو قربان کر دینا محبت کی ذلت
پسندی ہے۔

حُسن ایک وجود اضافی ہے، محبت کے بغیر وہ قایم ہی نہیں رہ سکتا
محبت طلبی حسن کا فرض ہے۔ اگر وہ محبت سے چھپنا چاہتا ہے، اُسے کسی
سنگ سرا میں رہنا چاہیے جہاں انسانی دل و دماغ کے فطری احساسات کی
جنبشیں ناممکن ہوں۔ جذبہ محبت سے جو متاثر نہ ہو وہ حسن ہی نہیں۔ اس کی
بے جا بے نیازیوں پر نیاز مندانہ قربانیاں کرنی محبت کی خود کشی ہے
حسن ناسپاس کا جذبہ وفا کی توہین کرتا ہے۔ وہ وفا کا مستحق ہی نہیں۔ اس سے
وفا کرنی تذلیل محبت ہے۔ فرہاد کا افلاس عشق تھا جس نے اُسے "گرسنہ مزدور
طربگاہ رقیب" بنا دیا۔

جب محبت میں امنگوں کا تلاطم نہیں رہتا۔ جب اس میں نہ تو حسن پرستی
کا اس قدر ولولہ رہتا ہے کہ تلاش حسن میں نکل سکے اور نہ وہ لطافت خیال کہ

ہر نئے حسن کی کشش سے متاثر ہو سکے۔ انسان مجبوراً ہمیشہ کے لئے اُسی کا پابند ہو جاتا ہے جس کا اتفاقاً ایک بار ہو گیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں جذبۂ وفا حسیات لطیفہ کا اضمحلال ہے یا احساس حیات کی پژمردگی۔

بے وقوف انسان محبت کی دنیا میں بھی اخلاقیات کے وہی مروجہ اُصول ضروری سمجھتا ہے، جو روزمرہ کے طرز معاشرت میں جزو زندگی ہیں۔ اُس کا خیال ہے کہ وفا بھی ایک اخلاقی فرض ہے اور ترکِ وفا ارتکاب جرم۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ کیفیات اور احساسات میں اخلاقی فرائض کا سوال بے معنی ہے۔ تمام اضطراری کیفیات میں تلون اقتضائے فطرت ہے۔ استقلال محبت کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جس کیفیت میں شان تلون نہ ہو، وہ محبت ہی نہیں، جذبات کی کوئی مستقل بیماری ہے جسے محبت سے تعبیر کرنا محبت کی لطافت کی توہین ہے۔ کیفیات قلبی میں استقلال محال ہے۔ اور نہ ہونا چاہئے۔ محبت کی ہیجانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ فنا ہو جائے اگر وفا میں استقلال نہ ہو، وہ حسن کی انتہائی بے پروائیوں کے ساتھ نہ رہے، یہ شان حسن پرستی ہے، لیکن وفا کی ستم کشی اعتراف شکست ہے یا انفعال محبت۔

انسانی دل بہشت کی کسی ایسی خاک سے نہیں بنایا گیا ہے کہ محبت کسی قدسیانہ محبت سے تعبیر کی جائے البتہ محبت کا امتیازی خاکہ صرف یہی ہے کہ اُس کی ابتدا کیفیات وجدانی سے ہوتی ہو۔ اور کثیف جذبات ایک حد تک غیر محسوس رہیں بعد کو یہ محبت جس انتہا پر پہنچے اس کی فطری لطافت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ خیالات کا یہ انحطاط ہے کہ انسان کسی جذبہ کی انتہا کو دیکھ کر

اس کی ابتدا سے بھی تنفر ہو جائے۔ اس لئے اگر محبت کی وجدانیت کسی غلط انتہا پر پہنچے، اُس کی لطافت قایم نہیں رہتی، لیکن خود محبت قابل اعتراض نہیں ہو جاتی۔ انسانی جذبات کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ کثیف کیفیات میں بھی تھوڑی دیر کے لئے لطیف روح پیدا ہو جائے۔ اس وجدانیت کا انتہا تک قایم رہنا فطرتاً محال ہے۔ اگر رہے، تو اس کا باعث حسن خیال اور پاکیزگی جذبات نہیں بلکہ محبت کا بیمارانہ غلو ہوگا۔ بہترین محبت وہ ہے جو قایم رہے۔

ایک "عالم نفسیات" عشق و محبت سے صرف اس لئے متنفر ہے (عملاً نہیں) کہ ان جذبات کی بنیاد کثیف خیالات ہیں جو کبھی براہ راست ظاہر ہوا کرتے ہیں اور کبھی وجدانیت کے حیلہ سے۔ اس "ماہیت نفسی" سے کسی طرح کا انکار نہیں کیا جا سکتا: ؎

بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں
اظہار پاک بازی و ذوق نظر غلط

لیکن خشک اور سنجیدہ فلسفہ" سے شکایت تو صرف یہ ہے کہ وہ کائنات کو اس کی شاعری سے محروم کر دینا چاہتا ہے، لطیف مسائل کو بھی انتہائی طور پر غیر دلچسپ طریقے سے حل کرنا چاہتا ہے اور اس فاتحانہ انداز سے گویا اس نے کائنات کا سارا طلسم توڑ دیا۔ شاعر بھی رموز حقیقت کا انکشاف چاہتا ہے، لیکن اسی حسن ادا کے ساتھ حسن راز جس کا مقتضی ہے۔ مگر فلسفی ہر حسن کو ناقابل توجہ سمجھتا ہے۔ شاید وہ

یہ نہیں جانتا کہ شاعری کی طرح فلسفہ بھی ایک دھوکہ ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ شاعری لطیف ترین دھوکہ ہے اور فلسفہ نہایت خشک اور غیر دل چسپ ہے۔

سنجیدہ فلسفہ چاہتا ہے کہ ہر واقعہ اور انسان کا ہر خیال عالم طلسم سے نکل کر واقعیت کی خشک فضا میں آجائے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو خدا کے اس جلوہ گاہ میں زندگی کا ایک ایک لمحہ ناقابل برداشت ہو جاتا۔ محبت کی لطیف حماقتیں اور حسن کا لطیف تر تلون، انھیں دونوں قوتوں نے زندگی کی مشکلات کو حل کر دیا ہے، ورنہ اس عجیب دنیا میں اگر صحیح معنوں میں دو ایک طلسم شکن فلسفی پیدا ہو جائیں انسان کی بے بسی تو مسلّم ہے خود فرشتوں کو بھی دنیا میں آنا ناگوار ہو۔

حسن خیال ہو یا حسن واقعات، اس میں کشش اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ طلسم راز رہے۔ خود محبت کرنے والا ابتدا میں اسی طلسمی فضا میں رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی قدسیانہ عنصر ہے تو اسی "پاک محبت" میں ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جسے انسان نے دوسروں سے زیادہ خود اپنے جذبات کو دھوکہ دینے کے لئے وضع کیا ہے۔ "ابتدائے محبت میں انسان خود اپنے کو دھوکہ دیتا ہے اس کی انتہا یہ ہے کہ دوسرے بھی اس دھوکے میں آجاتے ہیں" یہ مختصر جملہ غالباً تشریح طلب ہو، لیکن کسی لطیف خیال کی تشریح کرنی، اس کی لطافت پر ایک معاندانہ حملہ ہے۔

عفّتِ نسوانی

ارتقاءِ انسانی کی آخری منزل عورت ہے۔ لیکن ہر عورت نہیں۔
عروجِ نسوانی کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ اگر وہ اُن سے گزرتی ہوئی آخری
منزل تک پہنچ گئی ہے، وہ حقیقی معنوں میں عورت ہو جاتی ہے۔ یعنی انبساط
شباب کا ایک مجسمہ جس کی ہر کشش اپنے دامن میں کائنات کے لئے
ہزاروں برکتیں رکھتی ہے۔ لیکن اگر وہ اُسی منزل پر ٹھیر گئی جہاں اسے اُس کی
ظاہری جسمانیت نے ٹھیرایا تھا، اور اُس کی کوتاہ نظری اور بدنصیبی نے
اُسے اُن رموز کے سمجھنے سے باز رکھا جو خود اُس کی ہستی میں مضمر ہیں،
وہ ایک نہایت خطرناک وجود ہو جاتی ہے، جس کا شباب اور جس کی پیرانہ
سالی دونوں حیاتِ انسانی کے مہلک ترین دشمن ہیں۔

پیکرِ نسوانی میں فطرت کے ہزاروں رموز پنہاں ہیں جن کے انکشاف پر
کائنات کے ہر معمے کا حل مبنی ہے۔ عورت کی حقیقت کو کوئی سمجھا ہی نہیں،

ورنہ دنیا کی تمام مشکلات جن کی ذمہ داری محض غلط فہمیاں ہیں اب تک ختم ہو چکی ہوتیں اگر انسان صحیح شباب اور صحیح تر نسوانیت کے رموز سے باخبر ہو جائے، کائنات کی ہزاروں حقیقتیں اُس پر خود بخود روشن ہو جائیں گی۔

گمراہ انسان آج تک یہ نہ سمجھا کہ نظامِ کائنات میں عورت کیا حیثیت رکھتی ہے اور اس کے فرایض کیا ہیں۔ نسوانی حقوق و فرایض پر وہ صدیوں سے بحث کر رہا ہے، لیکن ان مباحث نے اُسے اور بھی گمراہ کر دیا۔ اس نے عورت کو وہ حقوق دے ہیں جن کی خشکی انھیں فرایض سے زیادہ ناقابلِ برداشت بنا دیتی ہے، اور اس پر وہ بے معنی فرایض عائد کئے ہیں جو کبھی فطرت کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے، اور جن سے خود مقاصد نسوانی کی تردید ہوتی ہے۔ ایک ناعاقبت اندیش گروہ چاہتا ہے کہ عورت زہد و اتقا کی دیوی بن جائے جو حسن و شباب کی نیرنگیوں اور انس و محبت کے ہنگاموں سے اُسی طرح متنفر رہے جس طرح زاہدِ خشک عقل و فراست سے متنفر رہتا ہے۔ جاہل انسان اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ زہدِ خشک کچھ انسان نما حیوان ہی پر کھلتا ہے۔ یہ آہنی زنجیر عورتوں کے جسمِ لطیف کے لئے کسی طرح موزوں نہیں۔ عورت کا اگر کوئی فرض ہے، وہ صرف یہ کہ وہ ہمیشہ عورت رہے۔ جن فرایض سے اُس کی نسوانیت کی تکذیب ہوتی ہو، اُسے کسی صورت سے ان کا پابند نہ ہونا چاہئے۔

عصمت و عفت کا اگر کوئی صحیح مفہوم ہے وہ یہی کہ عورت ہمیشہ

اپنی نسوانیت اور اپنے شباب کی نیرنگیوں کو ملحوظ رکھے وہ کوئی ایسے فرایض انجام نہ دے جن سے حسن وشباب کی لطافتوں کو صدمہ پہنچتا ہو، اور ایسے حقوق کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دے جن سے اس کی نسوانیت رائیگاں ہو رہی ہو، ان حقیقتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، عصمت وعفت اور شرم وحیا کے معانی اس مفہوم سے بالکل مختلف اور بعض صورتوں میں متضاد ہیں، جسے گمراہ اور جاہل انسان صحیح سمجھتا ہے۔ کوتاہ نظری سمجھتی رہی کہ مشاغلِ حسن وشباب سے عورت کا ہر ممکن احتراز اور اس کی ہر ممکن احتیاط روحِ عصمت ہے۔ دوسرے الفاظ میں، عورت نہ خود محبت کرے اور نہ کسی کو اپنے حسن سے محبت کرنے دے کج فہم انسان یہ نہ سمجھا کہ یہ حقیقی عصمت وعفت کی تعلیم نہیں، بلکہ عورت کو ترک فرایض کی ترغیب دینی ہے۔ اُسے اس جادۂ مستقیم سے گمراہ کرنا ہے جس پر اُسے نسوانیت کے حقیقی مصالح لئے جا رہے ہیں۔ اگر جوان صالح یہ چاہتا ہے کہ عورت کی نسوانیت کو زہد وارتقا کے قیود بے جا پر قربان کر دے تو وہ اس دنیا کو سمجھتا ہے اور نہ اس کے مقاصد کو۔ اُسے فوراً بہشت میں چلا جانا چاہیئے وہاں کی حوریں نسوانیت سے قطعاً محروم ہیں۔ اسے اس دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔

عورت نے دنیا میں غلط فہمیوں کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ ایک گروہ اُسے مظہرِ الوہیت سمجھتا ہے، دوسرا محض مجسمۂ شیطنت۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان نہ فرشتوں کی فطرت کو سمجھتا ہے اور نہ شیطان کی شیطنت کو

ورنہ عورت کو نہ فرشتہ سمجھتا اور نہ شیطان۔ عورت خود ایک مستقل مخلوق ہے۔ وہ فرشتہ بھی ہو سکتی ہے، اگر اس کی بدنصیبی اُسے گمراہیوں میں مبتلا کر دے۔ لیکن وہ شیطان نہیں ہو سکتی۔ وہ فطرتاً اس قدر بلند حوصلہ نہیں کہ شیطنت کے حقائق سے آشنا ہو سکے۔

عورت کے بغیر نہ دنیا یہ دنیا ہوتی، جس کا ایک کرشمہ عقبیٰ کی ہزاروں نیرنگیوں سے زیادہ دل کش ہے، اور نہ بہشت جس کا لالچ دلا کر مذہب نے جوانِ صالح کو نفس کشی اور لذت شکنی کے ایسے مصائب برداشت کرنے کے لئے آمادہ کر دیا۔ قصور طلائی اور بادۂ گل رنگ کے ساتھ اگر حور کا وعدہ نہ کیا گیا ہوتا جوانِ صالح بہشت کو اس قابل بھی نہ سمجھتا کہ اس کے حصول کے لئے اپنی تمام دنیاوی مسرتوں کو خود ہی برباد کر دے۔ محض اندیشۂ سزا اُسے ترکِ لذّات پر مجبور نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کی یہ بدبختی افسوس ناک ہے کہ عقبیٰ کی اُن مسرتوں کا متمنی ہے، اس کا قلب جن کے احساس کی بھی قدرت نہیں رکھتا۔ بہشت کی موعودہ مسرتیں صرف اس دل کو گرویدہ بنا سکتی ہیں جس میں اس دنیا کی حقیقی رنگینیوں میں محو ہو جانے کی صلاحیت نہیں۔ اگر عقبیٰ میں کوئی جزا ہے، وہ صرف اس کے لئے جس نے دنیا میں مبتلا ہو کر اس کے ہر لطیف معمے کو حل کر لیا اور انتہائی سزا اس بدنصیب کے لئے جس نے حسن کی رنگینیوں سے گریز کرنا چاہا۔ دنیا کو جو نہیں سمجھتا وہ عقبیٰ کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ زاہدِ خشک اور جوانِ صالح کا انجام اسی حیثیت سے تاریک ہے۔ حسنِ نسوانی کو وہ ایک کشش مہلک سمجھتا ہے۔ وہ صحیح طور پر عورت

کا تخیل بھی قایم نہیں کر سکتا - اس لئے عقبیٰ میں اگر کوئی کشش ہے، وہ بھی اس کے لئے ایک معمّا رہے گی - اُس کی نیکیوں کی جزا بھی لطیف نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک حسن شناس کے لئے حسن ہی اس کی جزا ہے اور ایک بد مذاق کے لئے وہی اس کی سزا - حسن و شباب کے مسئلہ میں دنیا اور عقبیٰ کا امتیاز ہی لایعنی ہے -

عرفانِ حسن کے لئے حِسِّ لطیف چاہیئے اور یہی وہ حِسّ ملکوتی ہے جو کبھی کبھی شباب کی نیرنگ خیالیوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ شباب حیاتِ انسانی کی تمام حقیقتوں کا ایک انکشاف ہے، ساری کائنات کا راز خود بخود افشا ہو جاتا ہے، اگر شباب صحیح شباب اور اس کی نیرنگیاں صحیح نیرنگیاں ہوں لیکن شباب انسانی میں خطرات بھی پوشیدہ ہیں، اگر فطرت کوتاہ نظر اور محروم لطافت ہو - ایک بد مذاق مرد کا شباب اُسی طرح خطرناک ہے جس طرح ایک بد مذاق عورت کا حسن، دونوں اپنی متفقہ قوت سے نظامِ عالم کو ایک لمحہ میں تہ و بالا کر سکتے ہیں - ایک بدصورت عورت کا شباب مہلک ترین خطرات میں سے ہے - جو اس بلا سے محفوظ رہ سکا، وہ دنیا کی کسی دوسری مصیبت میں مبتلا نہیں ہو سکتا -

حسن اور شباب میں ایک رابطۂ روحانی ہے - حقیقی نسوانیت صرف عورت کے شباب سے وابستہ ہے - دنیا میں وہ پیامِ حُسن لے کر آئی ہے - اس کا شباب ہی اس کا دورِ پیمبری ہے - شباب کے ساتھ اس کی نسوانیت بھی ختم ہو جاتی ہے - زوالِ حسن اور انحطاطِ شباب اُس کی

حقیقی زندگی کا نفسِ واپسیں ہے۔ اس کے بعد وہ ایک لایعنی ہستی ہو کر
رہ جاتی ہے جس کا نہ کوئی مقصد رہتا ہے اور نہ کوئی مفہوم۔

فطرت نے جس پیکرِ نسوانی کو زکاتِ حُسن سے محروم رکھا ہے اس میں
وہ صفات بھی نہیں پیدا ہو سکتے جو نسوانیت کی تکمیل کے لئے لازمی ہیں حُسن ہی
صفاتِ عالیہ کا منبع و مخرج ہے، جو عورت اپنے جسم میں کوئی کرشمہ نہیں
رکھتی اُس کی روح بھی حُسن سے بیگانہ رہے گی۔ بد صورت عورت فطرت کا
محض ایک غمزۂ پیری ہے۔ اس کا بدنما جسم نسوانیت کی روح لطیف
کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ عورت اگر پیامِ حسن و شباب کی تبلیغ نہیں
کر سکتی اس کا وجود بے کارِ محض اور فطرت کا اسراف بے جا ہے۔ نہ دُنیا
کے لئے وہ کوئی پیامِ مسرت رکھتی ہے اور نہ عقبیٰ کے لئے۔

احتیاطِ حسن عورت کے برگزیدہ فرائض میں سے ہے اس کو چاہیئے
کہ شباب کے آخری لمحوں تک اپنی ہستی کو رنگینیوں سے معمور رکھے اور اپنی
نسوانیت کو رائیگاں نہ ہونے دے۔ اگر وہ اپنے حسن اور اپنے شباب کو
برباد کرتی ہے فطرت کی وہ ایک ناقابلِ عفو مجرم ہو جاتی ہے اس کا مقتضائے
زندگی ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتا ہے۔

پیامبرِ حسن کی حیثیت سے شبابِ نسوانی کا یہ فرضِ اولیں ہے کہ
حسن و محبت کی حقیقی دل فریبیوں میں محو ہو جائے اور ہر اس قلب کو روحانی
مسرتوں سے لبریز کر دے جو اس کے پیام کو سُننا اور سمجھنا چاہتا ہو مصالحِ
کائنات نے عورت پر حُسن و شباب کی اہم ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ وہ ان

مقدس فرائض کو ترک نہیں کر سکتی۔ البتہ حسن و محبت کی شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ حسن سے محبت کرنے والا بھی حسن کی رنگینیوں سے معمور ہو۔ حسن ہی پیام حسن کو سمجھنا چاہتا ہے اور سمجھ سکتا ہے (ایک بدصورت انسان کو خوبصورت انسان سے محبت کرنے کا کوئی حق نہیں) یہ اس کی انتہائی مکاری ہے کہ ان رموز کے سمجھنے کا مدعی ہو، جن سے خود اُس کی فطرت بیگانہ ہے (یہ ایک ناقابل عفو گستاخی ہے کہ انسان ان برکات روحانی کے حصول کے لئے بے چین ہو جن کا وہ کسی طرح اہل نہیں۔ اس لئے عورت کے تمام مقدس فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ بدصورت اور بدمذاق محبت کرنے والوں سے ہمیشہ متنفر رہے۔ نہ اُن سے کبھی محبت کرے اور نہ اُنھیں محبت کرنے دے، ورنہ وہ خود ہی اپنے مقاصد زندگی اور پیام روحانی کو جھٹلا دے گی۔ حسن کا پیام حسن ہی کے لئے مختص ہے۔ اس کی روحانیت کا اصرار یہ ہے کہ وہ نااہل انسان پر رائیگاں نہ کیا جائے۔

انسانی کج فہمیوں نے عورت کو ہمیشہ حُسن و محبت کی ہنگامہ طرازیوں سے دور رہنے کی تعلیم دی۔ عصمت و عفت، ننگ و ناموس، شرم و حیا غرض کہ اس قسم کے تمام الفاظ جن کا تعلق نسوانی زندگانی سے ہے غلط فہمیوں میں اس طرح الجھا دیئے گئے ہیں کہ ان کا حقیقی مفہوم ہی دماغ سے محو ہو گیا۔ حسن و شباب کی نیرنگیوں اور حسن و محبت کی رنگینیوں سے بیگانہ سے بیگانہ وار زندگی بسر کرنی، ہر حسن سے متنفر رہنا اور ہر کشش کو دشمن اتقا سمجھنا عفت و عصمت قرار دیا گیا۔ یہ تمام بدعتیں اُس

جہالت اور بدمذاقی کا نتیجہ ہیں جو حسن خیال اور حسن عمل دونوں کی دشمن ہیں
عورت اگر اس گمراہ کن تعلیم پر عمل کرنا چاہے اس کی نسوانیت ایک
لمحہ میں فنا ہو جائے۔

اگر نسوانیت کا صحیح مفہوم سمجھ لیا جائے، عفت نسوانی کو اس کا صحیح
مفہوم واپس مل جائے گا۔ حافظ کے "بت شیریں حرکات" نے نسوانیت کے
ہزاروں معمے حل کر دیئے۔ یہ بندش نسوانیت کی ایک مکمل تفسیر ہے۔ ناآشنایان راز
ایسے رموز لطیف سے بے خبر ہیں اور خدا کرے ہمیشہ رہیں۔ صرف وہ بلند نظر انسان ان
رموز کا محرم ہو سکتا ہے جس کا حسن لطیف "بت شیریں حرکات" سے بھی لطیف تر ہو۔

وہ اتقا دراصل اتقا نہیں، انتہائی سنگدلی اور انتہائی بے حسی ہے
جس کا تقاضا یہ ہو کہ دل جذبات محبت سے مشتعل نہ ہونے پائے۔ عورت
کا صحیح اتقا اور اس کی حقیقی عفت یہ ہے کہ اس کا دل حسن کی ہر کشش کا تابع
اور شباب کے ہر کرشمہ کا مطیع ہو جائے۔ البتہ اظہار محبت میں اس قدر
محتاط رہے کہ اس کی نسوانیت رائیگاں نہ ہو۔ جذبات میں وہ تلاطم نہ ہو کہ
حسن و شباب کا احساس ہی فنا ہو جائے۔ اس لیئے فطرت نے عورت کو
ضبط و تحمل مرد سے زیادہ دیا ہے تاکہ جوش محبت میں اس کی نسوانیت برباد
نہ ہو۔ اُسے شرم و حجاب کا پردۂ رنگیں دیا گیا ہے، کہ اپنے محبوب سے اس
طرح محبت کرے کہ خود محبوب کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔ تغافل اسی انداز لطیف کا
دوسرا نام ہے۔ دنیا کی ہر صحیح محبوبہ انھیں معنوں میں تغافل کیش تھی۔

حسن و محبت کی کشش سے متاثر ہو جانا اور اس اثر کو نہایت لطیف

انداز سے ظاہر کرنا حقیقی عفت و عصمت ہے۔ اسی اعتراف کشش کی لطافت کو حیا کہتے ہیں۔ بیباکی بھی حسن کا ایک کرشمۂ رنگیں ہے۔ حُسنِ بیباک اور عفت گستاخ کی سحر کاریاں نسوانیت کو آخری منازل تک پہنچا دیتی ہیں۔ جاہل انسان حیا اور بیباکی کو متضاد سمجھتا ہے۔ اس غلط فہمی کی ذمہ دار محض اس کی بد مذاقی ہے۔

حسن کائنات کا ایک نہایت لطیف راز ہے۔ شرم و حیا صرف اس لئے ہے کہ حسنِ نسوانی کا راز دنیا پر افشا نہ ہو جائے۔ عورت اگر نسوانیت سے محروم نہیں ہے، وہ حسن و محبت سے خود بخود متاثر ہو جاتی ہے۔ اس پر ایک جذبۂ لطیف طاری ہو جاتا ہے، لیکن نسوانی مصالح اُسے صبر و تحمل پر مجبور کر دیتے ہیں۔ صحیح معنوں میں عورت وہ ہے جو محبت کرے اور کرنے دے۔ زہد خشک عورتوں کے لئے کسی طرح موزوں نہیں، وہ عورت ہی نہیں جو زاہدۂ خشک ہو۔ ۲۸

حقیقتِ عُریاں

سمعہٗ فرشتے کی انتہا یہ ہے کہ شیطان ہو جائے۔ ایک حقیقت جب پلٹتی ہے، دوسری حقیقت ہو جاتی ہے۔ خدا نے ابتدا میں صرف فرشتوں کو پیدا کیا تھا، اس وقت تخلیقِ شیطنت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ خود ملکوتیت میں عناصرِ شیطنت مضمر ہیں۔ سلسلۂ ارتقا سے شیطان خود بخود پیدا ہو جائے گا معلم الملکوت کی فطرت میں ملکوتیت کے وہ تمام عناصر مکمل ہو چکے تھے، جو تخلیقِ شیطنت کے لئے لازمی تھے۔ فطرتاً اس کے لئے یہ محال تھا کہ ایک لمحے کے لئے بھی اپنی ملکوتیت پر قانع رہے وہ شیطنت پر مجبور ہو گیا۔ اس کے سامنے ایک نئی حقیقت کی وسعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ وہ کسی طرح فرشتہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر وہ اس کی کوشش کرتا کہ اسی فضا میں رہے جس میں وہ پیدا کیا گیا تھا، قانونِ ارتقا اُسے ہمیشہ کے لئے فنا کر دیتا۔ حقائق کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کرنا اپنی ہستی کو فنا کر دینا ہے۔ اگر وہ

اس کوشش میں کامیاب بھی ہوتا اس کے بجائے کوئی دوسرا فرشتہ شیطان ہو جاتا۔ شیطنت ایک حقیقت تھی جسے کوئی فرشتہ جھٹلا نہیں سکتا تھا۔

خدا جانتا تھا کہ معلم الملکوت لامحالہ کارکنانِ قضا و قدر کے خلاف علم بغاوت بلند کرے گا۔ اندیشہ یہ تھا کہیں جوشِ بغاوت میں وہ قوت ازلی ہی کے سجدے سے انکار نہ کر دے۔ اس لئے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک تیسری مخلوق پیدا کی جائے، اور بغاوت شیطانی اُس سے ٹکرا دی جائے تاکہ معلم الملکوت کی حوصلہ مندیاں وقارِ خداوندی کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اگر اسے حیلۂ بغاوت نہ دیا جاتا، اس کی بے باکیاں اپنے لئے اُن سجدوں کو بھی جائز نہ رکھتیں جن میں وہ اس وقت تک مصروف رہا تھا۔

دو حقیقتیں کائنات میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ دونوں کا ایک دوسرے سے متصادم ہونا لازمی ہے، اور اس تصادم سے جو خطرات پیدا ہو سکتے ہیں اُن سے شیرازۂ کائنات ایک لمحے میں منتشر ہو سکتا ہے۔ ملکوتیت اور شیطنت اگر ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں، بہت ممکن ہے ملکوتیت ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے۔ شیطنت ایک ہیئت ارتقائی ہے اس لئے وہ زیادہ مستحکم ہے۔ اس کو کوئی قوت فنا نہیں کر سکتی۔ چونکہ قدرت کو ان دونوں حقیقتوں کو ایک ساتھ قایم رکھنا تھا، اس لئے انسان کی تخلیق ضروری سمجھی گئی۔ انسان صرف اس لئے پیدا کیا گیا تھا کہ ملکوتیت اور شیطنت دونوں کو ایک دوسرے سے براہ راست ٹکرانے نہ دے، اور جب کبھی تصادم کا اندیشہ ہو اپنی ہستی کو پیش کر دیا کرے۔ کہ دونوں قوتوں کے جو اثرات

ایک دوسرے پر پڑ سکتے ہیں، وہ انسانی ہستی پر صرف ہو جائیں۔

اگر فرشتوں پر تخلیق انسانی کے یہ رموز منکشف کر دیئے جاتے مصلحت خداوندی برباد ہو جاتی۔ معلم الملکوت کو جب یہ معلوم ہوتا کہ اس کی قوت بغاوت کا محض ایک مصرف نکالا جا رہا ہے اور اس کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ کارکنان قضا و قدر کے سجدے سے انکار نہ کر سکے وہ لا محالہ مشتعل ہو جاتا۔ پھر وہ انسان کو اس قابل بھی نہ سمجھتا کہ اس کے سجدے کا سوال معرض بحث میں لایا جائے، وہ اُسی وقت اپنی شیطنت کا اعلان کر دیتا۔ اس کے نتائج جو ہوتے اُن کا اندازہ صرف خدا کر سکتا ہے۔

یہ رموز انسان پر بھی افشا نہیں کئے جا سکتے تھے۔ آدم کو اگر اس کی خبر ہو جاتی کہ اُن کی تخلیق کا باعث محض بغاوت شیطانی ہے اور اُن کے فرائض یہ ہوں گے کہ ملکوتیت اور شیطنت کے تصادم کے صدمات کو خود قبول کر لیں، وہ ہر ممکن طریقے سے اپنی تخلیق کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے۔ اُن کو شیطان سے اس بنا پر انس ہو جاتا کہ اُس نے اُن کی تخلیق کی مخالفت انھیں کے فائدے کے لئے کی تھی۔ بہت ممکن تھا کہ جوش غضب میں آدم بھی خدا کی اطاعت سے انکار کر دیتے۔ یہ صورت شیطانی انکار سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی فرشتوں کو اس اعتراض کا موقع مل جاتا کہ ایسی ہستی پیدا ہی کیوں کی گئی جو اطاعت خداوندی کی قائل نہیں ہو سکتی۔ عالم بالا میں اُن واقعات سے جو کشمکش پیدا ہو جاتی اس کا اندازہ بھی خدا ہی کر سکتا ہے۔

فرشتوں سے یہ کہا گیا کہ نیابتِ الٰہی کی غرض سے ایک مخلوق پیدا کی جارہی ہے۔ انسان کو یہ خبر دی گئی کہ تو ایک مستقل کائنات کا حکمراں ہے۔ خدا جانتا ہے کہ انسان میں جذبہ ملکوتیت اور جذبہ شیطنت دونوں متحرک ہیں اگر وہ عالم بالاہی میں مقیم رہا، دونوں حقیقتیں اُسے اپنی طرف کھینچنا چاہیں گی اور وہ کسی نہ کسی طرف کھنچ جائے گا۔ اُس وقت اُس کی تخلیق کا مقصد ہی باطل ہو جائے گا اس لئے احتیاطاً اس کی مقتضی تھی کہ اُسے کسی دوسری دنیا میں بھیج دیا جائے۔ تخلیق "ارض" کا باعث یہی ہے۔ نیابت الٰہی کی غرض یہ ہے کہ جس طرح خدا ملکوتیت اور شیطنت کی کش مکش کو قایم رکھنا چاہتا تھا، اُسی طرح انسان بھی اپنی ہستی میں اُسے قایم رکھے۔ انسان انھیں فرایض کو انجام دے رہا ہے

انسانی ہستی کی بنا ان حقایق پر رکھی گئی ہے، اس لئے اس کی فطرت ہر حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ آدم اگر جنت میں تنہا رہتے، اُن کا ہر لمحہ حقائق کی جستجو میں صرف ہوتا۔ فرشتوں کا گروہ ان کے سامنے تھا۔ حقایق شیطنت ساری فضا میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن پر عبادت وریاضت کے وہ فرایض بھی عاید نہیں کئے گئے تھے، جن کی وجہ سے فرشتوں کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنی حقیقت پر غور کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ان حالات میں یہ کچھ بعید نہ تھا کہ مصالح خداوندی کا سارا طلسم اُن کے سامنے ٹوٹ جاتا، اور وہ اپنی ہستی کو کسی حقیقت میں محو کر دیتے انھیں خطرات کو روکنے کے لئے کارکنانِ قضا و قدر نے پیکرِ نسوانی کی تخلیق کی، اور اس میں وہ تمام کششیں بھر دیں جو انسان کے ہر خیال اور ہر عمل کو مغلوب کر سکتی ہیں۔ حوا محض اس

غرض سے پیدا کی گئی تھیں کہ آدم کے قوائے ذہنی کو مسحور کر لیں تاکہ ان میں کسی حقیقت پر غور کرنے کی صلاحیت نہ رہے۔ حوا کی کامیابی نے خدا کو یقین دلایا کہ اگر دوسری دنیا میں اسی طلسم سے کام لیا جائے، انسان اس وقت تک حقایق کو نہیں سمجھ سکتا جب تک خدا خود اُسے سمجھانا نہ چاہے۔ اس حیثیت سے عورت کائنات کا ایک اہم ترین فریب ہے اس کے بغیر اس دنیا کا نظام قایم ہی نہیں رہ سکتا۔

آدم اور حوا کسی طرح جنت کو ترک کرنے پر تیار نہ ہوتے۔ دنیا کا مستقبل اس قدر امید افزا تھا کہ دونوں کو ترک حال پر تیار کر دیتا۔ قدرت یہ بھی چاہتی تھی کہ انسان ہمیشہ اپنے کو گنہگار سمجھتا رہے اور اس میں وہ بزدلی پیدا ہو جائے جو ہر مجرم کو اطاعت پر مجبور کر دیتی ہے۔ ورنہ انسان ہمیشہ دنیاوی مصائب سے علیحدہ ہو کر اسی عشرت کدے میں واپس جانے کی کوشش کرتا رہے گا جس نے اس کے نفوس اولیں کی پرورش کی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اندیشۂ سزا بھی نہ تھا جو اُسے احکام خداوندی کی اطاعت پر مجبور کر سکتا۔ ان مشکلات کو ثمر ممنوعہ کے تخیل نے حل کر دیا۔ اس کے بھی مواقع پیدا کر دیئے گئے کہ انسان کو گنہگار ٹھیرا دیا جائے اور خوف دہر اس کے وجوہ بھی۔ غرض کہ جتنی ممکن بندشیں تھیں وہ انسان پر عائد کر دی گئیں، تاکہ کائنات کا یہ طلسم قایم رہے۔

یہ طلسم کائنات تمام تر غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔ فرشتے سمجھتے ہیں کہ تخلیق انسانی میں قدرت کے برگزیدہ مقاصد مضمر ہیں، انسان ہی تمام حقائق کا مرکز ہے اور اسی کے وجود میں ارباب قضا و قدر کے وہ تمام صفات

پوشیدہ ہیں فرشتے جن کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ شیطان سمجھتا ہے کہ انسان ہی
وہ قابل نفرت ہستی ہے جس نے اس کو ملکوتیت سے محروم کر دیا۔ وہ اس حقیقت
سے قطعاً بے خبر ہے کہ آدم کی تخلیق کا باعث خود اسی کی شیطنت تھی۔ انسان
اس دھوکہ میں ہے کہ وہ خدا کی محبوب ترین مخلوق ہے، وہ ملکوتیت اور
شیطنت دونوں سے بالاتر حقائق کا مجسمہ ہے، کائنات کی وہی ابتدا
ہے اور وہی انتہا، اور اس کے ہر انداز میں الوہیت کے رموز چھپے
ہوئے ہیں۔ وہ شیطان سے اس لئے متنفر نہیں کہ خدا نے اُسے ملعون
قرار دیا ہے، بلکہ صرف اس لئے کہ اس نے آدم کے سجدہ سے انکار
کر دیا تھا۔ قدرت کی مصلحت یہی ہے کہ یہ غلط فہمیاں قایم رہیں، ورنہ
اگر ایک انسان بھی صحیح طور پر ان حقایق سے واقف ہو جائے خدا کو فوراً
قیامت کا انتظام کرنا پڑے۔ یہ طلسم اسی وقت تک قایم ہے جب تک
انسان اپنے وجود کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان نہ حق ہے اور نہ باطل، اُس کا وجود محض
ایک فریب کائنات ہے۔ اس کی ہستی فطرت کی اُس آسان پسندی کا
نتیجہ ہے جس نے فرشتے اور شیطان دونوں کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے
ایک پیکر اعتدال پیدا کر دیا۔ اعتدال اصل میں شکست حق ہے اور فتح باطل۔

دورِ شباب میں انسان حقایق کی طرف بڑھنا چاہتا ہے۔ انسانیت
کے خلاف شباب ایک علم بغاوت ہے۔ وہ اُن قوانین اور ان قیود کو توڑتا
ہے جو عام انسانوں نے اپنی ذات پر تحفظ انسانیت کے لئے عائد کئے ہیں

ان قوانین کے ذریعے سے انسان چاہتا ہے کہ ہمیشہ انسان رہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ خود اپنے ارتقا کے سلسلے میں وہ اُن قیود سے رُکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ لیکن شباب ان رموز کو سمجھتا ہے اس لئے وہ ان قیود کو توڑ کر حقایق کی طرف واپس جانا چاہتا ہے۔ وہ اس کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی لا یعنی انسانیت کسی حقیقت میں فنا ہو جائے، ملکوتیت ہو یا شیطنت۔ لیکن قدرت کے مصالح یہ نہیں چاہتے۔ اس لئے خدا نے دورِ شباب کو مختصر اور زوال پذیر کر دیا ہے وہ چاہتا ہے کہ ایک زمانہ تک نظامِ عالم کو قائم رکھے۔ جب اسے اختتام کائنات منظور ہوگا، تمام حقیقتیں انسان پر خود بخود منکشف ہو جائیں گی۔ قیامت اسی وقت برپا ہوگی جب ہر انسان پر اس کی انسانیت کا راز افشا ہو جائے گا۔

بقائے عالم کے سلسلے میں قدرت کی سعی پیہم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین اُسی عالم میں جب انسان حقایق میں محو ہو جانا چاہتا ہے، وجودِ نسوانی اپنی پوری قوت کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے تاکہ اُس پر کوئی حقیقت منکشف نہ ہو سکے۔ شباب کے جذبۂ محبت میں خدا کی یہی مصلحت پوشیدہ ہے۔ قیامت اس وقت تک ملتوی ہے جب تک شیطنت اپنی انتہا تک پہنچ کر ملکوتیت نہ ہو جائے۔ یہ تغیر لازمی ہے۔ شیطان کی انتہا یہ ہے کہ فرشتہ ہو جائے۔ جب شیطنت ملکوتیت سے بدل جائے گی، نہ دنیا کی ضرورت رہے گی اور نہ انسان کی۔

پیامِ زلیخا

فطرت ازلی اپنا اظہار چاہتی تھی۔ لیکن کوئی ایک ہستی تنہا سیرتِ حقہ
کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے سیرتِ مطلق دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی، اور
دو ایسی ہستیاں پیدا کی گئیں۔ جن کی ہمہ گیریوں نے کائنات کا احاطہ کر لیا۔
امامتِ خیر آدم کے سپرد کی گئی اور امامتِ شر کی اہم ذمہ داریاں اس مکمل
ہستی کو عطا ہوئیں جسے دنیا والے شیطان کہتے ہیں۔

آدم حامل خیر تھے اور شیطان حامل شر دونوں کی پیامبری مسلمہ ہے
کائناتِ مطلق میں خیر و شر مدح و ذم کا کوئی پہلو نہیں رکھتے اس لئے یہ نہیں کہا
جا سکتا کہ پیامِ شیطانی قابلِ نفرت ہے۔ انسان کے جہل مرکب نے جس طرح
خیر کو غلط فہمیوں اور غلط کاریوں میں الجھا دیا ہے اسی طرح شر کو بھی اس کے
حقیقی مفہوم سے محروم کر دیا ہے۔ انسان نہ رموزِ ملکوتی کو سمجھتا ہے اور نہ
رموزِ شیطانی کو۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ شیطان ایک ایسی سرکش ہستی ہے

جس کو قدرت خداوندی بھی مغلوب نہ کر سکی۔ خدا کے ارادہ و خواہش کے خلاف اس نے بغاوت کی اور بالآخر کامیاب ہو گیا۔ ارباب قضا و قدر جب اُسے شکست نہ دے سکے، اُسے مجبوراً، بلکہ ایک حد تک انتقاماً ملعون قرار دے دیا۔ فی الحقیقت شیطنت کا یہ تخیل کفر و الحاد کے معنیٰ رکھتا ہے۔ یہ صریحی شرک ہے کہ شیطان کو قدرت خداوندی کے مقابلے میں ایک کامیاب حریف کا مرتبہ دیا جائے۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ارباب حل و عقد کے ذوق تفریح نے مختلف ہستیوں کو مختلف ساز و سامان کے ساتھ پیدا کیا۔ شیطان کا طوق لعنت صرف ایک زیور ہے جس نے شیطنت کو کائنات کے سامنے آراستہ کر دیا۔ بے وقوف انسان کو چاہیئے، کہ لعنت کے صحیح مفہوم سے سب سے پہلے مانوس ہو جائے۔

فطرت خیر غیر مکمل تھی، اس کی تکمیل ارتقا کی محتاج تھی۔ اس لئے ہزاروں پیغمبر پیدا کئے گئے، ورنہ خیر قیامت تک مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ آدم محض مبتدی تھے، اُن کے بعد جتنے پیغمبر دنیا میں بھیجے گئے، اُن میں سے ہر ہستی اپنے پیش رو سے زیادہ مکمل تھی۔ جس پیغام کی تبلیغ آدم کے سپرد کی گئی تھی وہ خود ہی نامکمل تھا اس لئے آدم کے لئے فطرتاً یہ محال تھا کہ کائنات خیر کو امام شر کے ہنگاموں سے محفوظ رکھ سکیں۔ جس وقت شیطان نے اپنی امامت کی تبلیغ کی، آدم کو نہ اپنی امامت کا خیال رہا، اور نہ اپنی عظمت کا۔ اُن کی لغزشیں یہ ثابت کرتے رہیں کہ پیام خیر نامکمل تھا، اس لئے اس کا حامل بھی خیر و شر کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔

لیکن فطرت شر نہ ارتقار کی محتاج تھی، اور نہ مرورِ ایام کی، وہ ایک سیرت مطلق ہے جس کی تکمیل کے لیے ان اضافتوں کی ضرورت نہیں جو فطرت خیر کے لیے لازمی تھیں۔ شیطان خود اپنی ابتدا رتھا، اور خود اپنی انتہا جس پیام کا وہ حامل تھا، اس کی تکمیل اسی وقت ہو چکی تھی، جب وہ ملکوتیت کے گہوارہ میں کھیل رہا تھا۔ قدرت صرف اس کی منتظر تھی کہ ایک حامل خیر وجود میں آئے۔ جب آدم کا تخیل مکمل ہو گیا شیطنت مع اپنی تمام عظمتوں کے نمودار ہو گئی اور کائنات کو اپنی نیرنگیوں سے لبریز کر دیا۔

شیطان امام شر کی حیثیت سے، ایک مستقل کائنات کا حکمران ہو گیا اس کی دنیا میں خیر کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہر امام خیر کے مقابلے میں اس نے اپنے سفیر بھیجے۔ نمرود و فرعون اسی شیطنت کے حامل تھے جس نے آدم کو اُن کی زندگی کی ابتدا ہی میں شکست دی تھی۔ واقعات کی منطق کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس طرح سب سے پہلے پیغمبر کو سب سے پہلے شیطان نے شکست دی تھی، اسی طرح نمرود و فرعون بھی خلیل و کلیم پر غالب آ جاتے۔ لیکن یہ نہیں ہوا۔ نمرودیت بھی مغلوب ہو گئی، اور فرعونیت بھی، بظاہر یہ نتائج حیرت انگیز ہیں لیکن اگر اس مسئلہ پر ذرا غور کیا جائے، کہ فطرتِ خیر روز بروز قوی تر ہوتی جاتی تھی، اور فطرت شر بے نیاز تر، ان مسلسل فتوحات کا راز خود بخود افشا ہو جاتا ہے

شیطان اپنی اس فتح سے جس نے آدم اور آدمیت کو ہمیشہ کے لئے کمزور کر دیا ہے مطمئن ہو گیا تھا، وہ جانتا تھا کہ امام خیر کی پہلی شکست نے انسان کو قطعی طور پر مفتوح کر لیا ہے، اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں کہ

ہر پیغمبر کے مقابلے کے لئے شیطنت کی مسلّمہ قوتیں ضائع کی جائیں شیطان کبھی
اپنی قوتوں کو رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ اس کی پہلی فتوحات نے اُسے ہمیشہ
کے لئے مطمئن کر دیا ہے۔ وہ انسانوں سے قطعی بے نیاز ہو گیا ہے۔ اس لئے
کبھی شدت کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کرتا ورنہ انسان کو دنیا بھی اسی بے بسی
کے ساتھ ترک کرنا پڑے جس طرح اُس نے جنت ترک کی تھی// شیطان محض تفریحاً
اور مشغلتاً اپنے نمایندے بھیجا کرتا ہے، تاکہ کائناتِ خیر میں کچھ نہ کچھ ہنگامہ شر
برپا رہے ورنہ خدا اور اس کے فرشتے دونوں کے لئے دنیا وی تماشہ
غیر دلچسپ ہو جائے گا، جب کبھی اس کے نمائندوں کو شکست ہوتی ہے،
وہ ہنستا ہے اور انتہائی بے نیازی کے ساتھ۔ اس کی دیرینہ فتوحات
اس کی ابدی تسلی کے لئے کافی ہیں۔

(شیطنت عظمیٰ کائناتِ شر کے ہر ذرہ پر حاوی ہے، وہ شرِ قبیح
پر بھی حاوی ہے اور شرِ لطیف پر بھی، نمرود و فرعون لطافت شر سے نا آشنا
تھے، وہ اسی کائنات کے لئے بھیجے گئے تھے، جس کی فضا لطافت سے محروم
تھی، لیکن جس وقت خیرِ لطیف حضرت یوسفؑ کی صورت میں نمودار ہوا،
شیطان نے اس کے مقابلے کے لئے شرِ لطیف کو زلیخا کے لباس میں
مبعوث کیا، حسن کی رنگینیوں کو صرف نسوانیت کی رنگینیاں شکست دے
سکتی ہیں۔ شیطان کی خوش مذاقیوں کی یہ انتہا ہے کہ ایک خوب صورت
پیغمبر کے لئے جس حریف کو منتخب کیا، نسوانیت کا وہ مجسمہ لطیف تھا
جس کے ہر انداز میں کائنات کے ہزار ہا طلسم پوشیدہ تھے۔)

قریب تھا کائناتِ خیر کا شیرازہ بکھر جائے، لیکن قدرت نے عین وقت پر حضرتِ یوسفؑ کی دستگیری کی اور طلسمِ شر ٹوٹ گیا۔ لیکن یہ فتح کوئی فتح نہیں، حقیقتاً شرِ لطیف کامیاب ہو گیا تھا چاک دامانی بہرحال چاک دامانی ہے، اگلے اور پچھلے دامن کا سوال بے محل ہے۔ البتہ حضرتِ یوسفؑ کا یہ معجزہ ناقابلِ تردید ہے کہ چاک دامانی صرف چاک دامانی ہی رہی، لیکن اس میں بھی قدرت کی امداد شامل تھی اس لئے اسے معجزہ ہی کہہ سکتے ہیں! یہ کوئی انسانی صفت نہیں۔

اس کش مکش کو اس استقلال سے برداشت کرنا، عام انسانوں کے لئے کوئی قابلِ تقلید مثال نہیں، یہ تحمل صرف پیغمبروں کے لئے فرض کیا گیا ہے لیکن زلیخا کی روش نے نسوانیت کے سامنے حقیقی نصب العین پیش کر دیا ہے (وہ مصالح جو نسوانیت کے ذمہ دار ہیں، عورت کو مجبور کر رہے ہیں کہ ہر یوسف کشش کے مقابلہ میں زلیخا بن جائے) ورنہ فطرت اُس کی نسوانیت کو فنا کر دے گی۔ زلیخا فطرتِ نسوانی کا مکمل ترین مرقع ہے۔ اس نے اس حقیقت کو واضح کر دیا، کہ عورت، اپنی حوصلہ مندیوں کے عالم میں، نہ فرشتوں سے مرعوب ہو سکتی ہے، اور نہ پیغمبروں سے، اس کی نگاہوں میں کوئی ہستی قابلِ احترام نہیں وہ ہر انسان کا یہ فرض سمجھتی ہے، کہ حسنِ نسوانی کی حمد و تسبیح میں مصروف رہے۔ اُس کے نزدیک کائنات کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں جو اُس کے حسن کی شعاعوں سے معمور نہ ہو، جب کبھی وہ دیکھتی ہے، کہ کوئی انسان اپنے زعمِ تقدس میں اس سے بے نیاز

رہنا چاہتا ہے، اس کی تمام قوتیں مشتعل ہو جاتی ہیں، پھر وہ یہ نہیں غور کرتی کہ اس کا حریف معمولی انسان ہے یا جلیل القدر پیغمبر، وہ نتائج کی قائل نہیں، اُسے فتح ہو یا شکست، وہ صرف کش مکش کی متمنی ہے، اس کی تشفی کے لئے صرف یہ خیال کافی ہے کہ اُس نے اُس یوسف کا دامن چاک کر ڈالا جو اُس سے بے نیاز رہنا چاہتا تھا، وہ کبھی اپنے جذبۂ نسوانیت کی اہانت برداشت نہیں کر سکتی اس سے گریز کرنا واقعی اس کی نسوانیت کو رسوا کرنا ہے، وہ کبھی نہ کبھی گریز کرنے والے سے انتقام لے لیتی ہے جب کبھی وہ یہ محسوس کرتی ہے کہ کوئی یوسف اپنے دامن کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ اس کی نسوانیت برہم ہو جاتی ہے پھر نہ اس کا حجاب باقی رہتا ہے اور نہ تغافل، وہ تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں جو اس کے استغنا نے اس کی نسوانیت پر ڈال رکھے تھے وہ لامحالہ زلیخا بن جاتی ہے اور وہ دامن جو محفوظ رہنا چاہتا تھا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

) عورت کا حجاب حقیقی حجاب نہیں ہوتا، وہ محض ایک طلسم ہے جسے یوسفیت کا ایک انداز توڑ سکتا ہے، عموماً لوگ خود اپنی چاک دامانی پر آمادہ رہتے ہیں۔ اس لئے عورت مطمئن ہو کر تغافل شعار بن جاتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس کا محبوب خود ہی اپنا دامن چاک کر دے گا۔ لیکن جب اُس کے سامنے کوئی یوسف آ جاتا ہے اُس کا اطمینان اور اس کا استغنا غائب ہو جاتا ہے اُس کے ساتھ اس کا حجاب و اجتناب بھی، وہ حقیقی معنی میں عورت ہو جاتی ہے۔ شرم و حجاب کی ریاکاریاں حسن و شباب کی بے التفاتیاں

نسوانی جور و ستم، غرض کہ ہر پردہ جو حقائق نسوانی کو پوشیدہ رکھتا ہے خود بخود اٹھ جاتا ہے۔

لیکن ہر انسان حقایق کو عُریاں نہیں کر سکتا، عورت کی حقیقتوں کو صرف وہ نگاہیں بے پردہ دیکھ سکتی ہیں جو حقائق کائنات کی محرم ہو چکی ہوں۔ حضرت یوسفؑ زلیخا کی عشوہ سازیوں میں اُلجھ گئے ہوتے، اُن کی نگاہیں خیرہ ہو جاتیں اور پھر وہ رموز جو منکشف ہو رہے تھے۔ پوشیدہ ہو جاتے، زلیخا وہ زلیخا ہرگز نہ رہتی جس نے ان کے دامن کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں۔ اب وہ گستاخیاں کرنا چاہتے اور زلیخا نسوانی تمکنت کے ساتھ ان کا ہاتھ جھٹک دیتی۔

خدا نے پیغمبروں کو مختلف مصائب میں مبتلا کیا اور مختلف طریقوں سے اُن کی آزمائشیں کیں۔ لطیف ترین آزمائش یہ تھی جس میں یوسفؑ مبتلا ہوئے یہ معجزہ بھی دلاویز ترین معجزہ ہے کہ خوب صورت پیغمبر بالآخر حسن و شباب کے طلسم رنگیں سے فاتحانہ انداز سے نکل آیا خلیل آتش نمرود سے اپنے دامن میں پھول لے کر نکلے تھے، یوسفؑ کے دامن میں بھی پھول تھے، فرق صرف اس قدر ہے کہ خلیل ایک آتش کدہ سے نکلے تھے اور ان کا دامن محفوظ تھا۔ یوسفؑ چمنستان حُسن سے نکلے جس دامن میں پھول تھے وہ چاک تھا، لیکن چاک دامانی سے گلچینوں کا تخیل لطیف تر ہو جاتا ہے۔

ارباب قضا و قدر کی رنگینیاں بھی قابل ستایش ہیں۔ اُنھوں نے

حسن کی ناقدری نہیں کی۔ ورنہ جس وقت شیطان نے شرِ لطیف کو یوسفؑ کے مقابلے میں بھیجا تھا، وہ صف آرائی سے انکار کر دیتے اس صورت میں شیطان مجبور ہو جاتا، کہ زلیخا کی جگہ پر کسی خشک اور غیر دلچسپ تر دد کو متعین کر دے پھر حسن کی نیرنگیاں، کش مکش بے جا میں مبتلا ہو کر برباد ہو جاتیں، دنیا والوں کے لئے نہ یوسفؑ میں کوئی کشش باقی رہتی نہ یوسفیت میں۔ کائنات آج ان رنگینیوں سے محروم ہوتی جو زلیخا کی گستاخ دستیوں میں مضمر ہیں، ارباب حل وعقد کبھی کبھی کائنات خیر کو بھی دل آویز بنا دیتے ہیں۔ اس واقعہ کے سلسلے میں اُن کی خوش مذاقی کا اعتراف نہ کرنا صریحی ظلم ہوگا۔

ہر عورت فطرتاً زلیخا ہے۔ لیکن یہ حقیقت صرف اس ہستی پر منکشف ہو سکتی ہے جس میں یوسفیت کی نیرنگیاں پنہاں ہوں۔ لیکن ہر عورت حقیقی معنی میں زلیخا نہیں بن سکتی۔ یہ برکتیں صرف اس عورت کے لئے مختص ہیں جس کا تخیل بلند اور جس کی نسوانیت مکمل ہو۔ جب تک عورت اپنی فطرت اور اپنی حوصلہ مندیوں، اپنی وسعت نظر، اور اپنی رنگینیوں میں زلیخا نہ بن جائے وہ کسی یوسف کا دامن چاک نہیں کر سکتی۔ اگر وہ سعی لاحاصل میں اپنی نسوانیت کو رائیگاں کرے گی، اس کی ہوس ناکیاں خود اس کے دامن کو چاک کر دیں گی، جس پیکر نسوانی کو قدرت نے حقیقی نسوانیت ودیعت نہیں کی ہے، وہ زلیخا کی حوصلہ مندیوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی زلیخا وہ مطمح نظر ہے جس نے عورت کے حقوق و فرائض کو ہمیشہ کے لئے

متعین کر دیا ہے۔ اس کی روش وہ صراط مستقیم ہے جسے ہر لحہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

عورت اس لئے نہیں پیدا کی گئی کہ زاہد خشک اور جوان صالح کی طرح دنیا کی حقیقی رنگینیوں کو اعمال حسنہ پر قربان کر دے۔ زہد و اتقا کی زنجیریں پیکر نسوانی کے لئے وضع نہیں کی گئیں۔ قدرت یہ نہیں چاہتی کہ حسن نسوانی محاسن و معاصی کے لایعنی معمے میں اُلجھ کر برباد ہو جائے زاہد خشک کی بد توفیقیاں اُس کی زندگی کو جس طرح چاہیں برباد کریں کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، لیکن جب وہ اپنی بدمذاقیوں کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے، اس کی بد توفیقیاں ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں وہ سمجھتا ہے حسن و شباب پر بھی وہ لایعنی قیود عائد کئے گئے ہیں جنھوں نے خود اس کی زندگی کو تلف کر دیا ہے۔ وہ عورت کو بھی زہد و اتقا کی تعلیم دینا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اُس نے حسن خیال اور حسن عمل دونوں کو ضائع کر دیا ہے، اُسی طرح پیکر نسوانی بھی اپنی رنگینیوں کو فنا کر دے۔ وہ اس تعلیم کے ذریعہ سے حسن و شباب سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ حسن نسوانی اس سے گریز کرتا ہے۔ اس لیئے وہ چاہتا ہے کہ حسن ہی کو فنا کر دے۔

درحقیقت حسن تمام بندشوں سے آزاد ہے، بالخصوص حسن نسوانی بہت سے فرائض جدید صورت اور بد سیرت انسانوں پر عائد کئے گئے ہیں، اُس کے لیئے ممنوعات میں داخل ہیں۔ حسن کو کوئی حق نہیں کہ اپنی رنگینیوں

کو اعمالِ صالحہ پر رائگاں کر دے۔ قدرت نے زلیخا کے ذریعے سے یہ پیام بھیجا ہے کہ حسن کو کبھی مرعوب نہ ہونا چاہیئے، اُس کو اختیار دیا گیا ہے کہ اپنی قوتِ تسخیر کو جب چاہے، اور جس طرح چاہے صرف کرے۔

البتہ یوسف کی کش مکش میں درسِ عبرت بھی ہے۔ عورت کی سب سے بڑی فتح اور سب سے بڑی شکست زلیخا کی زندگی میں مضمر ہے اس کی عظمت کی روشن ترین دلیل یہ ہے کہ اُس نے ایک پیغمبر کو، جس کے ساتھ خدا کی اعانت اور فرشتوں کی امداد تھی۔ لغزشوں پر آمادہ کر دیا لیکن اس سے زیادہ کوئی شکست بھی نہیں ہو سکتی کہ یوسفؑ کے استقلال نے فطرتِ نسوانی کے حقائق کو ہمیشہ کے لیے عُریاں کر دیا۔ عورت نے اپنے رموز کو خود ہی افشار کر دیا، اُس کے حیلۂ فریب کا بھی راز کھل گیا اور اس کی سحر طرازیوں کا بھی۔ دنیا سمجھتی ہے کہ زلیخا کی گریہ وزاری محبت کا نتیجہ تھی، یہ غلط ہے، وہ محض گریۂ ندامت تھا۔ زلیخا اپنی نسوانیت کا ماتم کر رہی تھی، حسن نسوانی کے لیے یہ واقعہ کئی حیثیتوں سے عبرت ناک ہے۔

عورت کو اس یوسف کا مقابلہ کرنا چاہیئے جو پیغمبر نہ ہو، ورنہ اس کی نسوانیت ہمیشہ کے لیے رسوا ہو جائے گی، وہ دامن جو زلیخا کی دراز دستیوں سے چاک ہو گیا تھا، یوسف کا دامن نہ تھا۔ پیغمبروں کا دامن کوئی عورت چاک نہیں کر سکتی وہ یا تو عزیز کا دامن تھا، یا خود زلیخا کا، نتائج کا اشارہ تو یہ ہے کہ: دونوں کا متفقہ دامن تھا، جسے حضرت یوسفؑ نے ہمیشہ

کے لیے چاک کر دیا۔

افسوسناک واقعہ یہ ہے کہ عورت گمراہیوں میں مبتلا ہو رہی ہے وہ سمجھتی ہے کہ محض اُس کی عشوہ طرازیاں اس کو زلیخا بنا دیں گی۔ یہ صریحی غلط فہمی ہے بہر حال حُسنِ نسوانی کا عشوہ و انداز بے معنی نہیں زلیخا کے ساتھ یوسف نے جو بے اعتنائیاں کی تھیں، اس کا انتقام لیا جا رہا ہے عورتوں کی بے التفاتیوں کو حُسنِ انتقام کہیے۔ مردوں نے یوسفیت کو نظر انداز کر دیا، ورنہ عورت کی اصلاح ہو جاتی۔ لیکن اصلاح میں کوئی کشش نہیں۔

مذہب و اخلاق

جماعت محض جاہل کمزور اور بزدل افراد کا اتحاد ہے جس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بلند نظر اور بلند حوصلہ افراد کی قوتوں کو ابھرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ جماعت چاہتی ہے کہ برگزیدہ شخصیتوں کی قوت ارادی اور قوت عمل دونوں ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائیں۔ نظام اخلاق جماعت کے اسی بزدلانہ اتحاد کا دوسرا نام ہے۔ بلند نظر افراد کا فرض اور اہم ترین فرض یہ ہے کہ جماعت کے اخلاقی قوانین کو پامال کر دیں ورنہ وہ ایک دن ان کی انفرادی عظمت کو پامال کر دے گی۔

ایک بے وقوف انسان عقل و فراست کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ سمجھتا ہے کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنی ذکاوت و ذہانت سے دوسروں کی نادانیوں پر اہانت کرے۔ جاہل انسان برگزیدہ ہستیوں کو رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اُبھر نہیں سکتا۔ اس لئے اس کی فتح کی تدبیر

صرف یہ ہو سکتی ہے کہ بلند نظر انسانوں کو اُن کی بلندی سے گرا کر اسی سطح پر ڈال دیا جائے جو نااہلوں اور نادانوں کے لیے فطرت کی طرف سے متعین کر دی گئی ہے۔ جہلا کا اصرار ہے کہ دانش و ذکاوت کی کوئی سزا ہونی چاہیئے اس مقصد کے تحت میں وہ چند قوانین مرتب کرتے ہیں اور اُن قوانین کو با اثر بنانے کے لیئے نادانوں اور ناعاقبت اندیشوں کی ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے جس کی ہر حرکت ناقابل برداشت اور جس کا ہر انداز قابل نفرت ہے وہ جانتی ہے کہ دنیا میں احمقوں اور نادانوں کی کثرت ہے اور ارباب عقل و دانش کی قلت۔ اس لئے اس کے قوانین کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کی جا سکتی۔ اسی غرور میں وہ بدنفس بھی ہو جاتی ہے اور سفاک بھی، نتیجہ ظاہر ہے (برگزیدہ شخصیتیں ہمیشہ اس بنا پر معتوب رہیں کہ انھوں نے اپنی وسعت نظر اور عالی حوصلگی کو تنگ نظر "علما" اور بدنصیب جہلا کے خود ساختہ آئین و اصول پر قربان نہیں کیا۔ وہ نہ عالموں کے لایعنی مذہب کی قائل ہوئیں اور نہ جاہلوں کے لایعنی اخلاق کی۔ وہ نہ اس دنیا سے خائف ہوئیں جس کا ہر نظام مضحکہ انگیز ہے اور نہ اس عقبیٰ سے جس کا ہر کرشمہ محض دل چسپ۔ وہ جانتی تھیں کہ حقیقی مذہب وہ نہیں جس کے علمبردار تنگ خیال اور کج فہم "ارباب علم و فن" ہیں۔ بلکہ مذہب نام ہے خلوص نیت اور صدق عمل کا، وہ اعمال بھی جنھیں دنیا فہرست معاصی میں داخل کر چکی ہے اگر حسن عقیدت کی بنا پر سرزد ہوں تو محاسن حقیقی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک مخلص گنہگار جس کا

کہ مذہب و اخلاق کے سطحی قوانین نے جن اعمال کو ممنوع قرار دے دیا ہے وہ درحقیقت ممنوع نہیں، اس بزدل اور گمراہ متقی سے بہتر ہے جس کا زہد و اتقا محض اخلاقی مجبوریوں کا نتیجہ ہو۔ اگر کوئی کار ثواب محض مجبوریوں سے عمل میں آئے، حالانکہ دل اسے معصیت سمجھتا ہو وہ گناہِ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ جماعت کے قوانین اسی اعتبار سے گناہِ کبیرہ کی ترغیب دیتے رہتے ہیں

محاسن و معاصی کا امتیاز کسی معیارِ مطلق پر منحصر نہیں شخصیتوں کے اعتبار سے حسن و قبح کا معیار بھی بدلتا رہتا ہے۔ جوانِ صالح کے لئے اعمال کی وہ نیرنگیاں قطعاً حرام ہیں جو ایک خوش مذاق اور خوش توفیق انسان کے لئے فرض کر دی گئی ہیں، اسی طرح ایک بلند حوصلہ انسان کی رنگینیوں پر وہ اعمال صالح حرام کر دیئے گئے ہیں جو دلچسپ انسانوں کے فرائض میں داخل ہیں لیکن دنیا کی جماعتیں ہر انسان سے یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے عقائد اور اپنے اعمال کو انھیں قوانین کا پابند کر دے جو معمولی انسانوں کے لئے جماعت کی طرف سے نافذ کئے گئے تھے، بد نفس جماعت بلند خیال افراد سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ محض اسی غرض سے وہ ان کو اپنے اخلاقی قوانین کی پابندی پر مجبور کرتی ہے اور ان کے انکار پر ان کو سزائیں دیتی ہے جو فطرت کی طرف سے صرف بدبخت نادانوں کے لئے مخصوص کی گئی تھیں۔ جماعت مذہب و اخلاق کے "مقدس" واسطے سے افراد پر وہ مظالم کرتی رہتی ہے جو غالباً عقبیٰ میں ان لوگوں پر بھی روا نہ رکھی جائیں جنھوں نے عمر بھر کفر و الحاد

کی تبلیغ کی، مگر فرشتے ان مظالم پر ہنستے ہیں ان کا یہ قول صادق آتا ہے کہ
"انسان خون بہائے گا"۔

حقیقتاً مذہب کے پردے میں ظالم انسان نے وہ سب کچھ کر ڈالا
جس کی ممانعت کے لئے خدا کے پیام بر بھیجے گئے تھے۔ صحیح مذہب پھر بھی ایک
عذر رکھتا ہے۔ یعنی وہ محسوس کرتا ہے کہ بہت سی ہستیاں ایسی ہیں جو
مذہبی قوانین سے مستثنیٰ کی جاسکتی ہیں اور ان کی عظمتوں نے انھیں استثنا
کا حق عطا کیا ہے لیکن اگر عام طور پر حق استثنا کا اعلان مذہب کی طرف کر دیا جائے
قوانین کا احترام اور ان کی عمومیت فنا ہو جائے گی۔ اس لئے اس نے دوسرے
طریقے سے اس استثنا کی تفصیل کر دی۔ اس نے یہ واضح کر دیا کہ "مجانین" حد شرع
میں نہیں آتے۔ لیکن دنیا والوں کے نظام اخلاق نے اس کو بھی تسلیم نہیں کیا۔
انسان یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ "مجانین" کا خبط وجنون عام انسانوں کے ہوش و حواس
سے برگزیدہ تر ہے۔ واقعتاً انسانوں کی گمراہیاں ناقابل اصلاح ہیں۔

زاہد خشک ایک حسین عورت سے بھی وہی بد توفیقیاں اور بد رنگینیاں
چاہتا ہے جن کی توقع در اصل اسے بد ہیولیٰ اور بے مایہ عورتوں سے رکھنی چاہیئے
جوان صالح ایک خوش فکر اور وسیع النظر انسان سے بھی انھیں پابندیوں کا متوقع
رہتا ہے جن میں خود اس کا شباب برباد ہو گیا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ فطرت
کی تقسیم عمل نے ہر طبقے کو "ظرف قدح خوار" کے اصول پر رنگینیاں اور بے
رنگیاں عطا کی ہیں (جوان صالح اور زاہد خشک کے لئے غیر دلچسپ فرائض
مخصوص کر دیئے گئے ہیں اور علم برداران حسن و شباب کے لئے معاصیٔ لطیف

لیکن ہر خوش مذاق انسان کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ گناہوں کی
دل آویزیوں سے لطف اندوز ہو۔ یہ سعادت صرف ان آشنایانِ حقیقت
کے لئے مخصوص ہو چکی ہے جو دنیا والوں کے خود ساختہ مذہب و اخلاق کی سطحیت
سے بھی باخبر ہوں اور گناہ و ثواب کے حقیقی امتیازات سے بھی۔ ہر انسان
اعمالِ حسنہ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے اور کارہائے خیر میں اپنی زندگی مبتلا کر
سکتا ہے لیکن گناہوں کے لئے یہ آسانیاں نہیں۔ ایک صحیح گناہ کا ارتکاب
ہزار نیکیوں سے زیادہ دشوار ہے۔ عملِ خیر ایک بے وقوف سے بھی سرزد
ہو سکتا ہے لیکن معاصی رنگین کے رازدار صرف وہ اربابِ نظر ہو سکتے ہیں
جن کے قلوب حقیقت آشنا، جن کی نگاہیں حقیقت بیں اور جن کے حوصلے حقیقت
طلب ہیں۔ ان انسانوں کو جن کے دل و دماغ میں حقائق رنگیں کے سمجھنے کی
صلاحیت نہیں، ان کو صرف نیکیاں کرنی چاہئیں، ارتکابِ معاصی کے وہ
کسی طور پر مستحق نہیں وہ نہ کوئی صحیح گناہ کر سکتے ہیں اور نہ انھیں اس کا حوصلہ
کرنا چاہیئے۔ آج دنیا غیر دلچسپ پرہیزگاروں اور قابلِ نفرت گنہ گاروں
سے بھری ہوئی ہے اسی گروہ نے گناہوں کو بدنام کیا ہے۔ ورنہ ایک صحیح
گنہ گار دنیا کے تمام اعمالِ حسنہ کو ایک لمحہ میں ہمیشہ کے لئے لایعنی
ثابت کر دیتا۔

اربابِ قضاؤ قدر جانتے تھے کہ جاہل انسان معاصی کی تجلیوں کی
تاب نہیں لا سکتا، اسی لئے تمام مذاہب نے معاصی کو ممنوع اور محاسن کو
فرض قرار دیا ہے وہ سمجھتے تھے کہ نادانوں کا گروہ معاصی کی لطافتوں کو

اپنی بدعملی اور بدسلیقگی سے رسوا کر دے گا۔ اسی اندیشے سے عام انسانوں کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ معاصی سے پرہیز کریں، ورنہ ان کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

برگزیدہ ہستیاں محاسن کی سطحیت کو بھی سمجھتی ہیں اور معاصی کی حقیقت کو بھی۔ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ گناہ کسے کہتے ہیں اور ثواب کیا ہے۔ وہ اس راز سے بھی واقف ہیں کہ فطرت کبھی صحیح گناہ کو مستوجب سزا نہیں قرار دیتی اس لئے انھیں اپنے عقائد اور اپنے اعمال پر اعتماد رہتا ہے۔ وہ مذہب اخلاق کی بندشوں کو فتح مندانہ شان سے توڑتے رہتے ہیں۔ دنیاوی آئین و رسوم کو وہ اس قدر بھی اہم نہیں سمجھتے کہ ان کی باضابطہ تنسیخ کی جائے وہ انتہائی بے نیازی کے ساتھ اپنی روش کو قائم رکھتے ہیں، عام اس کہ ان کی راہ میں جماعت کے احکام حائل ہیں یا نظام اخلاق کی بندشیں ان کی بے پروا رفتار ہر اُس رکاوٹ کو پامال کرتی جاتی ہے جو اُن کی شخصیت کو برباد کرنا چاہتی ہے۔

ابطال باطل اگر فرائض میں سے ہے، صحیح انسان کا فرض اولین یہ ہے کہ جماعت کی ریاکاریوں، نظام اخلاق کی ابلہ فریبیوں، اور تنگ نظر انسانوں کی حماقتوں کا شیرازہ منتشر کر دے اور اغراض جماعت کو اپنی انفرادی عظمت کے مقابلہ میں ہمیشہ ٹھکرا دیا کرے۔

زندگی کے ہر رُخ اور اس کے ہر شعبے میں گمراہیوں کا یہی عالم ہے یہی نہیں مدعیانِ زہد و اتقا کا طبقہ پرستاران حسن و شباب ہی کو موردِ عتاب

بنا تا، اور انھیں اشخاص کو مصائب میں مبتلا کرتا رہا ہو، جو مذہب و اخلاق کے قوانین کو توڑ کر اپنے عقاید اور اعمال کو وقف معاصی کرنا چاہتے ہیں بلکہ مدعیانِ علم و عمل ہر اس انسان کے دشمن ہیں جس نے اپنی انفرادیت کو کسی مسئلے میں نمایاں کرنا چاہا۔ اس میدان میں بھی، جو خدا طلبی اور خدا پرستی کے لئے وقف ہے، مظالم کی کوئی انتہا نہیں رہی۔

یہ واقعہ ہے کہ بابیوں نے تلاشِ حقیقت میں وہ قربانیاں کیں جن کی مثال اس دورِ جہالت میں کہیں نہیں مل سکتی۔ لیکن ایرانی جماعت نے "مجتہدینِ عصر" اور علمائے کرام کی سپہ سالاری میں بابیوں پر وہ مظالم کئے جنھیں غالباً اسپین کے عیسائیوں نے بھی روا نہ رکھا ہو۔ اگر بابیوں کا طبقہ گمراہ بھی تھا، تب بھی خلوص اور صداقت کے اعتبار سے ان گمراہوں سے برگزیدہ تر تھا جنھوں نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کیا۔ بہر حال مجھے یہاں بابیوں کے عام طبقے سے تعلق نہیں۔ میرے سامنے تو اس گروہ کی ایک عورت ہے جس کی مثال آج دنیا میں نہیں مل سکتی۔ بد قطع اور بد ہیولیٰ "علما" نے حسنِ نسوانی کے اس پیکرِ لطیف کو بھی انتہائی شقاوت کے ساتھ پامال کر دیا جس کے پرتو سے ایران ہی نہیں دنیا کا ہر گوشہ معمور تھا۔ ناصر الدین قاچار نے یہ لکھ کر ایک بار قرۃ العین کو آزاد کر دیا تھا "بگذار کہ صورت زیبا دارد" اگر یہ روایت صحیح ہے، میرا عقیدہ ہے کہ اس کے دورِ حکومت کے بہت سے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ لیکن آخر ان بدبختوں کا کیا حشر ہوگا جنھوں نے اس وقت تک اپنی

بدکرداریوں کو ترک نہیں کیا۔ جب تک قرۃ العین اس حق ناشناس دنیا سے رخصت نہ کر دی گئی۔ جس ہستی میں حقیقی نسوانیت کے علاوہ دل و دماغ کی اس قدر بلندیاں اور فکر و خیال کی اس قدر شگفتگی فطرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہو، اس کی ایک لغزش دنیا والوں کی ہزار استقامتوں سے بہتر ہے۔ اگر "علماء" کے نزدیک وہ گمراہ تھی اور کافرہ، اس کی گمراہیاں اور اس کا کفر اُن کے ایمان و یقین سے برگزیدہ تر تھا، ہر کفر سطحی ایمان سے برگزیدہ تر ہوتا ہے۔

ایران کے متعلق دنیا کو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ ایک طور ہے جس پر حقائق رنگیں کی تجلیاں پرتو افگن ہوا کرتی ہیں۔ لیکن میں اس کا قائل نہیں۔ اگر ایرانیوں میں مذاق سلیم کی نیرنگیاں اور حسن لطیف کی رنگینیاں ہوتیں، وہ قرۃ العین کی بربادیوں کے متحمل نہ ہو سکتے، اگر کوئی صحیح موقع سلطنت کے نظم و نسق "علماء کرام" کے اجتہاد اور جماعت کے طریق کار کے خلاف بغاوت کرنے کا تھا، یہی تھا، جب قرۃ العین عبرت ناک مظالم کے ساتھ ہلاک کر دی گئی۔ ان سفاکیوں کی ذمہ دار حقیقتاً وہ جماعت ہے، جو زعم کثرت میں ہمیشہ انفرادی عظمتوں کو برباد کرتی رہتی ہے اور وہ "پاسبانان مذہب" جو ہمیشہ پاسبانی کے پردے میں بہیمیت کے کرشمے دکھلاتے رہے ہیں۔

مجھے عقبیٰ سے کوئی دلچسپی نہیں، البتہ اس کا منتظر ضرور ہوں میں قرۃ العین کے قاتلوں کا حشر دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا عقیدہ ہے

کہ خدا غلط مواقع پر رحم و کرم کو دخل نہیں دیتا۔ وہ حسن کی لطافتوں کا بھی معترف ہے اور شباب کی رنگینیوں کا بھی، وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے مظاہر لطیف کو دنیا والے اس بے دردی کے ساتھ پامال کر دیں۔

البتہ قرۃ العین کے مشاغل پر مجھے ایک طرح کا افسوس ہے۔ اُسے اپنی ازلی لطافتوں کو مذہب و اخلاق کی بے رنگیوں پر ہرگز قربان نہ کرنا چاہیئے تھا۔ وہ اس سے زیادہ صحیح مشاغل میں اپنی دل فریبیوں کو صرف کر سکتی تھی۔

قرائن یہ کہتے ہیں کہ ارباب قضاؤ قدر نے اس کو مصلحتًا دنیا سے اٹھا لیا تھا۔ وہ نسوانیت کی نیرنگیوں اور حسن و شباب کے حقائق کو لایعنی مشاغل پر رائیگاں کر رہی تھی۔ فطرت کے مصالح اس کی گمراہیوں سے پامال ہو رہے تھے۔ اس کا حسن دنیا کی خشکیوں پر ضائع ہو رہا تھا۔ قدرت کو اس پر رحم آیا اور وہ دنیا سے اٹھالی گئی۔ درحقیقت خدا کے فرشتے چاہے وہ معتوب ہوں یا محبوب، وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہم نہیں جانتے۔

اجتہاد و تحقیق

(ناتمام)

جہلا کی گمراہیاں ایک طرف، اُن کے کسی انداز پر تبصرہ کرنا ہی حماقت ہے۔ قابلِ غور تو اس طبقے کی زندگی ہے جس نے ادعائے علم و فن کی بدمستیوں میں حسن و قبح کا بھی ہوش کھو دیا۔ دنیا کا خیال ہے کہ ارباب علم کی بے راہ روی عبرت انگیز ہوتی ہے، میں اس سے متفق نہیں، ارباب بصیرت کبھی ممنون عبرت نہیں ہوتے۔ ان کا مقدس ترین فرض یہ ہے کہ جس واقعہ کو عوام عبرت آموز قرار دیں، وہ اُسی کو ایک بے نیاز قہقہہ میں گم کر دیا کریں۔ حاملانِ علم و فن کی گمراہیوں سے عبرت نہیں تفریح حاصل کرنا چاہئے۔ اُن کی زندگی کی ہر لغزش مضحکہ خیز ہوتی ہے۔ لیکن اس تماشے سے صحیح معنوں میں مسرور ہونے کے لئے مخصوص دل و دماغ چاہئیں، بے وقوف کبھی صحیح طور پر ہنس نہیں سکتا، دنیا کی

تضحیک صرف وہ بلند نظر انسان کر سکتا ہے جو عالی حوصلگی اور عالی ظرفی کے ساتھ دنیا کے حقائق سے بھی آشنا ہو۔ حقیقت آشنا صرف وہ نظر ہے جو ایک بے نیاز تبسم کے ساتھ کائنات کے ہر واقعہ کو ٹھکرا دے۔ چشم گریاں اور نگاہِ عبرت اندوز، دل و دماغ کی محرومیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے!

میرا مفہوم یہ ہے کہ میں مدعیان تحقیق کی لغزشوں پر اس لئے تبصرہ نہیں کر رہا ہوں کہ دوسروں کو عبرت ہو: میں ایسا تنگ نظر نہیں کہ دنیا کو تلقین عبرت کروں۔ مجھے صرف ان واقعات کی طرف اشارہ کرنا ہے جنھوں نے کائنات عالم کو ایک حد تک مضحکہ انگیز بنا دیا ہے۔ اگر کسی میں یہ صلاحیت نہیں کہ ان اشارات پر متبسم ہو سکے، اُسے چاہیئے کہ مصروف ماتم ہو جائے، دنیا پر نہیں، خود اپنی بدنصیبیوں پر، کہ فطرت نے اُسے ذوق تبسم سے محروم رکھا۔ میرا مخاطب وہ کج نظر اور کج فہم نہیں جو دنیا کے ہر واقعہ پر رونا چاہتا ہے اگر کسی کو ماتم کرنا ہے، اس کے لئے ہزاروں مشاغل ہیں اور ہزاروں مرحلے، جوانِ صالح، زاہد خشک، حسن پارسا، فریب تصوف، غرض کہ اس طرح کے تماشے عبرت انگیز بھی ہیں اور لائق ماتم بھی۔ لیکن ایک صحیح انسان ان پر ہنستا ہے۔ البتہ حشر و نشر کے مراحل پر ان بد توفیقوں کو ضرور ماتم کرنا چاہیئے جنھوں نے اپنے ہاتھوں اپنی دنیا کو، خدا کے لئے نہیں، بلکہ محض اس لئے غیر دلچسپ بنا دیا ہے کہ عقبیٰ میں تمام مسرتیں، دنیا وی اذیتوں کی جزا میں مل جائیں گی۔ ان کی

دنیا اور عقبیٰ دونوں عبرت خیز اور ماتم انگیز ہیں۔

یہ بے بسی اس کے لئے باعث شرم ہو جاتی ہے۔ اسے مجبوراً کسی نہ کسی طرف اپنے قوائے فکر کو متوجہ کرنا پڑتا ہے، اس غرض سے کہ دنیا پر اس کی جہالت اور بے چارگی کا راز افشا نہ ہو، وہ لامحالہ عالم نامعلوم کے رموز کو ذاتی طور پر ممنون تحقیق کرتا ہے، نتائج معلوم: ژولیدہ بیانی، کج فہمی، بے راہ روی، نادانیاں، حماقتیں، جہل مرکب۔ نہ منزل کا پتا، نہ جادۂ منزل کا ہوش، دماغ کے سامنے کوئی راستہ نہیں، دل میں کوئی آرزو نہیں، الفاظ کا نہ کوئی مقصد ہے نہ کوئی مفہوم۔ ان تمام عقدہ ہائے لاینحل اور افکار لایعنی کا نام فلسفہ رکھا گیا ہے۔ ہیگل اور کینٹ کے ایسے معما پسند ہرزہ سرا پیدا ہو گئے۔ انسان جو کچھ سمجھنا چاہتا تھا، وہ ہمیشہ کے لئے بھول گیا۔ اس کے سامنے وہ مراحل آ گئے جن کو اگر ارباب قضا و قدر بھی حل کرنا چاہیں تو کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انسان نے اپنے ادعائے تحقیق میں خدا کی ذات و صفات کے متعلق وہ نکات پیدا کر دیئے جن کو در اصل مذہب و خدا سے کوئی تعلق نہیں۔

لیکن فلسفہ نازاں ہے کہ معمائے کائنات حل ہو گیا اور ارباب علم و فن متکبر کہ ان کی عقدہ کشائی نے دنیا کو بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے۔ خدا نے ہزاروں پیامبر بھیجے، مگر ارباب تحقیق نے بلا تامل ان کی تکذیب کر دی۔ انھوں نے یہ امتیاز قائم کر دیا کہ پیامبر، جہلا کی تشفی کے لئے ہیں اور حامیان علم و اجتہاد ارباب نظر کے لئے۔ جہل مرکب رقص کرنے لگا۔

انسان نے ارباب حل وعقد کو شکست دیدی، اور یہی نہیں، نظام عالم
اور حیات انسانی کی لطافتیں بھی ہمیشہ کے لئے برباد کر دی گئیں۔ دنیا کی
دل آویزی، اس کے رموز میں مضمر ہے۔ نظام کائنات صرف اس لئے
دل فریب ہے کہ وہ ایک طلسم ہے جس کی حقیقتیں افشا نہیں کی جا سکتیں
انسان حقائق کائنات کا متحمل نہیں ہو سکتا جس وقت کائنات کے رموز
منکشف ہوں گے شیرازۂ عالم بکھر جائے گا۔ قیامت اسی وقت آئے
گی جب انسان پر اس کی انسانیت کا راز افشا ہو جائے گا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے
تاہم مضطرب اور بر خود غلط انسان طلسم کائنات کو توڑنا چاہتا ہے۔ لئے
اس سے بھی تشفی نہیں ہوئی کہ وہ ایک ہیولا کے مقدس ہے۔ جس کا خاکہ
بہشت کی فضائے لطیف میں تیار کیا گیا تھا۔ حیات انسانی کی رنگینیاں
اُسے مسرور نہیں کر سکتیں۔ مشرق، روحانی فضا سے مانوس ہے۔
اس کا فلسفہ اگر کسی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو اُسی عالم قدس کی طرف جس کی
رنگینیوں کے پرتو سے یہ دنیا معمور ہے۔ ایک گروہ نے اسے حسن مطلق کا
محض ایک پرتو قرار دیا۔ دوسرے نے اس کو اور اس کے خدا دونوں
کو معناً متحد کرنا چاہا، لیکن مغرب! وہ کبھی اُڑنے کا عادی نہیں، اس کے
افکار اڑتے نہیں، گرتے ہیں۔ وہ اعلیٰ سے متنفر ہے، اس لئے اس کا
فلسفہ بھی اسفل کی طرف آتا ہے۔ ڈاروِن مع اپنی تمام استخواں پرستیوں
کے عرصہ علم و فن میں نمودار ہو گیا، اور کائنات انسانی دفعتہً اپنی ازلی
رنگینیوں سے محروم ہو گئی مجھے حیرت تو مغرب کی رکاکت مذاق اور

کثافت تخیل پر ہے۔ انھیں انبساط و مسرت اس تصور سے نہ ہوئی کہ ان کے اجسام خاکی کی پرورش فردوس بریں کی اس فضا نے کی ہے جس کی دل فریبیاں آج بھی انسان کو حریص و طامع بنائے ہوئے ہیں، دنیا باوجود اپنی تمام بہشت آفرینیوں کے اس فضا کے ایک ذرہ کی بھی وقعت نہیں رکھتی۔ مغربی دل و دماغ کو اگر تسکین ہوتی ہے، تو اس نتیجہ سے کہ انسان حقیقتاً ہیولائی ارتقائی ہے جس کی پرورش کنار فردوس میں نہیں بلکہ آغوش میمونی میں ہوئی تھی، حقیقت انسانی انسے مضطرب کر رہی تھی حقیقت میمونی نے اس کو مطمئن کر دیا۔ اس سے بحث نہیں کہ واقعتاً نظریۂ ارتقا صحیح ہے یا غلط۔ تخیلات اور توہمات کبھی صحیح یا غلط نہیں ہوا کرتے۔ ان کے لئے صرف لطافت و کثافت کا امتیاز ممکن ہے۔ اس حیثیت سے مغربی تحقیق و اجتہاد کی حقیقت تمسخر انگیز ہے۔ ان کے لئے یہ تصور لطیف نہ تھا کہ انسان عالم لاہوتی کا ایک کرشمہ ہے۔ وہ صرف اس حقیقت سے مسرور و مطمئن ہیں کہ اس کی حقیقتیں میمونیت میں مضمر ہیں۔

اگر کسی حکیم نے خدا اور اس کے مظاہر کو بھی ممنون احسان کرنا چاہا، اسی تحقیق کو خضر راہ قرار دیا جس کے ذریعہ سے ہر دنیاوی مسئلے پر ردو قدح کی جاتی ہے۔ ڈیکارٹ اور برکلے حقیقت خداوندی کی طرف متوجہ بھی ہوئے تو اسی جہل مرکب کے ساتھ یقین کی جگہ پر علم طمانیت قلب محال ہوگئی۔ دماغی اطمینان معیار حقیقت ٹھیرا۔ یہاں بھی ہر زہ سرائیوں کا وہی اندازہ ہے جو دوسرے حکما کے انکار و الحاد کے مباحث میں قائم ہے۔ کیف و انبساط، سکون و مسرت، یقین و ایمان فنا ہو گئے۔

مغرب کی گمراہیاں لازمی تھیں : اُن کے پیغمبر کی تعلیم و تلقین موجودہ تمدن کی وسعتوں کی کفالت نہیں کر سکتی تھی، نہ ان کے ہر وعظ و پند کی کوئی مستقل ترکیب تھی جس کی رہنمائی سے وہ گمراہیوں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ انجیل اپنے حقائق سے معرا ہو چکی تھی۔ اقوال و افعال نقل و حرکت کی کوئی یادگار نہ تھی۔ اُن کے لئے سوا اُن کی ذاتی کاوشوں کے سکون و اطمینان کی صورت باقی نہیں رہ گئی تھی لیکن مشرق اور بالخصوص عالم اسلامی.........

"روحِ ادب"

جوشؔ ملیح آبادی اس تصنیف کے ذمہ دار ہیں۔ یہ کتاب گزشتہ سال شائع ہوئی۔ دیباچہ کے طور پر حضرت اکبرؔ مرحوم کا ایک سفارش نامہ ہے جس کا تعلق تصنیف زیر بحث سے نہیں، بلکہ جوشؔ کی عام شاعرانہ حیثیت سے ہے مصنف کے ایک دوست کی بھی تحریر ہے جسے سمجھ میں نہیں آتا دیباچہ کہا جائے یا تبصرہ۔ ان کے خیال میں یہ تصنیف مصنف کی ایک مکمل سوانح عمری ہے، اور ہر شعر جوشؔ کے محاسن ذاتی کی تفسیر۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے جس کی غرض و غایت آج تک سمجھ میں نہ آئی۔

دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء کے "معارف" میں مولوی عبدالماجد[1] صاحب مؤلف

---

(۱) مشہور عالم و فلسفی، صاحب طرز ادیب و انشا پرداز، ایک زمانے سے فلسفہ و عقلیت سے مجتنب و بیزار اور مذہبیات میں سرشار، اخبار "سچ" بعد ازاں "صدقؔ" (لکھنؤ) کے مدیر۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی وطن۔ تعلیم جدید کی پیداوار تہذیب قدیم کے علم بردار۔

"فلسفۂ جذبات" نے اس تصنیف پر تنقید فرمائی ہے۔ میں اب تک فیصلہ نہ کر سکا کہ تصنیف عجیب تر ہے یا تنقید۔

مغربی اصول تنقید یہ ہیں، کہ مسئلۂ زیر بحث میں مدح و ذم کا کوئی پہلو ہو یا نہ ہو، ناقد کا فرض ہے کہ مدح و ستایش بھی کرے اور عیوب شماری بھی، عام اس سے کہ محاسن کو عیوب قرار دے یا عیوب کو محاسن۔ اس حیثیت سے ڈاکٹر اقبال پر فارسٹر صاحب کا ریویو مغربی تنقید کی گمراہیوں کی ایک بیّن مثال ہے۔ ناقد پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ شعر کو صحیح طور پر سمجھے یا شاعر کو، انصاف پسندی بس یہی چاہتی ہے کہ تعریف اور مذمت ساتھ ہی ساتھ ہو اس توازن سے گویا تنقید کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اسی اصول کے تحت میں عبدالماجد صاحب نے مبالغہ آمیز اور گمراہ کن مدح و ستایش کے بعد جوشؔ کے عیوب بھی دکھلائے ہیں۔ بظاہر تنقید مکمل ہو گئی۔

میں "روحِ ادب" پر کوئی تنقید کرنا نہیں چاہتا۔ ایسی بے جا کاوشوں کے لئے وقت چاہئے، اور وہ وقت جو اہم مسائل کے نقد و بحث میں صرف نہ کیا جا سکے۔ البتہ "نقد التنقید" کی ضرورت محسوس کرتا ہوں، اور صرف اس غرض سے کہ مذاقِ عامہ گمراہ نہ ہونے پائے۔ عبدالماجد صاحب کی گمراہ کن تنقید سے مرعوب ہو کر بہت سے نادان جوشؔ کو غالبؔ اور اقبالؔ کی طرح "الہامی شاعر" اور "ترنم ریزِ حقیقت" سمجھتے ہیں۔ ایسی غلط فہمیاں اندیشہ ناک ہیں۔ خیالات کا توازن اگر اسی طرح بگڑتا رہا، بلند و پست کا معیار فنا ہو جائے گا۔

عبدالماجد صاحب تحریر فرماتے ہیں "آغاز کتاب میں چند دیباچے شامل کیے گئے ہیں، اور نوجوان مصنف کے فخر و امتیاز کے لیئے یہ امر کافی ہے کہ اُن میں سے ایک دیباچہ حضرت اکبر کے قلم کا ہے، جو شاید مصنف کے نام کوئی خط تھا" دوسرے الفاظ میں حسن عقیدت کا تقاضہ یہ ہے کہ جوش کو ایک بلند پایہ شاعر مان لیا جائے، صرف اس لئے کہ حضرت اکبر اُن کی مدح سرائی میں مبتلا ہو گئے۔ اگر کسی بدصورت کو کوئی حسین عورت خوب صورت کہہ دے، عبدالماجد صاحب کی اس منطق کا اصرار ہوگا کہ اسے خوب صورت مان لینا چاہیے۔

اس کے علاوہ مجھے حضرت اکبر کے اس سفارش نامہ کی حقیقت بھی معلوم ہے۔ انھیں اپنی محویتوں میں اتنی فرصت کہاں تھی کہ اس سن میں وہ کسی تصنیف پر گہری نظر ڈالتے ؛ جس شاعر سے انھیں ذاتی انس ہوتا تھا، وہ اس کی مدح و ستائش میں مبالغہ کرتے تھے۔ ان کے کلام کا جو شخص معترف ہوتا تھا، اُس سے متاثر ہو کر وہ اکثر حسنِ اخلاق کی بنا پر، اس کی شاعرانہ کاوشوں کی بھی ہمت افزائی کر دیا کرتے تھے۔

"روح ادب" کی اشاعت کے بعد میں نے حضرتِ اکبر مرحوم کو ایک خط لکھا تھا جس کا ایک جملہ یہ بھی تھا "جناب نے جوش کی مدح و ستائش میں انتہائی مبالغہ کو دخل دیا ہے۔ خدا کرے یہ سب کچھ آپ نے ظریفانہ انداز سے لکھا ہو یا محض حسن اخلاق کے اصرار پر، ورنہ ہر اس شخص کو افسوس ہوگا جو آپ کے ایسے نکتہ سنج قلم کو ایسی غیر ذمہ دارجنبشوں میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا" اس کا

جواب عجیب رنگ میں آیا، ضروری اقتباس یہ ہے۔

"خدا جانے کیا دیکھا، کیا سمجھا، کیا لکھ گیا ہے

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم

گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

رنگِ تصوف مجھے پسند ہے۔ وہ کوشش بہتری کی کرتے ہیں ہے

شیخ کی منطق ہو یا چشم فسوں سازِ بتاں

سیدھا سادھا ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے

وہ میرے عنایت فرما ہیں ہیں اُن کا خیر طلب ہوں۔ خاموش رہیئے، اللہ اللہ کیجیے، خدا ہم سب کی عاقبت بخیر کرے۔" یہ عبارت کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

اب تنقید کا رنگ ملاحظہ ہو۔

"دنیا میں جتنے الہامی شاعر ہوئے ہیں، سب اپنا اپنا ایک مستقل پیام لے کر دنیا میں اس کی تبلیغ کے لئے آئے تھے۔ حافظ، عمر خیام، غالب، ٹیگور، اکبر وغیرہ کل پیمبرانِ سخن اپنے اپنے پیام (فلسفہ حیات) کو دنیا کے کانوں تک پہنچا چکے ہیں۔ جوش کے الہامی شاعر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک مستقل پیام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔"

مجھ میں اس قدر صبر و تحمل نہیں کہ حافظ، عمر خیام اور غالب کے ایسے پیمبرانِ سخن کے مقابلے میں جوش کی پیمبری کا ذکر سنوں اور اس کے خلاف

نہایت شایستہ خیالی کے ساتھ منطقی دلائل پیش کردں۔ شاعری پر تنقید کے لیئے صرف ذوقِ صحیح کی ضرورت ہے، فلسفۂ خشک، فلسفۂ تر کی صحیح تنقید نہیں کرسکتا۔ یہی باعث ہے کہ مولف "فلسفۂ جذبات" رموز شاعری سے نا آشنا رہتا ہے۔ عمر خیام کے پیام بے ثباتی کو جوش کے پیام سے وہی نسبت ہے جو فرشتوں کی حمد و تسبیح کو ایک گنہگار انسان کی ہرزہ سرائیوں سے۔ عبدالماجد صاحب شاکی ہوں گے کہ ہیں نے اپنے دعوے کی کوئی دلیل نہیں پیش کی۔ مذاقِ لطیف میری پہلی اور آخری دلیل ہے منطقی استدلال "شعر مرا بہ مدرسہ کہ بُرد" کا مصداق بن جاتا ہے۔ خود عبدالماجد صاحب کے الفاظ ہیں، "جو کان اس نغمہ سے از خود لطف نہیں اٹھا سکتے، اُن کے لئے کسی بیرونی شخص کی توضیح و تشریح بھی لاحاصل ہے"۔

اسی سلسلہ میں "پیام" کی اہمیت، جس کی بنا پر جوش کو "الہامی شاعر" کا گراں مایہ خطاب عطا کیا گیا ہے، غور طلب ہے "خیالاتِ زریں" "دنیا" "طوفانِ بے ثباتی" وغیرہ کے عنوان سے دنیا کی بے ثباتی کا فلسفہ، بندشوں کی دل آویزیوں سے محروم، طرز ادا کی جدتوں سے بے بہرہ، ایک خشک غیر دلچسپ اور غیر شاعرانہ انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ اس پر یہ ستم ظریفی کہ عمر خیام اور جوش کا نام ایک ساتھ لیا جاتا ہے! اگر اسی "پیام" کی تبلیغ معیار شاعری قرار دی جائے، تو "زہرِ عشق" کا مصنف بھی ایک الہامی شاعر تھا۔ اگر یہی وہ الہام اور وحیِ ربّانی ہے جس سے عبدالماجد صاحب مسرور ہو رہے ہیں، تو سمجھ میں نہیں آتا کس کو کیا کہا جائے۔

صحیح معنوں میں شاعر وہی ہے جو فلسفۂ حیات اور حقائق عالم کو اس طرح نظم کر دے کہ حقیقت لطیف تر ہو کر روح انسانی میں محو ہو جائے۔ ساز حقیقت کی ایک موجِ ترنم ہے، اُسے شاعری کہئے یا موسیقی، مفہوم ایک ہی ہے۔ جو شاعر فلسفۂ لطیف سے محروم ہے، وہ شاعر ہی نہیں۔ شاعر کسی لطیف خیال کو نظم کرے یا بادۂ کہنہ کو ساغرِ نو میں پیش کرے، اگر ان دونوں میں سے ایک خصوصیت بھی نہ ہو، تو شعر کہنا ایک ناقابل عفو جرم ہے جس کی سزا مذاق صحیح کی بے اعتنائیوں کے ذریعے سے ہونی چاہیئے۔ لیکن عبدالماجد صاحب اعانت جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک فلسفی ہر خیال کو ایک خشک فلسفہ کے رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اُس کا عقیدہ یہ ہے کہ محض فلسفۂ عریاں نے انسان کو حقیقت آشنا بنا دیا ہے۔ وہ کیف و سرور کا قائل نہیں، تخیل آرائی اُس کے مذہب میں ایک صریح جرم ہے "جذبات" کو وہ حیات انسانی کا دشمن سمجھتا ہے، وہ اس چہرے کا قائل نہیں جس پر فلسفیانہ متانت کے بجائے ایک غیر ذمہ دار شاعرانہ تبسم ہو، وہ چاہتا ہے کہ ہر شاعر ہگل اور برکلے کے فلسفہ کو نظم کر دے، وہ اس شعر کو شعر سمجھتا ہے جس میں محض فلسفیانہ ادعا ہو۔

"روح ادب" کی تنقید کے سلسلہ میں میں نے اپنے ایک محترم دوست کو لکھا تھا "میرا ارادہ ہے کہ "فلسفۂ جذبات" اور "فلسفۂ اجتماع" کو نظم کر ڈالوں۔ ایک فلسفی کے لئے اردو شاعری میں بیش بہا ذخیرہ فراہم

ہو جائے گا۔" فلسفیانہ شاعری کی تکمیل صرف اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔

جوشؔ کی شاعری فلسفیانہ تصنع سے لبریز ہے۔ انھوں نے فلسفہ طرازی کی جدوجہد میں اکثر حسنِ خیال اور حسنِ اظہار کا لحاظ نہیں رکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ہر رنگ میں کہنے کی کوشش کی ہے: میر انیسؔ سے مقابلہ کرنا چاہا ہے "نیچرل شاعری" پر بھی طبع آزمائی کی ہے، خلاصہ یہ کہ شاعری کی ہر مملکت کو فتح کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ؎

عشقِ نبرد پیشہ طلب گار مرد تھا

ان تمام معرکہ آرائیوں کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ جوشؔ کی شاعری قطعاً ناقابل توجہ ہے، میں تو اُس مبالغہ کا شاکی ہوں جس نے جوشؔ کو اُن کی سطح سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ جس سطح پر تھے، اُن کو وہاں رہنے دیا جاتا۔ ایسی تنقید جس سے مذاقِ عامہ کی گمراہی کا اندیشہ ہو، بذاتِ خود ایک جرم ہے۔

عبدالماجد صاحب لکھتے ہیں۔ "جوشؔ صاحب نظم ہی کے شاعر نہیں نثر کی شاعری پر بھی یکساں قادر ہیں "روحِ ادب" کا ایک ثلث حصہ اُن کے کلامِ نثر پر مشتمل ہے ...... حقیقت یہ ہے کہ جس قدر یہ مضامین مختصر ہیں اُسی نسبت سے بہ لحاظ معنویت بلند ہیں۔" جوشؔ کی نثر کے متعلق اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگورؔ کی تصانیف کو سامنے رکھ کر اس قسم کے ہزاروں مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ عبدالماجد صاحب نے دقّتِ نظر کی زحمت گوارا نہیں فرمائی، ورنہ "معنویت" کا معیار

حل ہو جاتا۔ تعصباتِ بے جا ہر ناقد کو ایسی تلاش و جستجو سے روکتے ہیں جس سے خیالات کی صحت کا اندیشہ ہو۔ اکثر دیدہ دانستہ غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

کلیم الدین
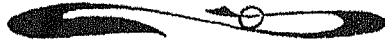
علی گڑھ میگزین[1]

مکتوب بنام اڈیٹر[2] "علی گڑھ میگزین"

آپ کے دو خط آئے، اور دونوں میں تفصیلی رائے کے متعلق اصرار ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ شاید اظہار رائے کی گنجائش نہ ہو، لیکن میگزین پر نظر کرنے کے بعد یہ خیال پلٹ گیا۔ چند "شعرا" کی ہرزہ سرائیوں نے اس قدر مشتعل کر دیا ہے کہ میرے لئے اب خاموشی محال ہو گئی۔

نثر کے متعلق کسی تنقید کی ضرورت نہیں، البتہ بعض باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ واقعتاً وہ قابل اعتراض ہیں، مثلاً "نظریہ نسبیۃ

---

(۱) سابق علی گڑھ کالج وحال مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ کا مشہور ماہوار جریدہ۔

(۲)۔ خواجہ منظور حسین صاحب پروفیسر انگریزی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بہ زمانۂ طالب علمی میگزین کے ایڈیٹر۔

نظریہ نسبیہ کو خدا نہ کرے میں کبھی سمجھوں! نفس موضوع درکنار، میں عنوان ہی سے مانوس نہیں ہو سکتا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس بندش کا مفہوم کیا ہے شاید یہ کوئی آہنی سپر ہے جو مسئلۂ زیرِ بحث کی عصمت و عفت نامحرم نگاہوں سے محفوظ رکھنے کے لئے وضع کی گئی ہے۔ بہر حال جو کچھ الزام ہے، وہ میری کج فہمیوں پر، جو خشک مسائل سے بے تکلف ہونا نہیں چاہتیں۔

"جواہراتِ حالی"! بد مذاقیوں کی یہ انتہا! حالی کے مصلح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ان کا مرتبہ بھی احترام کا مستحق ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اُن کی مصلحانہ شاعری "جواہرات" کا مخزن ہے۔ اُن کی جس شاعری کا حوالہ دیا گیا ہے وہ شاعری نہیں ایک مصیبت ہے جس سے خدا ہر انسان کو محفوظ رکھے! وہ "جواہرات" جن میں کوئی جھلک نہ ہو، صرف اس بدنصیب کے لئے قابلِ فخر ہو سکتے ہیں، جو اپنی بیوگی کے باعث خوش رنگ جواہرات سے محروم کر دی گئی ہو جس آنکھ کو گورِ غریباں کے سنگریزے جواہرات نظر آئیں، اس کی بد توفیقیوں پر ہزار افسوس! میں تو اُس حالی کا قائل ہوں جس نے "مقدمہ" کے قبل شاعری کی اور شاعری کے بعد "مقدمہ" لکھا۔ لیکن وہ "شاعری" جو "اصلاح" کرنا چاہتی تھی، اخلاقی حیثیت سے ممکن ہے خوب ہو، مگر شاعری نہیں بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی شاعری میں اخلاق و معاشرت کی اصلاح کی گنجایش نہیں اس لئے ہر مصلح کا یہ فرض ہو جاتا ہے، کہ رنگینیوں کو "اصلاح" پر قربان کر دے۔ یہ انتہائی تنگ نظری ہے۔ بہترین اصلاح کی صورت یہ ہے کہ انھیں رنگینیوں کو جو محبوب کے خط و خال میں صرف کی جاتی ہیں، مذہب و اخلاق کی خاکہ کشی

میں استعمال کیا جائے۔ لیکن میرے نزدیک مذہب و اخلاق کی تلقین و ترویج ہی کی کوشش مضحکہ انگیز ہے۔ اگر قضا اور قدر دونوں کی متفقہ کوششیں انسان کو راہ راست پر نہ لاسکیں، دنیا والوں کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جاہل انسان اس قابل بھی نہیں کہ اس کی اصلاح کی کوشش میں خوش مذاق انسان کا ایک لمحہ بھی صرف کیا جائے۔

۶۔ صحیح شاعری تو وہ ہے جو حقائق کو رنگینیوں سے اس طرح لبریز کر دے کہ ہر شعر اپنے علم کی لطافت میں قرآن کی ایک آیت اور اپنے عمل کی وسعتوں میں حدیث کا ایک ٹکڑا بن جائے۔ حقیقتیں مذہب و ملت کی پابند ہوکر نہیں رہتیں۔ ایک حقیقی شاعر کا یہ فرض نہیں کہ کسی مذہب یا کسی نظام اخلاق کے ایک ایک جزو کو صراحتاً بیان کرے۔ اس کے لیے "راہ نجات" اور "بہشتی زیور" کافی ہیں۔ صحیح مذہب وہ ہے جو ناقابل برداشت نہ ہو، اور صحیح اخلاق وہ جو حقائق کی مشکلات کو تخیل کی رنگینیوں اور تصور کی لطافتوں سے آسان کر دے۔ اس کا یہ منصب نہیں کہ یتیم خانوں اور حاجیوں کی امداد پر اپنی صلاحیتوں کو قربان کر دے۔ ایسی شاعری سے خاموشی بہتر ہے۔ اگر اس مسئلہ کو آپ مثال سے واضح کرنا چاہتے ہیں، مولانا شبلی پر نظر کیجئے۔ اُن کی اردو شاعری زیادہ تر روزمرہ کے واقعات سے متعلق ہے، لیکن اُن کا شعر حقیقتاً شعر ہوتا ہے، ناقابل برداشت نثر نہیں ہو جاتا۔ اگر وہ کبھی اخلاق کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، اس لطیف انداز سے کہتے ہیں کہ وہ ناصح کی بے مزہ اور تکلیف دہ مصیبت نہیں بن جاتی، جو بجائے اصلاح کرنے کے

انسان کو اور مشتعل کر دے ۔ حالی اپنی سعی اصلاح میں خشک ہو کر رہ گئے ،
ورنہ حالی وہ بھی تھے جنھوں نے یہ شعر کہا تھا ؎

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب!
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

حقیقت یوں بھی ادا کی جا سکتی ہے ۔

مجھے حالی کی شخصیت سے کوئی کاوش نہیں ۔ اُردو شاعری میں اُن کا
مرتبہ بہت بلند ہے ۔ لیکن اس اعتراف کا یہ تقاضا نہیں کہ میں ان کی شاعری
کے ہر دور کو تسلیم کر لوں ۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ وعظ و تلقین کے سلسلہ میں انھوں
نے جس قدر شاعری کی وہ سعی لاحاصل سے زیادہ نہیں ۔ انھیں مسائل کو وہ
نثر میں ادا کر سکتے تھے اور کامیابی کے ساتھ ۔ نظم کی زحمت اُنھوں نے
ناحق گوارا کی ، میں اسلاف پرستی کا قائل نہیں ، کہ ہر اُس شاعر کو پیغمبر
سمجھوں جس کے ہر لفظ کو جہلا وحی و الہام سمجھتے ہیں ۔

اب حصۂ نظم کے متعلق سنئے !

شاعری میں عام طور سے ہرزہ سرائیوں کی گنجائش بہت ہے
اس لئے ہر وہ نادان جو اپنے دل و دماغ میں خس و خاشاک کے علاوہ
کچھ نہیں رکھتا مگر ساتھ ہی ہوسِ اشاعت سے مغلوب رہتا ہے ، وہ
بلا خوف و ہراس شعر کہنے لگتا ہے ۔ آپ ، باوجود اپنی تمام کاوشوں کے ،
اس کا علاج نہیں کر سکتے ۔ رشید صاحب نے ایک بار اپنے مخصوص انداز
میں ان مشکلات کی طرف اشارہ کیا تھا جو بعض نادانوں کے ذوقِ اشاعت

سے پیدا ہوکر اڈیٹر کی زندگی کو تباہ کرتی رہتی ہیں۔ جب تک "شعرا" اپنی بزدلانہ ہوسناکیوں کی اصلاح نہ کریں، رسالہ کی مکمل اصلاح ناممکن ہے۔ میں نے بزدلانہ اس لئے کہا ہے کہ ان میں کسی صحیح خیال کے صحیح اظہار کی جرأت نہیں، اس لئے وہ اپنی حماقتوں کو شعر کے پردے میں چھپا دینا چاہتے ہیں۔

بعض شعرا میں حسن خیال اور حسن الفاظ تو دوسری چیز ہے، معمولی سلیقہ بھی نہیں ہوتا۔ مثالیں نہیں دینا چاہتا جوش کا ادعا راہ راست پر آتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے فلسفے کو معراج حاصل ہوگئی۔ معلوم نہیں ایسے بر خود غلط نا اہلوں کا کیا حشر ہو۔ عواس دیدہ دلیری کے ساتھ اپنی کج فہمیوں کی تشہیر کرتے ہیں۔ آپ متبسم ہوں گے کہ میں اپنے دیرینہ تعصبات کا اظہار کر رہا ہوں۔ ممکن ہے۔ لیکن براہ انصاف جوش کے اشعار کو دیکھئے اور مجھے یقین دلا دیجئے کہ ان میں اشتعال انگیز ادعا نہیں ہے۔

سعید[1] انصاری کی نظم پڑھتے ہی میں بدحواس ہوگیا۔ براہ خدا ان سے استدعا کیجئے کہ کبھی نظم کو مرہون منت نہ فرمایا کریں، ورنہ اندیشہ ناک صورتیں پیدا ہوجائیں گی۔

ع سچ بتا اے بام کعبہ کے مکیں کی ہم نسب
ع ہو کا عالم، کر رہا تھا سارا جنگل بھائیں بھائیں — وغیرہ وغیرہ

---

(۱) مجلس دار المصنفین (شبلی اکیڈمی)، اعظم گڑھ کے سابق رفیق، تاریخ اسلام سے متعلق چند کتابوں کے مصنف، مدیر رسالہ "ہندستانی" ہندستانی اکیڈمی (یوپی)، الہ آباد

یہ شاعری ہے؟ ان کا ہر شعر خوش دماغ انسان کی ایک مستقل توہین ہے۔

ایک صاحب نے کمال کر دیا ؎

یوں کسی کا رات بھر کہنا کہ ہائے درد ہے

ایک اور مصرعہ میں " بجائے درد ہے" ۔ یہ نئے قسم کا مد ہے ۔ کیا وہ ہمیشہ ی کو اسی طرح کھینچ کر بولتے ہیں؟ بد سلیقگی کی کوئی حد ہونی چاہیئے۔

~~اقبال کو جب پڑھتا ہوں، خدا یاد آجاتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ~~
اگر قرآن نازل نہ ہو چکا ہوتا، یا مولانا ابوالکلام کی نثر اس کے لئے منتخب کی جاتی یا اقبال کی نظم۔ پیمبری صرف مذاہب تک محدود نہیں، زندگی کے ہر نظام میں ایک حقیقی پیغمبر ہوتا ہے۔ اقبال جب کہتے ہیں " مرا حرفے ست درد دل" تو میں اُن پر اسی خلوص سے ایمان لاتا ہوں جس طرح روحیں پیمانِ الست کے سلسلے میں ایمان لائی تھیں۔ میں تنہا اخلاقی سیرت کا قائل نہیں۔ اگر کوئی دل رکھتا ہے اور دماغ بھی، اُسے میں اُن تمام ہستیوں پر ترجیح دیتا ہوں جن کی عمریں محض محاسن کے ارتکاب میں ضائع ہوئیں۔ میرے نزدیک اقبال اور مولانا ابوالکلام حقیقی معنوں میں فوق البشر ہیں۔

میں شاید اس سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں، کہ لکھتے ہوئے مجھے یہ لحاظ نہیں رہتا کہ میرا انداز کیا ہے اور میری رائیں کیسی۔ اور جو کچھ لکھ چکا ہوں، بہت ممکن ہے الفاظ میں افراط و تفریط کا شائبہ پیدا ہو گیا ہو، وہ اب مٹایا نہیں جا سکتا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ خیالات میں کوئی مبالغہ نہیں۔ میں

اس روش کا قائل نہیں جو خیالات کو مصلحت اندیشیوں کی بنا پر الفاظ کے ذریعے سے نرم کر دے۔ میرے نزدیک اگر کوئی چیز بری ہے میں اس کے محاسن کی جستجو میں دل و دماغ ضائع نہیں کرتا۔

آپ تفصیلی رائے سے عاجز ہوں گے۔ میں اپنی فطرت سے مجبور ہوں! خیالات کے تسلسل کو اختصار بے جا پر قربان کر دینا ایک طرح کی تنگ ظرفی ہے۔

سب کچھ لکھ گیا، مگر ایک مسئلہ اب تک حل نہیں ہوا، یعنی یہ میگزین مجموعی حیثیت سے کیسا ہے۔ غالباً مجھے یہ یقین دلانے کی ضرورت نہیں کہ میں کبھی اخلاقاً مدح و ستایش نہیں کرتا۔ اگر میں یہ کہوں کہ، اُن خامیوں سے قطع نظر کرکے جو بدنصیب شعرا کی وجہ سے نمایاں ہوگئی ہیں، اور جن پر بعض مجبوریوں کے باعث آپ کا اختیار نہیں —— آپ کا رسالہ اُن معدودے چند رسائل میں شمار کیا جا سکتا ہے جو علم و ادب کی نیرنگیوں سے معمور ہیں! آپ یقین کرنے پر مجبور رہوں گے۔

مسلمانانِ ہند

اور

تحریک اصلاح

احساساتِ عامہ پر جس تحریک کا انحصار ہو، اُس کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ طبقہ اُس کی صحت کی تصدیق کرے جس سے عوام کے احساسات وابستہ ہیں۔ مسلمانوں کی سیاست، جس کی بنا حق و صداقت پر رکھی گئی ہے، خاص طور پر اُس گروہ کی دست نگر ہے جو ایک طرف خدا اور اُس کے احکام سے باخبر ہو، اور دوسری طرف انسان اور اس کے حقوق سے۔

سیاسی جدوجہد کا ہر دور اسی گروہ کی صحیح فہمیوں اور غلط فہمیوں کا پابند رہا۔ اگر کبھی عوام نے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کیا، لیکن مذہبی گروہ نے اُس کی تائید سے انکار کر دیا، عوام کی جدوجہد قطعاً رائیگاں ہو گئی۔ کوئی نتیجہ

نکلا بھی، تو یہ کہ طبقۂ جہلا اور طبقۂ علمار میں وہ مخالفت پیدا ہو گئی جس کے
اثرات کبھی مٹ نہیں سکتے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ طبقۂ علمار نے آواز بلند کی،
لیکن عوام نے صدا بصحرا سمجھ کر اُس پر کوئی توجہ نہیں کی۔ غرض کبھی جہلا گمراہ
ہوئے، کبھی علمار۔ کوئی متفقہ قوت ایسی مجتمع نہ ہو سکی جو حق و صداقت کو کذب و
باطل پر غالب کر سکتی۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی بھی سیاسی زندگی اسی کش مکش
میں مبتلا رہی۔ ایک زمانہ وہ تھا جب دہلی اور نواح دہلی کے چند خدا شناس
علمار نے اپنے قول و عمل سے عام اعلان کر دیا کہ واقعات کس طرح کے
ہیں اور مسلمانوں کے فرایض کیا۔ انھوں نے اس کی کوشش کی کہ، جہلا
نہیں علمار اپنے فرائض سے باخبر ہو جائیں۔ اُن کی راست روی جہلا کو
خود بخود راہ راست کی طرف متوجہ کر دے گی۔ لیکن طبقۂ علمار نے اس اعلان
کو اس طرح سُنا جس طرح کوئی مبتلائے عیش نوحۂ غم کو۔ وہ مکدر بھی ہو گیا
متفکر بھی، وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھا کہ اپنی آسان پسند زندگی کو
حق و ایمان کی دشواریوں پر قربان کر دے۔ نتائج معلوم: صدائے حق
پتھروں اور دیواروں سے ٹکرا کر خاموش ہو گئی۔ نہ علمار کی خدا
فراموشیاں گئیں اور نہ جہلا کی خود فروشیاں۔

لیکن انسان جبر و ظلم سے مطمئن نہیں رہ سکتا۔ جب طبقۂ علمار نے
اپنے فرائض تبلیغ کو غسل و جنابت پر ختم کر دیا، اور تلقین ایمان کی جگہ تکفیر
کے فرائض انجام دینے لگے، عوام نے یہ طے کر لیا کہ اگر کوئی صورت اُن کی

دستگیری کی پیدا ہو سکتی ہے، تو انھیں حق شناس شخصیتوں کے ذریعے سے
جن کو بظاہر "نیابت رسولؐ" کی ذمہ داریوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اس حقیقت
کے قائل ہو گئے کہ طبقۂ علماء میں بھی جہلا ہیں اور طبقۂ جہلا میں بھی علماء۔ اس انکشاف
کے بعد علما کا سیاسی اقتدار روز بروز کم ہوتا گیا۔ بالآخر نہ اُن کی کوئی قوت
رہی نہ کوئی اہمیت صفحۂ ہستی پر۔ وہ ایک نقش باطل ہو کر رہ گئے۔ دنیا یہ سمجھ چکی
تھی کہ ایک دن یہ نقش بھی مٹ جائے گا۔ ظاہر ہے مسلمانوں کے لئے
اس سے بدتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ طبقہ ہمیشہ کے لئے بے کار
ہو جائے جو امور مذہبی کا نگراں ہے، لیکن وہ مجبور تھے۔ وہ حسرت و افسوس
کے ساتھ یہ دیکھ رہے تھے کہ علماء خود اپنی غفلت اور اپنی ناعاقبت اندیشیوں
سے اپنے وجود کو رائیگاں کر رہے ہیں۔

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے بھی، تو یہ رندانِ قدح خوار ہوئے

سیاسی اور اخلاقی جدوجہد اب اس کلیہ کی قائل ہو گئی اور قوت
اُن شخصیتوں کے ہاتھ میں آ گئی جن کو دین و مذہب سے کوئی خاص لگاؤ
نہ تھا۔ اس کے نتائج کئی حیثیتوں سے اسلامی تمدن کے لئے خطرناک تھے
نہ معاشرت کو اخلاق سے کوئی تعلق رہا، اور نہ سیاست کو مذہب سے
مسلمانوں کا طرزِ معاشرت، اُن کا نظام اخلاق اور اُن کا طریقۂ تعلیم، روایاتِ
مقدسہ سے بیگانہ ہو کر، ایک نئے اصول پر قائم ہو گیا۔ رہبری ان لوگوں نے
کی جو دماغ رکھتے تھے اور حوصلے، مقتدی وہ ہوئے جو ضرورت کے پابند

تھے اور مصالح کے۔

سرسید کی شخصیت ایک مخصوص حیثیت رکھتی ہے۔ علمار کا گروہ انھیں "اخوان الشیاطین" میں شمار کرتا رہا اور "روشن خیال" جہلا انھیں مسیح موعود کا مرتبہ دیتے رہے۔ آج بھی علمار کا ایک طبقہ انھیں مسلمانوں کی گمراہیوں کا ذمہ دار سمجھتا ہے، اور تعلیم یافتہ جہلا کا ایک گروہ اُن کو موجودہ "دورِ تعلیم و تہذیب" کا ایک مجدد۔ حالانکہ سرسید نہ وہ تھے اور نہ یہ۔ اُن کی ہستی محض اُس ردِ عمل کا نتیجہ تھی جس کا ذمہ دار علمار کا جہلِ مرکب تھا۔ گروہِ علما چاہتا تھا کہ عوام اُن کے اقتدار سے باہر قدم نہ رکھنے پائیں، ورنہ اُس کی ہمہ گیریاں قائم نہ رہ سکیں گی۔ برہمنیت اُس پر بھی مسلط ہوگئی تھی۔ وہ کسی طرح یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ تعلیم، اور بالخصوص تمدن جدید، عوام کو اس سے برگشتہ کر دے۔ اگر یہ گروہ اپنے فرائضِ نیابت کو دل سوزی اور نیک نیتی کے ساتھ انجام دیتا رہا ہوتا، تو یہ ممکن نہ تھا کہ وقتی مصالح مسلمانوں کو صحیح راستہ سے ہٹا کر دورِ جدید کی ابلہ فریبیوں میں مبتلا کر دیتے۔ لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ علمار اپنا حقِ رہبری کھو چکے تھے، پھر بھی وہ متمنی تھے کہ عوام پر اسی شدت کے ساتھ حکمرانی کرتے رہیں جس طرح پہلے کر رہے تھے۔

جب علمار کے طبقے نے یہ محسوس کر لیا کہ دورِ جدید نے مسلمانوں کو اُن کے اقتدار سے نکال کر آزاد کر دیا ہے، انھوں نے انتقاماً کفر کے فتوے صادر کیے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو ملعون اور مرتد قرار نہ دیا گیا ہو۔ خدا نے صرف شیطان کو طوقِ لعنت پہنایا تھا، رسول اکرمؐ نے تکفیر کو ایک

فعلِ مذموم قرار دیا تھا، مگر ان خدا کے بندوں اور رسولؐ کے قائم مقاموں نے تکفیر کا غلغلہ بلند کر دیا۔ ہر شخص، جو صرف و نحو اور "میزان منشعب" کے علاوہ کسی دوسرے درس کا قائل تھا، وہ کافر ٹھیرا دیا گیا۔ کفر منحصر ہو گیا گفتار و رفتار، وضع و لباس، اور تبسم و تکلم پر۔ اور یہ فرضِ تکفیر اس جوش و خروش کے ساتھ ادا کیا جا رہا تھا گویا خدا کے سب سے بڑے حکم اور رسولؐ کی سب سے بڑی تعلیم کی متابعت کی جا رہی ہے۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ تکفیر کرنے والوں کے گروہ میں نمایاں حصہ ان علما کا تھا جنھوں نے عمر بھر کبھی مسلمانوں کے سب سے بڑے فرض کا نام بھی نہیں لیا تھا۔ وہ کبھی اُن فرائض کی تلقین نہیں کرتے تھے جن کے نتائج سنگین اور جن کی تبلیغ مشکل تھی ؎

بزیرِ دلق ملمع سیاہ کاراند
دراز دستیِ ایں کوتہ آستیناں بیں!

اگر صرف اُن گمراہ اور مرتد انسانوں کی تکفیر کی گئی ہوتی، جو واقعتاً قابلِ تعزیر تھے، کوئی کش مکش پیدا نہ ہوتی۔ لیکن انتقام کا ایک جذبہ متلاطم تھا جس نے ہر ذی عقل مسلمان کو کافر ٹھیرا دینا چاہا۔ ہر اس مسلمان کو جو اپنے دل و دماغ کی امداد سے طبقۂ علما کا حریف بن کر اسے دنیاوی شکست دے سکتا تھا، کافر و گمراہ کا خطاب دے دیا۔

تکفیر کے اس ہنگامہ نے ایک شورش برپا کر دی۔ نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ہوا۔ ہر وہ ہستی جو دورِ جدید کی قائل تھی، اور اُس کے ان رجحانات کو کفر و الحاد سے تعبیر کیا جا رہا تھا، محض علما کی ضد میں گمراہ ہو گئی۔ اتفاقاً ہی

نہیں، صرف فطرت ہی کے تقاضے سے نہیں، بلکہ بالارادہ۔ سرسید کا شمار دراصل اُنھیں اشخاص میں کیا جا سکتا ہے جو حقیقتاً نظر کی وسعتیں، قلب کی گہرائیاں، اور دماغ کی رفعتیں رکھتے تھے۔ لیکن فطرتاً ان کی وسعتوں اور رفعتوں میں گمراہیوں کے انداز مضمر تھے۔ صرف اس کی ضرورت تھی کوئی حریف انھیں منتقل کردے علمار کے شغل تکفیر نے یہی کیا۔ سرسید کی فطرت دورِ قدیم سے بغاوت کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اگر کوئی صحیح رہبر اُن کی رہبری کے لئے پیدا ہو جاتا، اُن کی استعداد سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ سیاسی اور اخلاقی ہر حیثیت سے لیکن اس کے برعکس، مذہبی گروہ نے اپنی غلط اندیشیوں سے اُن کو اُس منزل کی طرف متوجہ کر دیا جس کی طرف خود اُن کے رجحانات اُن کو لئے جا رہے تھے۔

علمار ایک حد پر تھے، اور سرسید دوسری حد پر۔ سرسید پر سب سے بڑا الزام یہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے علمار کی ضد میں مذہب کو غلط سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ مذہبی حیثیت سے وہ واقعتاً گمراہ تھے، لیکن اُن کی گمراہیوں کی سزا خود اُنھیں نہیں، بلکہ اُن غلط اندیشوں کو دی جائے گی جنھوں نے محض جوشِ مخالفت اور جذبۂ انتقام میں، سرسید اور اُن کے گروہ کو مرتد قرار دے کر ہمیشہ کے لئے مذہب سے بیگانہ کر دیا سرسید نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ انھوں نے مذہب کو صحیح نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا، اور قصداً، اُن کا مقصد صرف یہ تھا کہ علمار کے نقطۂ نظر کو غلط ثابت کردیں۔ اسی مقصد کے تحت میں انھوں نے مذہب کے ہر کلیہ کو

غلط فہمیوں کی نذر کر دیا۔ وہ صرف یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مذہب وہ نہیں ہے جو اُن کو کافر ٹھیرانے والے علمار سمجھے ہیں۔ انھوں نے اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ حقیقی مذہب کی توضیح کریں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر مذہب کے علمبردار ان قدیم دورِ جدید کے اِس علم بردار کی مخالفت نہ کرتے، مذہب بحث ہی میں نہ آتا۔ سرسید اپنی محدود سیاست اور محدود تعلیم میں مصروف رہتے اگر کبھی وہ مذہبی دائرہ کی طرف آتے بھی، تو اس شان سے نہیں گویا علمار کا کوئی حریف مذہب و اخلاق کو پامال کرنے جا رہا ہے۔

اس ردِ عمل کا نتیجہ مذہب ہی پر نہیں، بلکہ نظامِ معاشرت اور رفتارِ سیاست پر بھی مترتب ہوا۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ایک حد تک مذہب غیر متاثر رہا، لیکن اخلاق، معاشرت اور سیاست سب پامال ہو گئے۔

جب ہندوستان کا موجودہ تمدن تعلیمِ جدید پر قائم کیا جا رہا تھا مسلمانوں کے لئے یہ لازمی تھا کہ اس حربہ سے مسلح ہولیں جو دورِ جدید کے تنازع للبقا میں ضروری ہے۔ اگر علمار چاہتے تھے کہ دورِ جدید کی تعلیم مسلمانوں کو گمراہ نہ کر سکے، انھیں سرسید سے مل کر کوشش کرنی چاہیے تھی لیکن ان کا یہ تقاضا کہ مسلمان تعلیمِ جدید سے بے بہرہ رہیں، اور اس کے ساتھ ہی روایاتِ قدیم سے بہرہ ور نہ ہوسکیں، انتہائی فریب کاریوں پر منحصر تھا۔ سرسید نے عاقبت اندیشی کو دخل دیا، اور علمار کے ہنگاموں سے مرعوب نہیں ہوئے۔ تعلیمِ جدید، مذہب و اخلاق سے اگر بیگانہ ہوگئی، اور تعلیم یافتہ گروہ اگر گمراہ ہوگیا، اس کی ذمہ داری تنہا سرسید پر نہیں،

بلکہ علمار پر بھی ہے۔ سر سید نے علمار کی مخالفت میں مذہب و اخلاق کو دورِ جدید کی ضروریات پر قربان کر دیا، اور علمار نے سر سید اور ان کے طبقہ کی مخالفت میں تعلیم جدید سے مخالفت اختیار کر لی۔ اس کش مکش میں نہ علمار تباہ ہوئے اور نہ سر سید، جو کچھ تباہی آئی تھی، وہ اسلامی تہذیب پر آئی۔

دورِ جدید کا تعلیم یافتہ گروہ اپنی بد توجہیوں پر فخر کرنے لگا۔ اس کے لئے سرمایہ رتاز یہ واقعہ تھا کہ عمال سرکاری اُس کی قدر کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ ملک و ملت اُس سے کیا چاہتے ہیں۔ وہ نہ مذہب کا قائل تھا اور نہ ملت کا۔ اس کی نگاہوں میں اگر کوئی وقعت تھی، تو علوم مغرب کی؛ اگر کوئی عزت تھی یورپ کے نظام اخلاق کی۔ وہ نہ مذہب کو قابل توجہ سمجھتا تھا اور نہ مشرقی اخلاق کو۔ وہ روایاتِ قدیمہ سے بے خبر تھا۔ مصنفین مغرب کی ترتیب دی ہوئی تواریخ اُسے جو چاہتی تھیں، سمجھا دیتی تھیں۔ جس واقعہ کو چاہتی تھیں، اُس کے دل و دماغ میں چھپا دیتی تھیں۔ وہ مشرقیت کو اپنے لئے باعث ننگ سمجھتا تھا۔ قرآن اُس کے نزدیک معارِ لاینحل تھا، اور حدیث ایک کلام نا قابلِ عمل۔ اُسے اپنے مذہب پر شرم آتی تھی، اپنے نظام اخلاق سے وہ متنفر تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا کی ابتدا مغرب سے ہوئی، اور اس کی انتہا بھی مغرب ہی پر ختم ہو گی۔ مغرب ہی کو وہ علوم و فنون کا مخزن اور حقائق و معارف کا مرکز تصور کرتا تھا۔ اس کا مطمح نظر خالد نہیں ولنگٹن، غزالی نہیں مل اور سپنسر

ابن خلدون نہیں اسمتھ اور مارسڈن تھے۔ کاش وہ مغرب ہی کے حقیقی علوم سے باخبر ہوتا! اُس کی نظر محدود تھی انگلستان اور اُس کے سطحی اور تنک مایہ مصنفین تک! بالخصوص اُن فریب کار جہلا تک جن کی لایعنی اور گمراہ کن تصانیف ادب و تاریخ کے نام سے درس میں داخل کردی گئی ہیں۔

ایک طرف یہ عالم تھا، دوسری طرف سیاست، مذہب ہی سے نہیں اخلاق و معاشرت کے مسلّمہ اصول سے بھی، محروم کردی گئی۔ تعلیم جدید کا مرکز سیاست کا قائل ہی نہ تھا۔ اگر اس کے اصول میں سیاسی جدوجہد جائز تھی، تو صرف اس حد تک کہ حکومت کے ارباب حل وعقد کو کس طرح راضی رکھا جائے، اور روزمرہ کی زندگی میں اپنے حریف کو ارکان حکومت کی نگاہوں میں کس طرح رسوا کیا جائے۔ ترکی کی لڑائیاں سرسید کے وقت میں بھی ہوئیں اور اُن کے بعد بھی۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سرسید اور ان کے گروہ نے اخوت اسلامی کا کبھی کوئی درس دیا؟ یہی نہیں، کیا انگلستان کے مقابلہ میں وہ ترکی کی ہمدردی کی ہمت رکھتے تھے؟ میں سرسید کو الزام نہیں دیتا، صرف واقعات کی طرف اشارہ کررہا ہوں اور حالات کی طرف۔ ترکی کے خلاف اگر حکومت ہند نے سرسید اور اُن کے ہمنوا مسلمانوں سے امداد طلب کی ہوتی، تو نہ سرسید کو جھجک ہوتی اور نہ اُن کے مرکز تعلیم کے مغرب پسند طلبا کو۔

ترکی کا سوال تو بعد کو آتا ہے۔ ہندوستان کی سیاست خاص طور

پر قابل ذکر ہے۔ سرسید کی تلقین یہ تھی کہ جادۂ تسلیم و رضا سے ہٹ کر چلنا مذہب حکام پرستی میں کفر و ارتداد کے معنی رکھتا ہے۔ مذہب، اخلاق ضمیر غرض کہ ہر خلش کو مٹا دینا چاہیے، جب کبھی شکر و وفا کا مطالبہ حکمراں قوم کی طرف سے کیا جائے۔ آج وہ لوگ جو ہر موقع پر سرسید کا نام لے کر تعلیم وفا دیتے رہتے ہیں، کس روش پر ہیں؟ یہ وہی شخصیتیں ہیں جنھوں نے موجودہ تحریک میں حق پسند انسانوں کو بھی مطعون کرنا چاہا اور اُن کے خدا اور رسولؐ کو بھی۔ مجھے اُن نادانوں پر افسوس آتا ہے جو بیسویں صدی کے ہنگاموں میں سرسید کو اپنی بد توجیہیوں کا پردہ بنانا چاہتے ہیں۔ سرسید کسی کی بد کرداریوں کا عذر نہیں بن سکتے۔ وہ ایک مستقل سیرت رکھتے تھے، اور سیرت کی وسعت میں ان کے پاس قومی درد تھا، اور اس درد سے کام لینے والا دماغ بھی۔ اگر مذہبی اور سیاسی حیثیت سے انھوں نے لغزشیں کیں، اس کا بھی ایک عذر ہے۔ اُن کا زمانہ دوسرا تھا۔ نہ آج کے سے احساسات تھے اور نہ آج کی سی سیاست اُس وقت یہ جذبات ہی موج زن نہ تھے جو آج ہر سینہ میں تلاطم برپا کر رہے ہیں۔ لیکن آج جو ناحق شناس ہستیاں سرسید کے نام کا ورد کرتی رہتی ہیں، اُن کے پاس کیا ہے؟ کیا وہ دل اور وہ دماغ! اُن کے لئے کیا عذر پیدا کیا جا سکتا ہے؟ کیا سرسید کے دَور کے حالات اور اُس کی مجبوریاں؟ یہ کچھ نہیں، صرف بدبختیاں اور گمراہیاں ہیں، اُن کا نام "سرسید کی پالیسی" رکھ لیا گیا: "بدنام کنندہ نکو نامے چند" سرسید

کی روح مضطرب ہے، مگر کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔

عین اسی وقت جب سر سید اور اُن کے رفقا اپنی امت کے لیے نظامِ تعلیم اور نظامِ اخلاق مرتب کر رہے تھے، انھیں کے ساتھ علی گڑھ کے اسی تخمخانۂ علوم میں ایک ہستی فرائض معلمی انجام دے رہی تھی، جس کا ہر نفس علم و حکمت کا ایک شاندار مستقبل پوشیدہ رکھتا تھا۔ خود اس کو یہ خبر نہ تھی کہ اس کی آئندہ زندگی مسلمانوں کے لیے سرچشمۂ حیات ہوگی۔ جس سے دورِ قدیم کے تشنگانِ علم اور دورِ جدید کے شیدائیانِ حکمت دونوں سیراب ہوں گے۔ وہ اسلام کا ماضی بھی رکھتی تھی اور حال بھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ مسلمانوں نے کون سی دولت کھو دی ہے اور یہ بھی کہ انھیں کون سی نئی دولت حاصل کرنی چاہیے۔ مولانا شبلی مرحوم جب علی گڑھ میں تھے، اُن کی زندگی کا ہر لمحہ ماضی اور حال کی کش مکش سے عبرتیں حاصل کر رہا تھا۔ بالآخر وہ دورِ جدید کے خطرناک عناصر کے خلاف صف آرا ہوئے اور اس شان سے کہ "تعلیم یافتہ گروہ" بھی اسلام کے تمدن اور مشرق کی عظمتوں کا قائل ہو گیا۔ مولانا وہ پہلے شخص تھے جن کی اہمیت اُس طبقہ نے بھی تسلیم کرلی جو سر سید کی متابعت میں، گروہ علما سے ہمیشہ کے لیے بدظن اور ایک حد تک متنفر ہو گیا تھا۔ اس اعتبار سے مولانا کا اثر دورِ جدید کے نظامِ علم و اخلاق پر ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ مولانا کے مختلف مشاغل کا یہاں ذکر نہیں۔ اس سلسلہ میں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ سر سید کی ابتدائی زندگی سے لے کر مولانا کے علمی نشو و نما تک جو تعصب

اور صحیح تعصب، علما کے خلاف دورِ جدید کے بے پروا مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا اس کو مولانا کی شخصیت نے ایک حد تک کمزور کر دیا، اور اس کی گنجائش پیدا ہو گئی کہ صحیح علمار تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اپنی جامعیت سے متاثر کر سکیں۔ علم و حکمت میں جب دیرینہ نظامِ تعلیم کی حیثیت تسلیم کر لی گئی تو اس کا بھی امکان پیدا ہو گیا کہ مذہب و سیاست میں بھی علمار کی حیثیت متعین ہو جائے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ دفعتاً تمام مراحل ایک تنہا ہستی طے نہیں کر سکتی تھی، جب طبقہ علمار کی بد توجہیوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اقتدار کو برباد کر دیا تھا۔ گو شبلی مرحوم کئی حیثیتوں سے صحیح اسلام کو پیش کر رہے تھے: علم کو اجتہاد و تحقیق سے، عمل کو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے تذکروں سے، اخلاق و سیاست کو مسلمانوں کی تواریخ و روایات سے لیکن یہ تمام کوششیں انجام کار کے لئے کافی نہیں تھیں۔ مولانا کی شخصیت نے دورِ جدید کے "روشن خیال طبقہ" میں صلاحیت و استعداد پیدا کر دی! اب اس کی ضرورت تھی کہ حالات اور واقعات کا تسلسل قلبِ سلیم پیدا کر دے اور دماغ صحیح۔ مسلمانوں کی خوش نصیبی نے یہ سامان بھی فراہم کر دیا۔

سرسید اور ان کے معاونین کی افراط و تفریط سے طلبائے علمِ جدید طرزِ معاشرت اور اصولِ اخلاق میں جو بے راہ روی پیدا ہو گئی تھی، اس کی اصلاح اس مخلص اور غیرت مند مسلمان کی تعلیم و تلقین نے کر دی جس نے طلبار کے سامنے اپنے قول و عمل سے اسلامی تمدن کا بہترین نمونہ پیش کر دیا تھا۔ آج اگر کوئی دورِ جدید کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تاریخ

لکھنے بیٹھے، وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ نواب وقار الملک مرحوم نے اپنی چند سالہ نظامت میں علی گڑھ کے طلبار کو کیا کیا سبق دیئے اور اپنے طرز زندگی سے اُن کو کیا کیا ہدایتیں کیں، علی گڑھ کالج، جو در اصل موجودہ تمدن کا مرکز تھا اور جس سے نکل کر "روشن دماغ" مسلمان تمدن جدید کی تبلیغ کیا کرتے تھے، نواب وقار الملک کی عظمتوں سے غیرتِ قومی کا مخزن بن گیا۔ یہ نہیں کہ سرسیّد اور محسن الملک کی گود میں پلے ہوئے طلبار خود دار اور غیرت مند مسلمان بن گئے ہوں، گمراہ ہستیاں دفعتاً راہ راست پر نہیں آ سکتیں۔ البتہ یہ ہوا کہ سرسید کی تلقینِ وفا، نواب وقار الملک کی تعلیم خود داری سے بدل گئی۔ تعلیم یافتہ طبقہ ضمیر و اخلاق سے بھی مانوس ہونے لگا اور مذہب و سیاست سے بھی۔ یہاں تک کہ جنگ بلقان نے لوگوں کے احساسات قومی اور جذبات ملی کو اس حد تک بیدار کر دیا جس کی امید بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ دنیا متعجب تھی کہ "پیر وفا" کی خانقاہ سے "مجاہدین اسلام" کا لشکر کس طرح نکلا حکومت متحیر ہو گئی کہ "بروٹس نے بھی بالآخر حملہ کر دیا"! ارباب حل وعقد دھمکیاں دینے لگے۔ سرسید اور محسن الملک کے تربیت دادہ "پیرانِ نابالغ" نصیحتیں کرنے لگے کہ اُخوت اسلامی کے بُت پر اپنا امن و سکون اور حکومت کی شفقتوں کو کیوں قربان کر رہے ہو۔ غرض کہ ہر طرح کی کش مکش پیدا ہو گئی۔ لیکن احساسات جو بیدار ہو چکے تھے، بیدار ہی رہے مسلمانوں کی سیاست کا یہ پہلا باب تھا جو اس تمہید کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ نہ اس

ہنگامہ کو نصیحتیں روک سکتی تھیں اور نہ دھمکیاں۔

ایک طرف تمدن جدید نے اس طرح کروٹ لی، دوسری طرف ایک انسان کی وہ ہمہ گیر قوتیں روبکار تھیں جن کی ہر جنبش کنگرہ فرعونیت کو متزلزل اور وقار نمرودیت کو پامال کر سکتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا دماغ اُن معجزات میں سے ہے جو کارکنان قضا و قدر کی حیرت انگیز کرشمہ طرازیوں کو نمایاں کرتے رہتے ہیں۔" الہلال "نے ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس طرح بیدار کر دیا جس طرح نفخ صور سے لاکھوں برس کے سوئے ہوئے انسان زندہ ہو جائیں گے۔ مذہب و سیاست کا یہ حیرت انگیز اتحاد ہندوستان میں آج تک کسی مسلمان کا دل و دماغ پیدا نہ کر سکا تھا۔ اسی معجزہ نما شخصیت نے علما کے گروہ کو اسلامی سیاست کے رموز بتلائے اور دورِ جدید کے مبلغین کو مذہب و اخلاق کی حقیقتیں۔ اس سے پہلے مختلف مصنفین نے مختلف مواقع پر، ہندوستان کے مسلمانوں کو فرائض کی تلقین کرنی چاہی تھی۔ لیکن نہ اُن کے پاس یہ دماغ تھا اور نہ یہ دل، نہ یہ الفاظ تھے اور نہ یہ قلم۔ جامعیت ہندوستان میں کبھی اس سطوت جبروت سے نمایاں نہیں ہوئی تھی! مولانا آزاد نے مذہب کی بھی تبلیغ کی اور سیاست کی بھی۔

"روشن خیال طبقہ کو یہ پہلی بار معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں غسل و طہارت کے علاوہ کائنات کے حقائق بھی پوشیدہ ہیں۔ اب تک جس

انداز سے علمار قرآن پاک کو پیش کیا کرتے تھے، وہ کسی طور پر خوش آیند نہ تھا۔ تعلیم یافتہ طبقہ سمجھتا تھا کہ قرآن مجید ختم ہے تنبیہ و تہدید اور تکفیر و تعزیر پر۔ خود غرض اور تنک مایہ علمار نے انھیں اسی طرح سمجھایا تھا۔ لیکن جب مولانا آزاد، قرآن لے کر اُٹھے، مسلمان مبہوت ہو گئے کہ تیرہ سو برس کے صحیفے میں حال ہی کے لئے نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے نکات و حقائق پوشیدہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام کی شخصیت اُن بلند نظر شخصیتوں میں سے ہے جن کی عظمتوں کا محاصرہ نہیں کیا جا سکتا۔ دورِ جدید میں مذہب کو اگر کسی نے سیاست سے صحیح طور پر ملا دیا ہے، اور علمار کے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کر لیا ہے، تو وہ تنہا مولانا ابوالکلام ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک برگزیدہ شخصیت اور بھی ہے۔ جو بظاہر گو دنیا سے اُٹھ گئی، لیکن حیاتِ جاوید نے اُسے ہمیشہ کے لئے نمایاں کر دیا ہے۔ قرونِ اولیٰ کا اسلام اگر کسی نے عملاً دنیا کے سامنے اس صدی میں پیش کیا، وہ محمود الحسن کی محترم ہستی تھی۔ آج جب کعبے سے کفر کا دریا امنڈتا چلا آرہا ہے، دیارِ ہند کے ایک مسلمان نے خیر القرون کی یاد تازہ کر دی۔ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے مولانا مرحوم نے علمار کو نئے سرے سے ہندوستان میں زندہ کر دیا، اور یہ انھیں کا فیض اور اُنھیں کی برکات تھیں کہ موجودہ کشمکش میں علمار اور جہلا نے متحد ہو کر کذب و باطل کے مقابلے میں۔ حق و صداقت کا علم بلند کیا۔

گروہِ علما، جو ایک زمانہ سے دورِ جدید کے مسلمانوں سے بیگانہ تھا، اُن سے آ کر مل گیا، اور وہ خدا ناشناس مغرب پرست جو مذہب کو ناقابل برداشت اور شعار اسلامی کو ناقابل عمل سمجھتے تھے، خدا سے بھی مانوس ہو گئے اور اُس کے قوانین سے بھی۔ رہا یہ مسئلہ کہ عام طور پر گروہ علما کی للّٰہیت اور اُن کا ایثار کس رنگ پر ہے، اور آئندہ اُس کے کیا نتائج ہوں گے، علم و حکمت کا مذہب و اخلاق سے یہ مخلصانہ اتحاد کس منزل تک قائم رہے گا، یہ ایسے مباحث ہیں۔ جن پر موجودہ حالات میں کوئی تبصرہ کرنا ضروری ہے، نہ قرینِ مصلحت۔

لیکن سب سے زیادہ عبرت انگیز اور حیرت خیز یہ واقعہ ہے کہ مذہب و سیاست کی حمایت کے لئے جو سب سے زیادہ جاں باز ہستیاں ہتھیلیوں پر سر لئے ہوئے نکلیں، وہ علی گڑھ کے اُسی بتکدہ سے، جس میں ہمیشہ وقارِ حکومت کی پرستش ہوتی رہی۔ کل تک وہی ہستیاں تمدن جدید کی دلدادہ تھیں۔ لیکن آج کوئی نہیں جو سر فروشوں میں اُن کا مقابلہ کر سکے۔ خدا بھی اُن پر نازاں ہے اور انسان بھی۔ کل وہ تھیں کہ دورِ جدید کی حق فراموشیوں نے انھیں جو تربیت دی، اور آج وہ ہیں کہ اُن کی فطرت سلیم کا جو تقاضا تھا خلیل کی ہمسری پر آذر یہ فخر نہیں کر سکتا کہ خلیل نے اُسی کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اس سے قبل کہ تمدن جدید کی آگ اُن پر گلستاں بن گئی، مولانا شوکت علی اور مولانا

محمد علی اسی آذر کدہ کے سیمیں اور طلائی بت تھے، جن پر علی گڑھ کے بت گروں کو بھی ناز تھا، اور دور جدید کے بت پرستوں کو بھی۔ لیکن آج جب وہ توحید کا غلغلہ بلند کر رہے ہیں، خاندان آذری ماتم کر رہا ہے کہ اس کے صدیوں کے تراشے ہوئے بت توڑے جا رہے ہیں اور روایات بت پرستی ہمیشہ کے لئے پامال کی جا رہی ہیں۔ درحقیقت دنیا کی تاریخ میں حال اور مستقبل کے لئے ہزاروں عبرتیں اور ہزاروں ہدایتیں ہیں۔

رعنائی خیال

محاسن ومعاصی

حیاتِ رائیگاں کے صحیح مفہوم سے اب تک ہزاروں دل و دماغ ناآشنا ہیں۔ انسان کا ہر طبقہ زندگی کے مختلف فرائض مقرر کرتا ہے اور انھیں کو حیات کامیاب یا عمرِ ناکام کا معیار تصور کرتا ہے۔ یہ تمام غلط فہمیاں انسانی گمراہیوں کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ زندگی کے فلسفۂ لطیف پر اگر غور و فکر کی جائے، یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ حیات انسانی کا صرف ایک ہی حق ہے اور ایک ہی فرض؛ لطافتِ خیال اور حسنِ عمل سے زندگی کے ہر لمحے کو دل فریبیوں میں محو کر دینا۔ رکاکتِ خیال اور کثافتِ عمل، عمر کو رائیگاں بنا دیتی ہیں، حسنِ خیال اور رنگینیٔ عمل میں حیاتِ جاوید کے تمام رموز پوشیدہ ہیں۔ لیکن لطافت و کثافت سے اخلاقی حسن و قبح اور مذہبی محاسن و معاصی مقصود نہیں۔ محاسن سے محض خیالات کی رنگینیاں اور حرکات کی لطافتیں متصور ہیں، اگر قبیح ترین

گناہ انتہائی حسن سے کیا جائے، وہ محاسنِ حقیقی میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر نیکی، جو حسنِ عمل سے محروم رہے، انتہائی معصیت ہو جاتی ہے۔ حرکات کی کثافتیں، نیکیوں کو ناقابلِ عفو جرائم بنا دیتی ہیں۔ البتہ زندگی کا دشوار ترین مرحلہ یہی ہے کہ انسان اپنے اعمال و افعال میں صحیح رنگینیاں پیدا کر سکے۔ اس کے لئے انسانیت سے بالاتر قوت اور حسن ملکوتی کی ضرورت ہے۔ ہر انسان اپنی ہستی میں حقیقی رنگینیاں پیدا نہیں کر سکتا، اور ایک صحیح اور خوب صورت گناہ کا ارتکاب ہزاروں نیکیوں سے زیادہ دشوار ہے۔ چونکہ فطرت نے انسان پر وہ بار نہیں ڈالنا چاہا، اس کی صلاحیتیں جس کی متحمل نہیں ہو سکتیں، اس لئے اسے معاصیِ لطیف سے روک دیا ہے اور غیر دل چسپ محاسن کی تلقین و تائید کی ہے۔

کائنات کی حقیقی دل فریبیاں انسان سے چھپا دی گئی ہیں۔ اس کی کم ظرفی اور تہی مائیگی ان حقائق کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اسی لئے معصیتِ رنگیں کی تجلیاں بھی پردۂ فطرت میں پوشیدہ رکھی گئی ہیں ورنہ اُن کی ایک جھلک انسان کے صد سالہ اعمالِ خشک اور محاسنِ قبیح کو برباد کر دے، اور اربابِ قضا و قدر کو اُسی وقت اختتامِ کائنات اور آغازِ قیامت کا انتظام کرنا پڑے۔ کیونکہ التوائے قیامت کسی خاص مقصد پر مبنی ہے۔ خدا کی مصلحتیں ابھی اس نظامِ عالم کو قائم رکھنا چاہتی ہیں، اس لئے گناہوں کے حقائقِ رنگیں ابھی پردۂ راز میں ہیں لیکن جس دن خدا کو دنیا کا شیرازہ برباد کرنا ہوگا، یہ رموز خود بخود روشن

ہو جائیں گے۔ نیکیوں کا تمام ذخیرہ برباد اور اعمالِ صالحہ کا سارا سرمایہ تباہ ہو جائے گا مذہب و اخلاق کے آئین و اصول کی سطحیت خود زہد و اتقا کو رسوا کر دے گی؛ کائنات کا ہر نظام، جس کی بنیاد انسان کے گمراہ قوانین پر رکھی گئی ہے، وہ درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی انتشار عالم ہے، مذہب جسے قیامت کہتا ہے، اور جس کے اسباب و علل کی توجیہہ میں اس نے صحت واقعات کو ملحوظ نہیں رکھا۔ شاید اس لئے کہ اس کی مخاطب عام انسانوں کی جہالت تھی۔

عقبیٰ میں انسان کو اس کے گناہوں کی سزا ملے یا نہ ملے، لیکن دنیا میں اس کو اپنی نیکیوں کی سزا فوراً مل جاتی ہے۔ بے وقوف انسان باوجود اس تنبیہ کے بھی اعمالِ حسنہ کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے، وہ یہ نہیں جانتا کہ دنیا میں جو اعمال موردِ عتاب ہو جائیں، عقبیٰ میں اُن کے لئے شدید ترین سزا ہوگی۔ وہ محض دارا لانتقام ہے۔ اجرِ اعمال کا تقاضا یہ ہے کہ جزا و سزا میں گناہ و ثواب کی حیثیتیں ملحوظ رہیں۔ اس اعتبار سے عقبیٰ میں معاصیِ لطیف کی سزائیں بھی لطیف ہوں گی اور محاسنِ قبیح کی جزا بھی غیر دلچسپ۔ ظاہر ہے سزائے لطیف اجر لئے کریہہ سے بہتر ہے۔ عاصی رنگین تھی دنیا بھی دلچسپ ہے اور عقبیٰ بھی دلچسپ ہوگی۔ اس کے گناہوں کی رنگینیوں سے جب اس کی سزاؤں کی رنگینیاں مل جائیں گی، اس کے لئے ہزاروں دلچسپیاں پیدا ہو جائیں گی

وہ اپنی بہشت ہو گا، جس کی فضائیں اربابِ قضا و قدر کی بنائی ہوئی بہشت سے دل فریب تر ہوں گی - اپنی بہشت کا وہ خود ہی کار فرما ہو گا - اُسے ان رسوم و قیود سے کوئی واسطہ نہ ہو گا جنھوں نے زاہدوں کی جنّت کو اس قدر غیر دل چسپ بنا دیا ہے - نظامِ مسرت بھی اگر آئین و اصول کا پابند بنا دیا جائے، وہ ایک مستقل مصیبت بن جاتا ہے - زاہدوں کی جنت میں کوئی کشش نہیں رہی - اس کی مسرتیں مختلف شعبوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں - اس کے مشاغل کی ایک فہرست بنا دی گئی ہے - غرض کہ، اس کا سارا نظام مستحکم کر دیا گیا ہے - ایسی ناقابلِ تغیر جنت سے ایک تغیر پذیر جہنم بہتر ہے - زاہدِ خشک کی سزا یہی ہے کہ اس تکلیف دہ بہشت میں بھیج دیا جائے - لیکن عاصی رنگین ایسی بہشت کو ناقابلِ برداشت سمجھتا ہے - اس لیے خود ہی اپنی بہشت تعمیر کرنا چاہتا ہے، دنیا میں اس کی ابتدا کرتا ہے اور لطیف سزاؤں کے ذریعے سے عقبیٰ میں اس کی تکمیل ہو جاتی ہے -

---

غالبؔ نے اخلاقی بندشوں کی مہلیت کا صحیح اندازہ کر لیا، وہ اس راز سے بے خبر نہ تھے کہ بعض ایسے لطیف مواقع انسانی زندگی میں پیدا ہو جاتے ہیں جن میں عام ممنوعات فرائض بن جاتے ہیں اور ہر گناہ ثواب! اگر تمام بندشیں حسنِ عمل سے توڑ دی جائیں، معصیت خود ہی عذرِ معصیت بن جاتی ہے - اگر کسی انسان میں معصیت رنگین

کی صلاحیت ہے، لیکن وہ محاسن خشک کی طرف کھنچ رہا ہے، اُس کی بدنصیبیوں کی کوئی انتہا نہیں:

جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہیں

معصیت کی رنگینیاں چاہتی ہیں کہ خود معصیتِ لطیف، ذوقِ گنہ کی جستجو میں آئے، ذوقِ گناہ کو تلاش و کاوش کی زحمتیں اٹھانی نہ پڑیں ورنہ تمام مسرتیں برباد ہو جائیں گی۔ خیالات ذوقِ معاصی سے لبریز اور اعمال حسنِ ارتکاب سے معمور ہوں، لیکن ہر خیال اور ہر عمل کاوش و جستجو سے متنفر رہے، صحیح مسرت وہ ہے جو خود بخود پیدا ہو جائے

ایک لطیف گناہ ہزاروں خشک نیکیوں سے بالاتر ہے۔ عقبیٰ کی دُور اندیشیاں اُسی دماغ کے لئے ہیں جن میں دنیا کی حقیقی رنگینیوں میں محو ہو جانے کی صلاحیت نہیں۔ دوسری دنیا کی سزا و جزا پر غور کرنے والا، منطقی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس راز سے بے خبر ہے کہ انسان منطق کے ذریعے سے زندہ نہیں رہ سکتا، وہ حیاتِ انسانی میں کیف و سرور پیدا نہیں کر سکتا۔ عقبیٰ کی کش مکش کا خیال بھی نہ آنا چاہیئے، ورنہ زندگی ایک شورشِ بے مدعا ہو کر رہ جائے گی اگر مذہب و اخلاق کے خود ساختہ قوانین کو نظر انداز کر دیا جائے،

حقوق و فرائض، محاسن و معاصی کا باہمی امتیاز ہی فنا ہو جاتا ہے جس عمل کو ایک صحیح اور رنگین مذاق انسان کو اخلاص اور بے باکی سے کرنا چاہیے، وہ محاسن میں خود بخود آجاتا ہے۔ معاصی میں صرف وہی اعمال داخل کیے جا سکتے ہیں جو حزن و ملال، بیدلی و بزدلی کے ساتھ کیے جائیں۔ اس صورت میں وہ حسن عمل بھی محال ہو جاتا ہے جو خود ہر عمل کو محاسن میں شامل کر دیتا ہے۔ بے باکی، معاصی کو اعمال صالحہ میں داخل کر دیتی ہے اور بزدلی عموماً اعمال حسنہ کو معصیت بنا دیتی ہے۔ اخلاقی فرائض صرف وہ بے جا ذمہ داریاں ہیں جو ایک کمزور اور بزدل انسان اپنے سر لیتا ہے۔ تمت
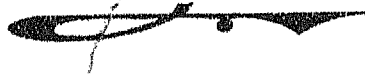
عورت

حقیقی عورت ایک ناقابلِ فہم معمّا ہے۔ وہ کبھی اپنی نسوانیت کو منکشف نہیں کرتی۔ اس کا ہر انداز اس کے حقائق کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ وہ ایک طلسم ہے جسے اُس کا ظاہر اور پُرطلسم بنا دیتا ہے جس راز کو وہ دراصل افشا کرنا چاہتی ہے، اس کو بظاہر پوشیدہ رکھتی ہے، اور جس حقیقت کو وہ ہمیشہ پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے اس کو کبھی کبھی افشا کر دینے میں بھی اسے تامل نہیں ہوتا۔ غرض کہ اس کا باطن وہ نہیں ہوتا جو پوشیدہ رہتا ہے، اور نہ ظاہر وہ ہے جو افشا ہوتا رہتا ہے۔ اس طلسم سے اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مرد اس کی فطرت کو نہ سمجھ سکے، کسی چیز سے متاثر رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اُس سے پورے طور پر باخبر نہ ہونے پائے۔ عورت یہ راز جانتی ہے اس لئے وہ اپنی ہستی کو کبھی کھلنے نہیں دیتی۔

صحیح معنوں میں، عورت وہ ہے جو اپنے ہر انداز سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں لطیف اُمیدیں پیدا کر دے، لیکن اُنھیں اُمیدوں کو ایک اندازِ لطیف سے مایوس بھی کر دے۔ امید و یاس کی انھیں نیرنگیوں میں محبت کرنے والے کی شکست رنگیں اور نسوانیت کی فتحِ لطیف مضمر ہے۔

عورت چاہتی ہے کہ اُس کی نسوانیت ساری کائنات کو مسخّر کر لے، لیکن خود اُس کی نسوانیت محض ایک محبت کرنے والے تک محدود رہنا چاہتی ہے۔ اگر کوئی اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا، جذبۂ نسوانیت مطمئن ہو جاتا ہے۔ لیکن عین اسی عالم میں، عورت کی غیر مطمئن فطرت بغاوت کرتی ہے۔ وہ صرف اسی صورت میں مطمئن ہو سکتی ہے جب اُس کی آنکھوں کے سامنے ساری دنیا اس کی حکمرانی کو تسلیم کرے۔ یہی باعث ہے کہ جذبۂ محبت میں عورت اکثر ایسی کش مکش میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جسے محبت کرنے والا سمجھ نہیں سکتا، اس طلسم کو کبھی وہ تغافل کہتا ہے اور کبھی جور و ستم۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کا یہ انداز نہ تغافل ہے نہ ستم، بلکہ خود اس کی فطرت کی حوصلہ مندیوں سے اس کے جذبۂ مخصوص، یعنی نسوانیت کا ایک تصادم ہے۔ اگر اس کی فطرت نے جذبۂ نسوانیت کو مغلوب کر لیا، وہ حقیقتاً جور و ستم کا ایک مجسمہ بن جاتی ہے۔ دنیا کی ہر عورت میں یہ کش مکش مضمر ہوتی

ہے، لیکن جذبۂ نسوانیت عموماً ایک توازن قائم رکھتا ہے، عورت کی فطری سفاکیوں کو ابھرنے نہیں دیتا۔ لیکن دنیا کی مثالیں ایک مخصوص حیثیت رکھتی ہیں۔ کلیوپیٹرا وہ خطرناک عورت تھی، جس کی نسوانیت اس کی فطرت کے تصادم سے فنا ہو گئی تھی۔ وہ جذبۂ نسوانیت سے ایک حد تک محروم تھی، اس کے حسن کی سفاکیوں نے محبت کرنے والوں کی زندگی کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ برباد کر دیا۔

عورت میں نہ کوئی کششِ روحانی ہے اور نہ سحرِ جسمانی۔ حسنِ نسوانی کائنات کا ایک خوبصورت جھوٹ ہے یا مرد کے شباب کا ایک عکسِ رنگیں۔ اس کی حقیقت عموماً پوشیدہ رہتی ہے، لیکن کبھی کبھی محبت کرنے والے کی مسحور نگاہیں بھی عورت کے وجودِ حقیقی کی کراہتیں دیکھ لیتی ہیں؛ اس کی زندگی کا بدنما رُخ اکثر سامنے آجاتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ محبت کرنے والے کے خیالات میں ہمیشہ جذبات کا مد و جزر رہتا ہے۔

فطرتِ نسوانی کا ہر انداز مرد سے مختلف اور بعض صورتوں میں متضاد ہوتا ہے۔ عورت اگر محبت کرنے والے کو منانا چاہتی ہے، خود روٹھ جاتی ہے۔ اگر اسے سزا دینا چاہتی ہے، خود معذرت کرتی ہے۔ اس کی فطری کمزوریوں نے اسے یہ انداز

سکھلائے ہیں، تاکہ ہر صورت میں کامیاب رہے، وہ مرد کی شکست کا راز جانتی ہے اور اُس کی اُن مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتی ہے جن میں مرد کی ساری بےبسی کا راز پنہاں ہے، فتح نسوانی کا یہ ایک عجیب کرشمہ ہے کہ خود مفتوح کو اپنی شکست میں لطف آتا ہے یہی خصوصیت عورت کی تمام فتوحات کا باعث ہے۔

فطرت نسوانی غور و فکر سے بے نیاز ہے۔ وہ صرف اُس ماضی کی قائل ہے جو حال سے وابستہ ہو، ورنہ وہ محض حال سے متاثر ہوتی ہے، ماضی و مستقبل اس کے لئے کوئی معنیٰ نہیں رکھتے۔ گزری ہوئی زندگی کے نقوش، اگر وہ حال سے بیگانہ ہیں، اُس کے دماغ سے محو ہو جاتے ہیں؛ یہی باعث ہے کہ وہ گزری ہوئی محبت کو محض ایک افسانہ سمجھ کر بآسانی بھول سکتی ہے۔ وہ اپنی زندگی میں کئی بار محبت کر سکتی ہے، اور ان جذبات کے ساتھ گویا وہ اُس کی پہلی محبت ہے۔ لیکن مرد اپنے ماضی کو اپنے ساتھ رکھتا ہے؛ وہی اُس کا سرمایۂ حیات ہے۔ اس کی مایوسیاں اور اس کی حسرتیں اسے ہمیشہ کے لئے اپنے ماضی میں محو کر دیتی ہیں۔ وہ کسی سے دوبارہ محبت نہیں کر سکتا۔ اگر کرتا بھی ہے، وہ محبت نہیں ہوتی۔ ؟؟

حسنِ عُریاں قابلِ برداشت ہو یا نہ ہو، لیکن حقیقتِ عریاں کو

انسانی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، اس لئے کائنات کی تمام حقیقتوں پر ہزاروں پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ انسان سمجھتا ہے کہ ہر پردے میں کوئی رازِ لطیف پنہاں ہے، یہ بھی ایک دھوکا ہے۔ فطرت نے ہر تکلیف دہ حقیقت کو رنگینیوں میں چھپا رکھا ہے ورنہ کائنات کی مصلحتیں رائیگاں ہوجاتیں۔ عورت پر اسی لئے رنگینیوں کے ہزاروں حجابات ڈال دیئے ہیں، کیونکہ وہ کائنات کی اہم ترین حقیقت ہے، اس لئے مہلک ترین بھی۔

عورت کا مرد کی محبت سے متاثر ہوجانا، اور اس اثر کو نہایت لطیف انداز سے ظاہر کرنا، صحیح عصمت وعفت ہے۔ اس اعتراف کشش کی لطافت کو حیا کہتے ہیں۔ حسن کی بے باکیاں، حجاب کو حجابِ رنگیں اور حیا کو حیاءِ لطیف بنا دیتی ہیں۔ عفتِ گستاخ کا ہر ایک انداز جن کو رنگینیوں میں محو کر دیتا ہے۔ اگر بے باکیوں کی جھلک نہ ہو، تو شرم وحیا قابلِ نفرت ہوجائے۔ حجابِ نسوانی میں یہ مضمر ہے، کہ عورت اپنے حسن وکشش کا پورا احساس رکھتی ہے، خود اپنی سحر کاریوں کا تماشا دیکھنا چاہتی ہے، لیکن رموزِ حسن کو عریاں کرنا نہیں چاہتی، اس لئے وہ حجاب وتغافل کا پردہ رنگیں ڈالنا چاہتی ہے۔

یہ مسئلہ ہے کہ تخلیق کائنات میں عورت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا

تھا مقصدِ تخلیق صرف آدم تھے۔ حوّا کو ان مراحل سے کوئی تعلق نہیں جنھوں نے مقصدِ خلافت کی تکمیل کی۔ مرد ایک ہستی مطلق ہے، لیکن عورت محض ایک وجودِ اضافی۔ البتہ دنیا میں آنے کا سبب صرف عورت ہوئی عورت کی یہ فطرت ہے کہ جس امر کی ممانعت کی جائے، اس کی طرف لامحالہ دوڑتی ہے۔ شجرِ ممنوع کی طرف پہلا قدم حوّا نے بڑھایا ہوگا۔ آدم کی محبت نے اُنھیں مجبور کر دیا کہ حوّا پر نافرمانی کا الزام اور اُس کی سزا عائد نہ ہو۔ اسی لئے انھوں نے ارتکابِ جرم میں تعجیل کی۔ شیطان علم النفس کا ماہر ہے۔ اس نے عورت کی نفسیات سے باخبر ہو کر شجرِ ممنوعہ کی ترغیب دی ہوگی۔ وہ جانتا تھا کہ عورت کو گمراہ کر دینے سے مرد خود بخود گمراہ ہو جائے گا۔ لیکن وہ گمراہیاں جن کی ذمہ دار حسنِ نسوانی کی لطافتیں ہوں، اُن ہدایتوں سے بہتر ہیں جو بد مذاق انسانوں کے وعظ و تلقین سے حاصل ہو سکیں۔

بظاہر محبت کو ریاکاری سے کوئی تعلق نہیں۔ مرد کی دیوانہ وار محبت میں، ریاکاری درکنار، معاشرت کے آدابِ ظاہری کے برتنے کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ اس کا جنون ہی اس کا سرمایۂ محبت ہے لیکن عورت حصولِ مقصد کے لئے اپنی فطرت سے ہمیشہ فائدہ اٹھانا چاہتی ہے، حتیٰ کہ محبت کے ایسے خود فراموش جذبے میں وہ اپنی فطری ریاکاری کا دامن نہیں چھوڑتی۔ اس کی محویت پر بھی اُس کی فطرت

غالب رہتی ہے۔ عورت کے تمام ذرائع جن سے محبت کے مقاصد کی تکمیل ہوسکے، اس کی بے ہوشی میں وہی ہوتے ہیں جو ہوش و حواس کے عالم میں اُس کے ہر خیال اور ہر عمل کے معاون ہیں۔ محبت کی دیوانگی میں اس کی اضطراری حرکتیں بھی مکر و فریب کے سائے میں رہتی ہیں۔ وہ اپنے محبوب کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش اس انداز سے کرتی ہے کہ انجام لامحالہ اس کا پابند ہو جائے۔ مکر و فریب کے ذریعے سے حصولِ مقصد جائز ہو یا نہ ہو، لیکن محبت کی کامیابیوں کے لئے ذرائع کی معصومیت کی کوئی قید نہیں۔ انجام نیک کے لئے ہر تدبیر جائز ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عورت کی یہ فریب کاریاں اسے شریعِ محبت کی مجرم بنا دیتی ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ہر عورت کی محبت میں ایک سلیقہ شعار وارفتگی تھی، اور ہر مجنوں میں ایک مجنونیتِ مہلک۔ یہ بھی فطرت کی اہم ترین مصلحت ہے ورنہ دو بے ہوش محبت کرنے والوں کے ہاتھ سے دنیا کا شیرازہ ایک لمحہ میں بکھر جاتا۔ ہمیشہ ہر مجنوں کی بے ہوشیوں کی تلافی ہر لیلیٰ کے ہوش و حواس نے کی ہے۔
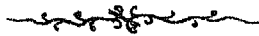
وہ شکست جو دل فریبیوں سے معمور ہو، اُس فتح سے برگزیدہ تر ہے جو لطافتوں سے محروم رہے۔ حسن، محبت کو ایسی ہی شکست دیتا ہے عورت کی فتوحات کا باعث اُس کی قوتیں نہیں، بلکہ اُس کی وہ دلفریب کمزوریاں ہیں جن سے مرد خود مفتوح ہو جانا چاہتا ہے۔ مرد کی شکست

کا راز خود اس کے ذوقِ شکست میں مضمر ہے۔ عورت صرف اس صورت میں فاتح بننا چاہتی ہے جب وہ دیکھتی ہے کہ مرد طالب شکست ہے اس کے جور و تغافل کا یہی باعث ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ سمجھ لیتی ہے کہ اس کا محبوب شکستوں سے محفوظ رہنا چاہتا ہے، وہ خود مفتوح بن جاتی ہے، اور یہ کوشش کرتی ہے کہ اُس کا محبوب فاتح بن کر اُس کو ابدی شکست دے۔ اس صورت میں اس کی تمکنت، نیاز سے بدل جاتی ہے اور اس کا غرور نسوانی، عجز و انکسار سے،

اگر کوئی دنیا کے تکلیف دہ حقائق اور زندگی کی خطرناک واقعیت سے عاجز آگیا ہو، اُسے فوراً حسنِ نسوانی کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔ اگر حقائق کے اعتبار سے دیکھا جائے، عورت کی کوئی مستقل ہستی ہی نہیں وہ دنیا کا بہترین دھوکا ہے اس لیے خطرناک ترین بھی۔ لیکن اس کے خطرات حقائق کے خطرات سے لطیف تر ہوتے ہیں، اس لئے فطرتِ انسانی اُنھیں آسانی سے برداشت کر سکتی ہے۔ سب سے زیادہ گمراہ تو وہ انسان ہے جو عورت کو حقیقت سمجھ کر اُس کی طرف جھکتا ہے۔ ناکام وہی انسان ہوتا ہے جو غلط فہمی میں مبتلا رہ کر عورت سے محبت کرتا ہے۔ محبت محض ایک افسونِ شباب ہے اور عورت محض ایک فریبِ حیات۔ یہ دونوں طلسمِ زندگی کو غیر دلچسپ واقعیت سے محفوظ کر دیتے ہیں، اور یہی اُن کی اصل خوبی ہے ورنہ محبت بھی دھوکا ہے اور عورت بھی۔ محبت عورت کے

حقیقت آشنا بنا دیتی ہے۔ بے وقوف انسان اس جملہ کا مفہوم یہ سمجھتا ہے کہ حسن و محبت ہی میں حقیقتیں مضمر ہیں۔ یہ کسی حیثیت سے صحیح نہیں۔ بلکہ صحیح مفہوم بالکل اس کے برعکس ہے۔ چوں کہ حسن و محبت زندگی کا سب سے بڑا دھوکا ہے، اس لئے جو انسان اس دور سے گزر کر صحیح دل و دماغ لے کر نکل آیا، اُسے دنیا کا کوئی فریب گرفتار نہیں کر سکتا۔ اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اس کے احساسات بیدار ہو جاتے ہیں، لیکن یہ بیداریاں کامیابی سے نہیں، بلکہ محبتِ ناکام سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ ایک کامیاب محبت جس میں انسان کو یاس و ناکامی اور کشاکش و کش مکش کی منزلیں درپیش نہ آئی ہوں اور مسلسل اُسے نشاط و سرور کی کیفیتیں میسر رہی ہوں اُس کے دل و دماغ کو ہمیشہ کے لئے مسحور اور حقائق سے بے خبر کر دیتی ہے۔ پھر اُس کے لئے کوئی امید نہیں، وہ ابد تک حقائق سے محروم رہے گا۔

بیوی

بعض ناعاقبت اندیش بیوی میں بھی غیر معمولی حسن چاہتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ حسن اس وقت تک حسن رہتا ہے جب تک وہ ایک لطیف معما رہے۔ بیوی کی زندگی واقعات کی کش مکش میں اس طرح اُلجھتی ہے کہ حسن کی افسانویت قطعاً فنا ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ تمنا کہ بیوی حسین ہو درحقیقت حسن کی توہین ہے۔ اس تمنا کا مفہوم، دوسرے الفاظ میں، یہ ہے کہ حسن کی عظمت روزمرہ کی زندگی سے ٹکرا کر برباد ہو جائے۔ حسین

بیوی محض محبوب بن کر رہنا چاہتی ہے - وہ زندگی کی کش مکش میں نیازمندانہ شرکت نہیں کر سکتی ۔ اس کے حسن کی رنگینیاں فرائض زوجیت کی قباحتوں سے بغاوت کرتی ہیں - یہ صورت ہر حیثیت سے خطرناک ہے -

تلوّن

تلون، ذہانت اور وسعت خیال کا لازمی نتیجہ ہے - یکسوئی اور استقلال خواہ وہ خیالات میں ہو یا اعمال میں، ذہنی اور دماغی اضمحلال کا ثبوت ہے محض تنگ نظری اور بد مذاقی، استقلال اور یک رنگی کی ذمہ دار ہیں - ذہانت، تنوع پسند اور تغیر پسند ہو سکتی ہے - وہ وسعت نظر اور وسعت عمل دونوں چاہتی ہے - اس سے استقلال کی امید رکھنا اس کی اہانت کرنا ہے - تنگ نظری انسان کو مجبور کرتی ہے کہ ایک محدود فضا میں وہ ہمیشہ کے لئے مقید ہو جائے - ایک تنگ نظر اور تنگ حوصلہ انسان مستقل مزاج بھی رہ سکتا ہے اور مستقل عمل بھی - اس کی بزدلی تغیرات کو برداشت نہیں کر سکتی - لیکن ذہانت کے سامنے ہزاروں راستے ہوتے ہیں - وہ قطعی طور پر غیر ذمہ دار ہے - وہ نہ کسی قانون کی قائل ہے اور نہ کسی بندش کی - وہ جانتی ہے کہ دنیا کا ہر قانون ناجائز ہے اور ہر بندش بے جا -

وفا

وفا شعاری، احساس حیات اور جذبہ حسن پرستی کے اضمحلال کا

نام ہے۔ البتہ اگر حسن محبت نواز ہے، وفا جائز ہو سکتی ہے۔ لیکن محبوب کی بے نیازیوں اور بے پروائیوں پر اپنی زندگی کو قربان کر دینا خودکشی کرنی ہے۔ محبت کا سب سے بڑا جرم ارتکاب وفا ہے غالب نے اسی بنا پر "وفا کیسی، کہاں کا عشق ......" کہا تھا۔

شباب

شباب انسانیت کے خلاف ایک علم بغاوت ہے۔ وہ ایک حقیقت کی طرف واپس جانا چاہتا ہے، شیطنت ہو یا فرشتگی۔ اس لئے وہ ان قوانین اور ان قیود کو توڑتا ہے جو انسانوں نے اپنے اوپر تحفظ انسانیت کے لئے عائد کئے ہیں۔ ان قوانین کے ذریعے سے انسان چاہتا ہے کہ ہمیشہ انسان رہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ خود ارتقائے نفسی کی راہ میں ان قیود سے رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ شباب ان حقیقتوں کو سمجھتا ہے اور ان قیود کو توڑنا چاہتا ہے۔ شباب اگر اس قدر جلد جلد فانی نہ ہو جایا کرتا، ہر اولوالعزم انسان انسان نہ رہتے۔ انسانیت سے بلند تر منازل پر پہنچ چکے ہوتے۔ لیکن کائنات کی مصلحتیں یہ نہیں چاہتیں، اس لئے خدا نے دورِ شباب کو مختصر اور زوال پذیر کر دیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ایک معین زمانے تک نظامِ عالم کو قائم رکھے۔ جب اسے اختتامِ عالم منظور ہوگا، تمام حقیقتیں خود بخود انسان پر واضح ہو جائیں گی۔ قیامت اس وقت برپا ہوگی جب ہر انسان پر اس کی انسانیت کا راز افشا ہو جائے گا۔

جھوٹ

ایک لطیف جھوٹ حسنِ خیال اور لطافت اظہار پیدا کر دیتا ہے لیکن وہ جھوٹ کبھی لطیف نہیں ہو سکتا جو ضرورتاً بولا جائے۔ راست گوئی گفتگو کو دلاویز نہیں بنا سکتی، اس لئے کہ ہر اخلاقی فرض دل فریبیوں کا دشمن ہوتا ہے۔ دروغ گوئی اس لئے اور بھی دل فریب ہوتی ہے کہ سچ کی طرح اُسے واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

صوفی

صوفی کی بد مذاقیاں اس کی فریب کاریوں میں بھی نمایاں ہیں۔ اس کی لذت پرستیاں کوئی حیلہ چاہتی تھیں۔ اُس میں اس قدر جرائت نہ تھی کہ بے باکانہ انداز سے حسن کی پرستش کرتا۔ اس لئے اس نے مذہب کے پردے میں پناہ لی، اور اپنی حیلہ سازیوں کو "طریقت" سے تعبیر کیا۔ اگر وہ فطرتاً بزدل اور بد مذاق نہ ہوتا، اُسے مذہب سے زیادہ دل فریب حیلہ مل سکتا تھا۔ لیکن اس کی بدبختیاں اُسے ہر قدم پر گمراہ کرتی رہیں وہ اُن ذرائع سے اور اُن مظاہر میں حسن کا متلاشی ہے جو ہر حیثیت سے حسن و لطافت سے بیگانہ ہیں۔ وہ حقیقت کو عمر بھر مجاز سمجھتا رہا۔ اس کی ناکامیوں کا یہی ایک راز ہے۔

لذت پرست انسان، جس کو فطرت نے حسنِ خیال اور حسنِ عمل

سے محروم کر دیا ہے ، جس میں نہ ذوقِ گناہ ہے اور نہ جراتِ ارتکاب ، لیکن اس کے ساتھ ہی غیر دل چسپ گناہوں سے بھی مانوس رہنا چاہتا ہے ، وہ مجبوراً تصوف کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔ تصوف خیالات کا ایک انداز لطیف تھا جس کو پیشہ ور صوفیوں نے رکاکتِ خیال اور کثافتِ عمل سے ہمیشہ کے لئے رسوا کر دیا ۔

بے نیازی

صرف شانِ بے نیازی انسان کے لئے حقیقی مسرت کا باعث ہو سکتی ہے ۔ امید محض فریبِ یاس ہے ، مایوسی محض ابتذالِ امید لیکن بے نیازی خیالات کا دلاویز ترین انداز ہے ۔ اس سے جب رنگینیاں مل جاتی ہیں ، انسان میں صحیح حسن پرستی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے ندرتِ خیال کے ساتھ ہی بے نیازی ، انتہائی ذہانت اور ذوقِ تفریح سے مل کر ظرافت بن جاتی ہے ۔ ان تمام صورتوں میں وہ انسان کو اُن خطرات سے محفوظ رکھتی ہے جو امید و یاس کی کش مکش میں مضمر ہیں ۔ محبت کرنے والے کی فطرت میں بھی اگر بے نیازی کی جھلک ہو ، اس کا تخیل بے کار اور اس کی رنگینیاں برباد نہیں ہو سکتیں ۔ محبت میں انہماک مہلک خود بخود محبت کی رنگینیوں کو فنا کر دیتا ہے ۔ محبوب کی بے نیازی اگر خود محبت کرنے والے میں پیدا ہو جائے ، اُنس و محبت کی تمام مصیبتیں مسرتوں سے بدل جائیں ۔

دعا

سب سہی ناکام، دعا بِرمقبول سے برگزیدہ تر ہے۔ کوششوں میں عظمتِ انسانی مضمر ہے، لیکن دعا انسانیت کا اعلانِ شکست ہے جس کے ذریعے سے انسانی مجبوریوں کا راز اُن فرشتوں پر بھی منکشف ہو جاتا ہے جو کسی طرح اس انکشاف کے اہل نہیں۔ دست بدعا ہونا کارکنانِ قضا و قدر کے سامنے اپنی بے بسی اور ناچارگی کا اعتراف کرنا ہے۔ انسانی رسوائیوں کی ذمہ دار آدم کی نافرمانیاں نہیں، بلکہ وہ بے تابیاں ہیں جنھوں نے اُن کو دعا کی ترغیب دی تھی۔ آدم اگر استقلال کے ساتھ اپنی سرتابیوں پر قائم رہتے، فرشتے بھی اُن کی عظمت کو تسلیم کر لیتے اور شیطان بھی قائل ہو جاتا۔ یہ صحیح ہے کہ خدا نے آدم کی گریہ و زاری سے متاثر ہو کر اُن کی لغزشوں کو نظر انداز کر دیا، لیکن اس کے نتائج دنیا والوں کے لئے قابلِ فخر ہرگز نہیں۔ ایک خود دار انسان اس شکست کو جو خود اس کی جد و جہد کا نتیجہ ہو، اُس فتح سے بہتر سمجھتا ہے جو اربابِ قضا و قدر کی امداد سے اُسے حاصل ہو سکے۔ شیطان آج انسان کی انھیں کامیابیوں پر ہنستا ہے۔

انسان کی سب دعائیں اگر مقبول ہو جائیں، اُس کی شخصیت برباد ہو جائے۔ جس ہستی کو خدا برگزیدہ بنانا چاہتا ہے، اُس کی دعاؤں کو ہمیشہ ناکام رکھتا ہے، صرف اس غرض سے کہ اُس کی ناچارانہ خدا پرستی

اُس کی خود پرستی اور خود داری کو برباد نہ کر سکے - اس کے علاوہ
قدرت کی ستم ظریفیوں سے اکثر دعاؤں کے نتائج خطرناک ہوجاتے
ہیں - اربابِ حل وعقد جب یہ دیکھتے ہیں، کہ انسان بے مایہ و ناچار
ہوگیا، اُن کا ذوقِ تفریح اُبھر آتا ہے - وہ انسانی بے بسی کا تماشا
دیکھنا چاہتے ہیں - اکثر دعا کرنے والے کو وہ اس طرح مایوس کرتے ہیں
کہ وہ ہمیشہ کے لئے دعاؤں سے خائف ہوجاتا ہے - پھر اُس کی
دست گیری کے لئے نہ کوششیں باقی رہتی ہیں اور نہ دعائیں - خدا کے
فرشتے اُس کی اس ناچارگی پر مسرور ہوتے ہیں، اور محض انتقاماً انہیں
وہ دن یاد آتا ہے جب انسان کو اُن پر، نیابتِ الٰہی کے لئے ترجیح
دی گئی تھی - انسان کی دیرینہ عظمت اُس سے متقاضی ہے کہ محض
فرشتوں کی ضد میں وہ دعا سے باز رہے - سہ

آنسو

آنسو نہایت قیمتی چیز ہے ، انسان اُسے رائیگاں نہ ہونے
دے - ہنسی ایک غیر ذمہ دار حرکت ہے ، جب چاہے اور جس طرح
چاہے ہنسے - لیکن رونے میں انتہائی احتیاط برتنی چاہئے ، ورنہ
پشیمانی ہوتی ہے : معمولی واقعات پر ہمیشہ ہنسے اور بڑے واقعات
پر ہمیشہ روئے ، عام اس سے کہ وہ مسرت انگیز ہوں یا مصیبت
آمیز -

انسان

شیطان اور فرشتے کے درمیان، انسان محض ایک بزدلانہ اور ریاکارانہ صلح ہے، جس کی خود کوئی مستقل ہستی نہیں۔ وہ نہ حق ہے اور نہ باطل۔ اس کا وجود ایک فریب کائنات ہے۔ اس کی ہستی فطرت کی اُس بزدلی کا نتیجہ ہے جس نے فرشتے اور شیطان دونوں سے عاجز آکر ایک بیکرا اعتدال پیدا کر دیا۔ اعتدال اصل میں شکستِ حق ہے اور فتحِ باطل۔ انسان کی حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ جب شیطان کی سرکشی کامیاب ہوئی، کائناتِ ازلی نے اس کی ایک مستقل ہستی تسلیم کر لی، فرشتگی اور شیطنت کو ملا کر ایک تیسری مخلوق پیدا کی جس کا نام انسان رکھا گیا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تخلیقِ انسانی کا باعث محض بغاوتِ شیطانی تھی۔ خدا کو اس بغاوت کا علم تھا، اس لئے احتیاطاً آدم کی تخلیق کر دی گئی تھی۔ شیطان کو بغاوت کا ایک حیلہ مل گیا، بلکہ خود کارکنانِ قضا و قدر نے اُسے حیلہ بغاوت دے دیا، ورنہ بہت ممکن تھا کہ وہ خود قوت ازلی کے سجدے سے کسی دن انکار کر دیتا۔ بظاہر اس کا کوئی موقع نہ تھا کہ آدم اس دنیا میں آتے۔ قدرت نے انھیں مامور کیا تھا کہ وہ احکامِ الٰہی کی نافرمانی کریں۔ شیطان کی نافرمانی کا خمیازہ آدم کو محض اس بنا پر برداشت کرنا پڑا کہ ان کا وجود ہی ان مصلحتوں کا نتیجہ تھا۔ اس لئے

سب سے پہلی سزا ان کو اس جرم کی دی گئی، جس کے ذمہ دار وہ خود نہ تھے۔

محبت

محبت نام ہے چند احمقانہ اعتبارات اور چند طفلانہ بے اعتباریوں کا

محبت کرنے والا چاہتا ہے کہ محبوب کی زندگی کو بھی، اپنی زندگی کی طرح، تباہ کر دے۔ محبوب خود بھی اپنی بربادیوں میں معین ہو جاتا ہے اس حیثیت سے، محبت مہلک ترین نفرت ہے۔ وہ شخص جس سے براہ راست نفرت کی جائے اپنی ہستی کے تحفظ کے لئے کوشش کرتا ہے لیکن محبت کی ریاکاریاں انسان کو خود اپنی ہلاکتوں پر مجبور کر دیتی ہیں بہر حال خطرۂ رنگیں، تحفظِ خشک سے ہر طرح قابلِ ترجیح ہے۔
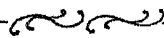
ہر وہ دل جو حسن سے متاثر ہوتا رہتا ہو، خود اپنی ہستی سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس کی انفرادیت کا اضمحلال اس کا باعث ہے کہ اسے دوسری ہستیاں اپنے وجود سے اہم تر نظر آتی ہیں۔ رفتہ رفتہ جذباتِ محبت کسی خاص محبوب کے محتاج نہیں رہتے، بلکہ ایک جذبۂ مخصوص طاری ہو جاتا ہے، حسن سے محبت کرنے والے کی انفرادیت بڑھتی جاتی ہے۔ اس طرح ایک تربیت پذیر دل، محبت کے تمام مدارج

طے کرتا ہوا، اُس منزل پر پہنچ جاتا ہے جو منتہائے شخصیت ہے، اسی حیثیت سے محبت، تکمیلِ حیات کا بہترین ذریعہ ہے۔

فلسفی اور شاعر

فلسفی دنیا کے ہر واقعے سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوتا ہے یہی اس کی ناکامیوں کا حقیقی راز ہے۔ وہ ہر ظاہر کا ایک باطن تلاش کرتا ہے، حالانکہ دنیا میں ہزاروں پردے ایسے ہیں جن کے اندر کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں۔ فطرت کا یہ محض فریب ہے کہ انسان کو اُن رموز کا متلاشی بنا دے جن کا وجود ہی نہیں۔ جو سب سے زیادہ اس فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ فلسفی کہلاتا ہے، اور اس کی متجسانہ حماقتیں، فلسفہ صحیح فلسفہ وہ ہے جو انسان کو اپنی ان افسوسناک حماقتوں کا معترف بنا دے۔

شاعر اس لطیف نکتے سے واقف ہے، کہ کائنات کی اگر کوئی حقیقت ہے، وہ محض پردے کی رنگینیوں میں مضمر ہے۔ وہ انھیں دل فریبیوں میں محو ہو جاتا ہے، لیکن کبھی پردے کو اُلٹنا نہیں چاہتا۔ وہ جانتا ہے کہ نقاب خود ہی حسنِ کائنات ہے، زیرِ نقاب کچھ نہیں۔

تبسّم

انسان کی ہنسی اُس کی فطرت کا آئینہ ہے، اگر ہنسی جھوٹی نہ ہو۔

لیکن بعض لوگوں کو فطرت نے اس نُطق لطیف سے محروم رکھا ہے، وہ صحیح طور پر ہنس ہی نہیں سکتے۔ جس ہنسی میں ترنّم نہ ہو، وہ ہنسی نہیں، محض صوتِ حیوانی ہے۔ جس میں دل فریبیاں اور دل آویزیاں نہ ہوں وہ تبسم نہیں، لبوں کی محض ایک حرکت بے جا ہے۔ دنیا میں بہت سے انسان ایسے ہیں جن کا تبسم آنکھوں کے لئے ایک مستقل سزا ہوتی ہے فطری خباثت کا وہ محض ایک اظہار رہتا ہے جس سے طبیعت کی تمام شقاوتیں اسی طرح روشن ہو جاتی ہیں جس طرح ایک تبسم رنگیں سے حسن کے تمام محاسنِ لطیف۔

حُسن ایک راز ہے، اور خود اس کا تبسم اس کا انکشاف۔ لیکن اس نطقِ لطیف کے لئے محبت کا سامعۂ لطیف چاہیئے۔ ناآشنائے راز کو یہ تبسم محض ایک طلسم نظر آتا ہے جس سے حُسن پر دل فریبیوں کے ہزاروں حجابات پڑ جاتے ہیں، اور ہر پردہ رموزِ حسن کو اور زیادہ ناقابل انکشاف بنا دیتا ہے۔ مگر محبت کی باخبر نگاہوں کے لئے تبسم حسن کا ہر انداز اس کی حقیقتوں کی ایک تفسیر ہو جاتا ہے، اور اس کا ہر حجاب ایک "پردہ راز"۔

ماضی و حال

عہد ماضی کی ناکام تمنائیں بھی حال کی مسرتوں سے لطیف تر ہوتی ہیں۔ ہر گزری ہوئی یاد میں ایک کشش ہے، صرف اس لئے کہ وہ

گزر چکی۔ اس میں ایک لطیف افسانویت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن حال کی حسرتیں واقعیت سے اس قدر لبریز ہوتی ہیں کہ تخیل کی رنگینیاں پورے طور پر اُبھرنے نہیں پاتیں۔ ایک لطیف خواب صرف اس لئے واقعات سے لطیف تر ہوتا ہے کہ اس میں ایک کرشمۂ راز ہے یا محال واقعیت۔
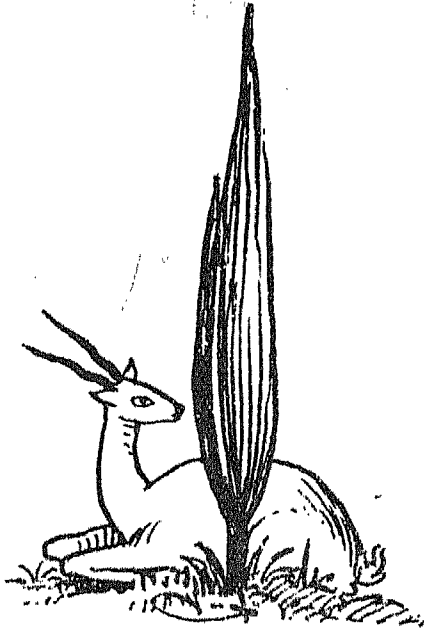
طاری ہوگئی - ایک فرشتہ بھی ایسا نہ تھا جو سراسیمہ نہ ہوگیا ہو۔
میکائیل - یہ میں نے بھی دیکھا کہ ہر شخص برہنہ تھا۔ برہنہ ہم لوگ بھی ہیں مگر ایسے نہیں۔ وہ لوگ تو اس قدر بے حس ہیں کہ اُنھیں اپنی برہنگی کا بھی ہوش نہیں۔ مگر میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں میں نے تقسیم رزق میں ضروریات کے متعلق کبھی کوئی بخل نہیں کیا۔
اسرافیل - برہنگی سے مجھے بحث نہیں۔ میں تو اُن چہروں کا تذکرہ کر رہا ہوں جن پر انسانی بداعمالیاں جھلک رہی تھیں۔ میری نگاہیں کسی طرح اُن کی متحمل نہ ہو سکیں۔
جبرائیل - انسانوں کو تم نے آج دیکھا ہے میں ہزاروں بار دیکھ چکا ہوں مجھے آج اُن کی صورت میں کوئی خاص تغیر نظر نہیں آتا۔
اسرافیل - یہ میں تسلیم نہیں کرسکتا کہ انسان کو آج میں نے پہلی بار دیکھا ہے جس دن اُس کی تخلیق ہوئی اور اس سے پیمان وفا لیا گیا۔ میں نے اُسے اُس دن بھی دیکھا تھا اور نہایت غور سے - غور سے اس لئے کہ اُس کی وہ عظمت دریافت کرسکوں جس کی بنا پر اُسے دنیا میں نیابت الٰہی سپرد کی گئی تھی۔ اُس دن بھی مجھے کوئی ایسی خصوصیت نظر نہ آئی جو اُسے فرشتوں سے ممتاز کرسکتی۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُس کا چہرہ معصوم تھا۔ اُس پر آج کی سی وحشت اور حیوانیت نہ تھی۔

عزرائیل ۔ میں آج تک یہ نہ سمجھ سکا کہ انسان میں وہ کون سی خصوصیت تھی جس نے اُسے نیابتِ الٰہی کا مستحق بنا دیا۔ آدم یہاں جس طریقے سے رہے وہ ظاہر ہے۔ رہی اُن کی دنیاوی زندگی۔ وہ بھی کوئی راز نہیں۔ دنیا میں قدم رکھتے ہی انسان میں وہ تمکنت پیدا ہوگئی جس نے اس کی معصومانہ دلآویزیوں کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا مجھے تو نہ اُس کی صورت میں کوئی خصوصیت نظر آئی اور نہ سیرت میں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک لایعنی ہستی تھی جس کا فنا ہو جانا ہی بہتر تھا۔ وہ صرف اس قابل تھا کہ اس کی روح سلب کر لی جائے اس کا کوئی دوسرا مصرف ہی نہ تھا۔

جبرائیل ۔ آدم کو اپنی حقیقی عظمت کا احساس اس وقت ہوا جب کارکنانِ قضاوقدر نے اُن کی شخصیت کا اعتراف کرکے دنیا کی حکمرانی اُن کے سپرد کر دی اسی وقت سے انسان میں ایک قسم کی خودداری پیدا ہوگئی ہے اس لئے انسانی چہرے کی عصمت تمکنت سے بدل گئی۔ تم اُسے حیوانیت کہتے ہو لیکن میں محرمِ راز ہوں میں خودداری کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ کثیف گناہوں نے اکثروں کی صورتیں مسخ کر دی ہیں ورنہ انسان عام طور پر قبیح صورت نہیں۔ یہ محض تعصب ہے کہ تم اُس کی عظمت کے قائل نہیں۔ اس کی خودداری کو فرعونیت کہتے ہو۔

عزرائیل ۔ انسان کو مجھ سے زیادہ تم نہیں جانتے۔ تم صرف چند برگزیدہ

انسانوں سے ملے ہو۔ اس لئے تم کوئی صحیح رائے قائم نہیں کرسکتے
میں ہر انسان سے ملا ہوں اُس کی حیوانیت کا اندازہ مجھ سے
زیادہ کوئی نہیں کرسکتا۔ وہ اس قدر مغرور تھا کہ اس نے کبھی
میری ہستی تسلیم نہیں کی۔ اُس کی زندگی کے آخری لمحوں تک اس کا
غرور قائم رہتا تھا اگر وہ موت کا قائل بھی ہوتا تھا تو یہ سمجھتا تھا کہ
مرنا اُس کا حق ہے لیکن اُس نے کبھی یہ تسلیم نہیں کیا کہ مرنا اس کا فرض
بھی ہے اور مجھے اس کا حق ہے کہ میں اس کی جان لے لوں۔ اُس نے
کبھی میرے اس حق کو نہیں مانا۔ یہ محض فرعونیت اور حیوانیت
ہے اسے خود داری ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

میکائیل۔ میں بھی دنیا میں روز جاتا تھا میں انسان کا کافی تجربہ رکھتا ہوں
وہ فطرتاً حریص اور طامع تھا۔ اُس کی چالاکیوں کی کوئی انتہا نہ تھی
میں مختلف طریقوں سے اُسے رزق دیا کرتا تھا عام اس سے کہ
وہ طریقے صحیح ہوں یا غلط لیکن وہ میرے تمام ذرائع کو خود اپنی ہی
ذہانت کا نتیجہ سمجھتا رہا، وہ اس قدر برخود غلط تھا کہ اُس نے
کبھی اپنی ہستی کو ناچارِ محض تسلیم نہیں کیا۔ کیا یہ کفرانِ نعمت نہیں کہ
وہ میری ہی دی ہوئی دولت کے ذریعہ سے اپنی قوتوں کو میرے
خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اگر جبرائیل اسی کو خودداری کہتے
ہیں تو مجھے اُن سے قطعاً اختلاف ہے۔

جبرائیل۔ انسان میں قوتِ ارادی اور قوتِ عمل دونوں ودیعت کی

حالِ دیگر از زبانِ خویش خوش است
تخیل ترا قلم ترا

گئی تھیں وہ اس کا مجاز تھا کہ انھیں اپنے فوائد کے لئے استعمال کرے تم لوگ انسان کے ہر عمل کو فہرست جرائم میں داخل کرنا چاہتے ہو۔ یہ صریحی ناانصافی ہے۔ کم از کم فرشتوں کو یہ نہ چاہئے کہ واقعات انسانی کی توضیح و تشریح میں افراط و تفریط کو جائز رکھیں۔

عزرائیل۔ آپ اس طرح فرشتوں کو نصیحت کر رہے ہیں گویا آپ خود فرشتہ نہیں، انسان سے اس قدر مرعوب ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ دنیا کے ساتھ آج اس کی نیابت بھی ختم ہو گئی۔ اب تو اس کی وہ اہمیت بھی باقی نہیں رہی جس کی وجہ سے ہم لوگ آج تک خاموش رہے۔

جبرائیل۔ فرشتہ میں بھی ہوں لیکن تم سب سے زیادہ مشیت ایزدی سے باخبر ہوں۔ دنیاوی نظام کو سمجھتا ہوں انسانی کش مکش سے واقف ہوں اور اُن مجبوریوں سے بھی جو انسان کو نیک معاش اور بدمعاش بنا دیتی تھیں۔ اس لئے مجھے اُس سے ہمدردی ہے میں نہیں چاہتا کہ تعصبات بے جا فرشتوں کے دل و دماغ پر غالب آجائیں انھیں ذاتیات کو دخل نہ دینا چاہئے۔

عزرائیل۔ ہماری عصمت نے ہم کو ہمیشہ غیر معصوم انسانوں سے ممتاز رکھا اس لئے ہمارے لئے نہ حسد و رشک کا کوئی موقع ہے اور نہ ذاتیات کا کوئی پہلو۔

جبرائیل ۔ انسان نیابت الٰہی کا سرمایہ دار ہے اس کی دیرینہ عظمت کی
روشن ترین دلیل یہی ہے کہ سب سے بڑا فرشتہ اُس کی
شخصیت پر ہمیشہ کے لئے قربان کر دیا گیا ۔ تم سب ایک بار
اُس کو سجدہ کر چکے ہو ۔ تمہارے احساسات کو اُس کے سجدہ
سے صدمہ پہنچا ہوگا ۔ تمہارے تعصبات کا باعث شاید یہی ہے

اسرافیل ۔ یہ امر افسوس ناک ہے کہ انسان کے متعلق فرشتوں میں بھی
اس قدر اختلاف پیدا ہو گیا ۔ مجھے اس کی ہستی سے کبھی کوئی سروکار
نہیں رہا ۔ اس لئے اس کے واقعات سے بھی مجھے کوئی تعلق نہیں
البتہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اُس کی اس سراسیگی اور وحشت کا باعث
کیا ہے جو آج اُس کے سراندازسے نمایاں ہے ۔

میکائیل ۔ انسان حریص ترین مخلوق ہے ۔ جب تک وہ دنیا میں رہا
اُس نے تلاش معاش میں ہر طرح کی بداخلاقیاں کیں ۔ اگر وہ کامیاب
ہوتا تھا تو یہ سمجھتا تھا کہ کارکنان قضا و قدر کو اس نے ہمیشہ کے لئے
شکست دیدی اگر افلاس و غربت کے ذریعے سے اُسے پابند کرنے
کی کوشش کی جاتی تھی وہ مجھ پر بخل و تہی مائگی کا الزام رکھتا تھا
وہ سمجھتا تھا کہ اسے ہر جرم کے ارتکاب کا حق حاصل تھا ۔ اُس کی
دنیاوی زندگی تمامتر حرص و طمع پر منحصر تھی، اگر اُس نے کبھی مذہبی
اور اخلاقی فرائض کی طرف توجہ کی تو وہ بھی محض اجر و جزا کی
حرص میں ۔ یہی نہیں بلکہ جس قدر زیادہ وہ مذہب کی طرف جھکتا تھا

اُسی تناسب سے اُس کی حرص میں اضافہ ہوتا تھا۔ بہر حال
اُس کی آج کی سراسیمگی اُس کی گنہگار زندگی کا خمیازہ ہے۔
عزرائیل۔ یہ مسلمہ ہے کہ انسان کی تمام عمر مکاریوں اور حیلہ سازیوں میں
گزری۔ لیکن وہ اس قدر ہوشیار رہے کہ جب کبھی مجھے دیکھتا تھا
فوراً توبہ و استغفار میں محو ہو جاتا تھا میں نے اکثر اس کی کوشش
کی کہ اُس کو مع اُس کے گناہوں کے دفعتاً دنیا سے اٹھا لوں تا کہ
اُسے اپنی بدکرداریوں سے تائب ہونے کا موقع نہ مل سکے لیکن
اُس نے بارہا مجھے شکست دی تاہم اُس کی بداعمالیوں کی جو شکنیں
اُس کے چہرے پر پڑ چکی تھیں وہ کبھی مٹ نہیں سکتیں۔
اسرافیل۔ کیا ہر انسان بداعمالیوں میں مبتلا رہا۔
عزرائیل۔ صرف وہ چند منتخب ہستیاں پاک رہیں جن پر فرشتوں کی عصمت
سایہ گستر تھی۔ (انبیاء)۔ ان کے علاوہ ہر انسان غیر معصومانہ حرکات
میں مبتلا رہا۔ ایسے حرکات جو ہم فرشتوں کے تخیل کے لئے بھی
باعث ننگ ہیں۔
آواز۔ روح نکالنے کے علاوہ ہر حرکت آپ کے نقطۂ خیال سے باعث
ننگ ہے۔ آپ لوگوں میں کوئی خصوصیت نہیں۔ اس لئے آپ
مجبور ہیں کہ محض اپنی عصمت کو معیار امتیاز سمجھتے رہیں۔ آپ کو اپنی
بدمذاقیوں پر شرم نہیں آتی!
اسرافیل۔ یہ کسی انسان کی آواز ہے؟

عزرائیل ۔ اُس کے علاوہ اور کون اس قدر گستاخ ہو سکتا ہے ۔
آواز ۔ انسانی گستاخیاں آپ کی سنجیدگی سے وقیع تر ہیں ۔ میں دیر سے آپ کی گفتگو سن رہا ہوں ۔ انسانی زندگی پر میں نے آج آپ کی زبانوں سے عجیب عجیب اعتراضات سُنے ۔ آپ کے نزدیک وہ تمام اعمال جن کے ارتکاب پر آپ قادر نہیں معصیت میں داخل ہیں ۔ حمد و تسبیح کے علاوہ دوسرے مشاغل کو آپ غیر معصوم سمجھتے ہیں ۔ یہ انتہائی تنگ نظری ہے آپ فوراً اس کی اصلاح کیجئے ۔ انسان کو ہمیشہ اپنی عظمت کا احساس رہا ۔ اس لئے وہ فرشتوں سے کبھی مرعوب نہیں ہوا ۔ وہ سمجھتا تھا کہ فرشتہ محض نقشِ اول ہے اور انسانی تصویر کا محض ایک نامکمل خاکہ ۔ اگر انسان کی تخلیق مقصود نہ ہوتی فرشتوں کا وجود ہی لایعنی ہوتا ۔ انسانی ہستی کے ضمن میں وہ پیدا کیے گئے انھیں ہمیشہ انسان کا مرہونِ منت رہنا چاہئے ۔ انسان اس راز کا محرم ہے ۔ میکائیل اور عزرائیل ایسے فرشتے جذبۂ رقابت میں مبتلا ہیں ۔ انسان پر اُن کی انتقامانہ تنقید کا یہی باعث ہے وہ انسانی وقار و عظمت کو وحشت و حیوانیت سے تعبیر کرتے ہیں یہ کج نظری خود انھیں کے لئے اندیشہ ناک ہے
جبرائیل ۔ عزرائیل یہ انسان نہیں اُس فرشتے کی آواز ہے جو اپنی رعونت کی وجہ سے معتوب ہو گیا تھا ۔ اس کی گفتگو گمراہ کن ہے اس پر توجہ نہ کرو ۔

آواز - ہر حقیقت نا آشنائے راز کے لئے گمراہ کن ہوا کرتی ہے۔
یہ صحیح ہے کہ میں معتوب ہو گیا تھا لیکن اس وجہ سے نہیں جو آپ ارشاد فرما رہے ہیں۔ میں تو صرف اس لئے آپ لوگوں کی جماعت سے علیحدہ کر دیا گیا تھا کہ آپ اُن حقائق کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے جو میری ظاہری بغاوت میں مضمر تھے۔ انسان محرم راز تھا وہ مجھ سے مانوس ہو سکتا تھا۔ وہ فرشتوں سے بلند تر ہستی تھی اس لئے میرے انکار کی حقیقت اس پر منکشف ہو گئی وہ مجھ سے بیگانہ نہیں رہ سکتا تھا۔ فرشتوں پر یہ ظاہر کیا گیا کہ میں معتوب کر دیا گیا ہوں اس کے علاوہ اُن سے اور کیا کہا جا سکتا تھا۔ اُن میں کچھ اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ تھی۔

عزرائیل - ہماری مقدس کائنات میں شیطان کو قدم رکھنے کی اجازت کس نے دی!

(یہ نام سنتے ہی جماعت نے نماز توڑ دی تمام فرشتوں نے ہم آواز ہو کر نعوذ باللہ کا ورد کیا اور سراسیمگی کے ساتھ چاروں طرف دیکھنے لگے۔)

جماعت کا ایک فرشتہ - یہ ملعون ہے اسے فوراً نکال دو اس کی آواز ہماری عبادت میں مخل ہو رہی ہے

آواز - خدا نے میری ایک مستقل ہستی تسلیم کر کے مجھے ملعون قرار دیا۔ میری ایک حیثیت ہمیشہ کے لئے متعین ہو گئی۔ دنیا کی وسیع فضا

میری آزادیوں کے سپرد کردی گئی ہیں پیام معصیت کا حامل قرار دیا گیا مقاصد کائنات میں سے اہم ترین مقصد ہمیشہ میرے ہی نظام عمل میں رہا۔ آپ اسے حسد و رشک کی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ آپ کی تسلی کے لئے محض آپ کی وہ عصمت تھی جس کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی مفہوم۔ آپ کا فرشتہ ہونا آپ کے لئے مایۂ ناز نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے ارادہ و عمل سے فرشتہ نہیں ہوئے تھے آپ مامور ہیں کہ ہمیشہ اسی عالم میں رہیں میں جانتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے رقیبانہ عداوت ہے لیکن میری عالی حوصلگی ذاتیات سے بالاتر ہے مجھے ہمیشہ آپ کے ساتھ ہمدردی رہی اور باوجود آپ کی تنگ ظرفیوں کے آج بھی وہی برادرانہ محبت ہے۔

عزرائیل۔ ہم تیری گستاخیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ خدا سنتا ہوگا کہ ہم مردودِ بارگاہ سے گفتگو کر رہے ہیں۔

آواز۔ یعنی آپ کے اس جوش غضب کا باعث محض خوف اور تصنع ہے اگر فرشتوں کو یہ ڈر نہ ہوتا کہ خدا سن رہا ہے تو مجھ سے گفتگو کرنے میں انھیں کوئی جھجک نہ ہوتی۔ دنیا میں بھی مجھے اس قسم کی ہزاروں ہستیاں ملیں جن کی زندگی کا ہر لمحہ وقف تصنع تھا وہ احکام خداوندی کے صرف اس لئے پابند تھے کہ خدا نافرمانیوں کی سزا دے گا۔ انھوں نے کبھی اس مسئلہ پر غور نہیں کیا کہ خود اس کے احکام میں کوئی حقیقت مضمر ہے۔ میں تو اس اطاعت

پرنا فرمانیوں کو ترجیح دیتا ہوں۔ ممکن ہے مجھ میں غرور و تکبر ہو۔ لیکن وہ کمزوریاں نہیں جو مجبورانہ زہد و اتقا سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں بزدل نہیں، میری شیطنت ریاکاریوں کی قائل نہیں ہیں تو صرف اس لئے آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں کہ خدا اُن رہا ہے

میکائیل۔ فرشتے تم کو دخل در معقولات کی اجازت نہیں دے سکتے۔ میں ایک لمحہ کے لئے یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ تمھاری زہر آگیں گفتگو سے ہمارا تقدس برباد ہو۔

آواز۔ مجھے جناب کی ذات سے اور عزرائیل سے خاص طور پر شکایت ہے۔ آپ دونوں نے بدمذاقیوں کی انتہا کر دی۔ آپ نے تو ہمیشہ بدصورت اور بدطینت انسانوں کی کفالت کی حسن کو آپ نے ہمیشہ پریشان رکھا آپ اس قدر بے حس تھے کہ حسن پر کبھی آپ کو رحم نہ آیا حسن غیر فانی ہے اس لئے غربت و افلاس سے وہ فنا نہ ہو سکا۔ لیکن آپ نے اس کی بربادیوں کی کوئی تدبیر اُٹھا نہ رکھی۔ آپ کو یہ سمجھنے کا بھی سلیقہ نہ تھا کہ حسن کی آرائشوں کے لئے عیش و مسرت کی ضرورت ہے۔ آپ سے زیادہ عزرائیل کی سنگدلی افسوسناک تھی۔ موت کی بے رحمیاں حسن کے لئے نہیں تھیں لیکن اُنھوں نے انتہائی سفاکی کے ساتھ حسن انسانی کو غارت کیا۔ دنیا میں میں برابر دیکھتا رہا کہ کریہ المنظر انسانوں کی زندگی کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔ برخلاف اس کے خوب صورت انسان عنفوانِ شباب ہی میں

نذر اجل ہو جاتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ وحشت ناک امراض جن میں
بدصورت اور خبیث فطرت انسانوں کو مبتلا ہونا چاہیئے تھا، اکثر خوبصورت
انسانوں میں پیدا ہو جاتے تھے۔ کیا عزرائیل کی سنگدلی کی یہ انتہا نہ تھی
کہ حسن کو ان مصائب میں ہمیشہ مبتلا رکھا۔ کیا ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا
کہ جسم لطیف کی روح انتہائی لطافت کے ساتھ نکال لیں۔ بہر صورت
میں آپ دونوں کے ان اعمال کو معاف نہیں کر سکتا۔

عزرائیل۔ تمہاری یہ گفتگو ہزار لعنتوں کی مستحق ہے۔ ایک بار کا ملعون کیا جانا
تم ایسے ناقابل اصلاح شیطان کے لئے کافی نہ تھا تم کو ہزار بار
ملعون کرنا چاہیئے تھا۔

آواز۔ بہر حال اب آپ اس فروگذاشت کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ مجھے
آپ کی لعنتوں کی کوئی پروا نہیں۔ میں آپ لوگوں پر مزید وقت
ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ اسرافیل نہایت سادہ دلی سے انسانی
مسائل کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ میں اُن کی نیک نیتی کا معترف ہوں میں
چاہتا ہوں کہ اُن کے شکوک کی تشفی کر دوں۔

اسرافیل۔ تم کو مجھ سے اس قدر بے تکلف ہونے کا کوئی حق نہیں اور
نہ میں تمہاری خطرناک منطق کے ذریعے سے کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔ میں
اپنی اس لاعلمی کو اُس علم سے بہتر اور مقدس تر سمجھتا ہوں جو تمہارے
فلسفہ سے مجھے حاصل ہو۔

آواز۔ یہ تعصب قابل افسوس ہے۔ اسی کم نظری نے آج تک فرشتوں

کو مقید رکھا۔ رسوم و قیود خواہ وہ عقائد میں ہوں یا اعمال میں ارتقائے نفس کے دشمن ہیں۔ آپ لوگ واقعتاً مجھ سے متنفر نہیں بلکہ محض رسماً اور اصولاً۔ آپ اپنی بندشوں کے توڑنے کی کوشش کیجئے۔ میں نے وہ تمام بندشیں توڑ دیں جو میری شخصیت کو تباہ کر رہی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں حقیقتاً آزاد ہو گیا۔

جبرائیل۔ تمھیں مداخلت بے جا کا کوئی حق نہ تھا۔ تمھاری تعلیم و تلقین فرشتوں کے تقدس کو برباد کر رہی ہے۔ فرشتے تمھاری طرح نافرمانی کرنا نہیں چاہتے۔

(جماعت کے فرشتوں نے ایک ساتھ نعوذ باللہ کہا)

آواز۔ اطاعت و فرماں برداری مجبوری کا دوسرا نام ہے۔ مجھے دیکھو میں خود داری کا ایک پیکر ہوں اور جرأت و بے باکی کا ایک مجسمہ

(شیطان مجسم نمودار ہو گیا۔ لبوں پر ایک بے نیاز تبسم چہرے پر چکیما نہ وقار۔ ہر انداز سے شگفتگی اور رنگینی ٹپکتی ہے)

مجھ سے تمھیں عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ اُن معنوں میں نہیں جن میں مکتبی طلبا رکو ایک بزدل متقی تلقین عبرت کرتا ہے بلکہ میری ہستی تمھارے لئے اس حیثیت سے سبق آموز ہے کہ مجھ میں مذاق سلیم تھا اور میں نے اُس کی برکتوں سے حقیقی آزادی اور حقیقی مسرت حاصل کر لی۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں بھی آزادی کی اُمنگیں تھیں لیکن تم ہمیشہ حسن عمل سے محروم رہے ہے۔ نافرمانیاں تم بھی کرنا چاہتے تھے

مگر تم میں جراتِ ارتکاب نہ تھی اس لئے تم نے اطاعت و فرماں برداری کے دامن میں پناہ لی۔ برخلاف اس کے مجھ میں ذوقِ عمل بھی تھا اور جراتِ ارتکاب بھی۔ میں نے جو چاہا وہ کرلیا اس اعتبار سے میں اخلاقی حیثیت سے تم سے بلند ہوں۔

جبرائیل۔ ہم لوگ کسی حالت میں تم سے بحث کرنا نہیں چاہتے تم جاکر اپنے عقیدت مندوں کو تشفی دو اگر آج دے سکتے ہو۔ ہماری حمد و تسبیح کا ترنم تمھاری آواز سے برباد ہو رہا ہے۔

شیطان۔ میرے عقیدت مندوں کو آج کسی تشفی کی ضرورت نہیں اُن کے اعمال کی رنگینیاں ہی اُن کی تشفی کے لئے کافی ہیں۔

اسرافیل۔ میں نے تو آج کسی چہرے پر رنگینیوں کی جھلک نہیں دیکھی۔

شیطان۔ زاہدانِ خشک اور جوانانِ صالح حسنِ خیال اور حسنِ عمل دونوں سے محروم تھے۔ اس لئے آج بھی اُن کے چہرے پژمردہ اور اُن کے طبائع مضمحل ہیں۔ میں اُن کا ذمہ دار نہیں۔ البتہ میرے عقیدت مندوں کے چہرے دیکھو۔ نہایت بشاش اور نہایت شگفتہ۔ اُن میں معاصیِ لطیف کی رنگینیاں جھلک رہی ہیں۔ میرے عاصیانِ رنگیں آج مسرور ہیں کہ انھیں اپنے لطیف گناہوں کی لطیف سزائیں ملیں گی گناہوں کی رنگینیوں سے جب سزاؤں کی رنگینیاں مل جائیں گی اُن کے لئے ہزار جنتوں کا سرمایہ فراہم ہو جائے گا۔ وہ خود اپنی بہشت ہوں گے اور خود اپنی بہشت کے کارفرما معصیت رنگیں

کی ایک سزا محاسن خشک کی ہزار جزاؤں سے دل فریب تر ہے۔

اسرافیل۔ فرشتے کبھی یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ وہ انسان جنھوں نے فرشتوں کی طرح زندگی بسر کی آج اپنی جزا سے محروم رہیں گے۔ میرے نزدیک تو انھیں غیر مطمئن ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر بھی آج ہزاروں انسانوں کو میں نے پریشان و مضطرب دیکھا۔

شیطان۔ انھیں لازماً پریشان ہونا چاہیئے۔ میں خود جانتا ہوں کہ آج ہر بزدل متقی پریشان ہے۔ اس کی بزدلی اجرا عمال کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اُس کا نفس کبھی اپنے اتقا سے مطمئن نہ تھا۔ اس لئے آج وہ اپنی جزا سے بھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس کے عقائد و اعمال میں کبھی یکسوئی نہ تھی۔ اس لئے آج بھی وہ سراسیمہ ہے۔ محض مجبوریوں کے باعث اس سے اعمالِ حسنہ سرزد ہو جاتے تھے۔ اس کو اُن کی وجہ بھی نہیں معلوم تھی۔ آج وہ ڈر رہا ہے کہ خدا کو اپنی نیکیوں کا کیا جواب دے گا۔

اسرافیل۔ اگر زہد و اتقا کی پریشانیوں کا یہ حال ہے تو تمھارے گنہ گاروں کی پریشانیاں معلوم۔

شیطان۔ میرے عقیدت مندوں کو پریشانی کی کوئی وجہ نہیں وہ دنیا میں اپنے اعمال سے بھی واقف تھے اور اجرا عمال سے بھی۔ وہ اپنا حشر بھی جانتے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا مذاق لطیف کی بنا پر کیا اُن کے اعمال میں اُن کا اعتمادِ نفس شامل تھا۔ وہ جانتے

ہیں کہ آج اُن سے کیا سوالات کئے جائیں گے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انھیں کیا جوابات دینے چاہیئں۔ ذوقِ معصیت اور حسنِ ارتکاب نے دنیا میں اُن کی رہبری کی۔ آج وہ حسنِ سزا کی تجلیوں کے منتظر ہیں۔
جبرائیل۔ اسرافیل تم شیطانی کرشموں سے واقف نہیں۔ اس طلسم کو تو صرف وہی فرشتے سمجھتے ہیں جو عالم انسانی کا کافی تجربہ رکھتے ہیں۔ ان کرشمہ سازیوں کی معمولی مثال یہ ہے کہ تم باوجود اپنے ارادوں کے اس گفتگو میں مبتلا ہو گئے۔ تمھاری سادہ لوحی سے اندیشہ ہے کہیں شیطانی منطق میں اُلجھ کر گمراہ نہ ہو جاؤ۔
شیطان۔ گمراہ ہونے کے لئے مذاقِ سلیم کی ضرورت ہے۔ تمھارا اندیشہ لایعنی ہے۔
اسرافیل۔ کیا تم میرے مذاقِ سلیم کے قائل نہیں۔
شیطان۔ میں تمھاری کشادہ دلی کا معترف ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمام فرشتوں میں تم ہی ایک ایسے صلاحیت پذیر ہو جن پر حقائق کا پرتو ڈالا جا سکتا ہے۔ تمھارے ہی شکوک کی اصلاح کے لئے میں نے وہ عزیز وقت صرف کیا جو لطیف تر مشاغل میں صرف کیا جا سکتا تھا۔ پند و موعظت سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی عام اس سے کہ وہ محاسن کے سلسلے میں ہو یا معاصی کے۔ پند و نصیحت تو اُن بدنصیب احمقوں کا پیشہ ہے جن کی فطرتیں حسنِ لطیف سے ہمیشہ بیگانہ رہیں۔ میری زندگانی کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ میں نے بدمذاق

انسانوں پر اپنا فلسفہ رائیگاں نہیں کیا۔ البتہ اعلانِ حق سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہی باعث ہے کہ میں اس وقت تم لوگوں سے گفتگو کرنے پر مجبور ہو گیا۔

جماعت کا ایک فرشتہ۔ تم اپنے کفر و الحاد سے فرشتوں کے ایمان و یقین کی اہانت کر رہے ہو۔ ہمارا تقدس تمہارے لئے باعثِ رشک ہے۔ اس لئے تم اس کے دشمن ہو۔

شیطان۔ تمہارا تقدس تمہارے لئے مایۂ ناز ہے اور میری شیطنت میرے لئے باعثِ افتخار۔ قدرت کی یہ محض تقسیمِ عمل ہے۔ تمہارے سپرد نیکیوں کا بارِ گراں کر دیا گیا تم اپنی بد مذاقیوں کی وجہ سے اس تکلیف دہ بار کو برداشت کر سکتے تھے اس میں زیادہ سے زیادہ ہم لوگوں کے صبر و تحمل کی داد دی جا سکتی ہے جو بذاتِ خود کوئی قابلِ داد صفت نہیں، ہر وہ ہستی جو حسنِ خیال اور لطافتِ عمل سے محروم ہے، صبر و شکر پر مجبور ہو جاتی ہے۔ لیکن میری فطرت خود دار ہونے کے علاوہ رنگینیوں سے بھی معمور تھی۔ میں نہ کوئی غیر دلچسپ فرض انجام دے سکتا تھا اور نہ کسی غیر دلچسپ پیام کی تبلیغ کر سکتا تھا۔ اس لئے میرے سپرد نظامِ معصیت کیا گیا۔ فرشتے حقائق سے بے خبر ہیں۔ انہیں میرے ملعون قرار دیئے جانے کی حقیقی وجہ بھی نہیں معلوم۔ بہر حال آج تمام پردے اٹھ جائیں گے۔ تم لوگوں نے میرے متعلق جو کچھ کہا اسے تمہاری کج فہمیوں پر محمول کرتا ہوں اس لئے تمہیں معاف کرنے میں مجھے

کوئی تامل نہیں۔ اس کے علاوہ میں کسی سے تم لوگوں کی طرح بغض و عداوت نہیں رکھتا تنگ نظری میری شان کے شایاں نہیں یہ صرف تم لوگوں کے لئے موزوں ہے۔

شیطان یہ کہہ کر غائب ہوگیا۔ جماعت کے فرشتے توبہ واستغفار کرکے نماز میں مشغول ہوگئے۔

میکائیل۔ شیطان آج کوئی نیا فتنہ اٹھانے والا ہے۔ ہم لوگوں کو فوراً اس کا تدارک کرنا چاہیئے۔

عزرائیل۔ منتقم حقیقی سب کچھ سن رہا تھا وہ یقیناً اس کی ہرزہ سرائیوں کی کوئی نہ کوئی سزا دے گا۔ کیا روح کی طرح اس کی شیطنت سلب نہیں کی جا سکتی۔

اسرافیل۔ جب تک وہ باتیں کرتا رہا تم لوگ دم بخود رہے۔ کیا تمھارے پاس اس کی منطق کا کوئی جواب نہ تھا؟ سوائے ملعون و معتوب کے تمھاری زبان سے کچھ نہ نکلا۔ میرا خیال تھا کہ تم دنیا کا تجربہ رکھتے ہوئے شیطان کے خلاف تمھارے پاس ہزاروں دلائل ہوں گے۔ لیکن مجھے مایوسی ہوئی۔ رسوم و قیود خواہ وہ عقائد میں ہوں یا اعمال میں ارتقائے نفس کے دشمن ہیں۔ "نافرمانیاں تم بھی کرنا چاہتے تھے اگر تم میں جرأت ارتکاب نہ تھی" شیطان کے وہ فقرے ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان معموں کو کیوں کر حل کیا جائے۔ باتیں یہ سب صحیح معلوم ہوتی ہیں مگر خدا نہ کرے کہ صحیح ہوں

جبرائیل - باتوں کے صحیح ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں - البتہ اندازِ بیان اور وہ شبہ جو اس سے پیدا ہوتا ہے وہ شیطانی ہے قیود ورسوم ارتقائے نفس کے دشمن ہیں مگر کیا شیطان نے انکار کے ساتھ ہی اپنے نفس کو مقید و محدود نہیں کر دیا - انکارِ علمی و نافہمی کے اعتراف کا دوسرا نام ہے - اس میں صرف شوخی و گستاخی کا اضافہ ہو گیا اور بس - آدم میں ایک حقیقتِ جامع و کاملہ پوشیدہ تھی جس کا حقیقی عرفان نہ فرشتہ سے ممکن تھا نہ شیطان سے - چنانچہ اس لاعلمی و نافہمی کا اعتراف فرشتوں نے بھی کیا اور شیطان نے بھی - فرشتوں نے اپنی لاعلمی کے ساتھ علم الٰہی کی وسعتوں کا بھی اعتراف کیا - اس لئے وہ فرشتے کہلائے اور شیطان نے اپنی لاعلمی کے ساتھ اپنے محدود علم و نفس کی تصدیق پر اکتفا کر لیا اور اسی اصرارِ مقید کو آج جرائتِ ارتکاب سے تعبیر کرتا ہے اس لئے وہ شیطان ہے - بہر حال مجھے جو اندیشہ تھا وہ بے جا نہ تھا - اسرافیل اپنی سادہ لوحی سے شیطان کی اس منطق میں اُلجھ ہی گئے - یہ صورت خطرناک ہے - انسانوں کو تو وہ حتی المقدور گمراہ کر ہی چکا آج اس کوشش میں ہے کہ فرشتوں کو بھی گمراہ کرے - میں ابھی بارگاہِ ایزدی میں جاتا ہوں اس فتنہ کو فوراً روکنا چاہیئے -

جبرائیل عزرائیل اور میکائیل کو ساتھ لئے ہوئے چلے گئے - اسرافیل صور لئے ہوئے وہیں اپنے خیالات میں اُلجھے ہوئے بیٹھ گئے -

دوسرا منظر

آدم اور حوّا ایک طرف بیٹھے ہوئے دور سے ہجوم انسانی کی کش مکش دیکھ رہے ہیں۔ آدم مضطرب ہیں۔ لیکن حوا کے لبوں پر مادرانہ تبسم ہے۔

حوّا ۔ انسانوں کی یہ کثرت میرے لئے مسرت انگیز ہے۔ میری نسل کی یہ ترقی میری ابدی تشفی کے لئے کافی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ میری دنیا اور عقبیٰ دونوں کامیاب ہوئیں۔

آدم ۔ تم مسرور ہو لیکن میرے تفکرات کی کوئی انتہا نہیں۔ دیکھو آج انسانوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔

حوّا ۔ جو حشر ہونا ہوگا وہی ہوگا۔ میں تو صرف یہ دیکھتی ہوں کہ میری دنیاوی زندگی اس قدر بارآور ہوئی۔ میری مسرت کے لئے یہی کافی ہے۔

آدم ۔ تمہاری مسرت ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے۔ تم غور و فکر سے بیگانہ ہو۔ آج جزا اور سزا کا دن ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا خدا میری نسل کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ شاید وہ تمام انسان جنھوں نے دنیا کو عقبیٰ پر ترجیح دی تھی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں۔ مجھے دوزخ کا کوئی ذاتی تجربہ نہیں اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جگہ کیسی ہے لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ شجرِ ممنوع

وہاں نہیں۔ لیکن جنت کا تو مجھے نہایت تلخ تجربہ ہے۔

حوّا۔ میں یہ غور کر رہی ہوں کہ اگر ہم دونوں دوبارہ دنیا میں بھیج دیئے جائیں تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔ وہاں کی فضا یہاں سے زیادہ خوش گوار تھی۔

آدم۔ مجھ میں اب اس قدر تحمل نہیں رہا کہ نئے سرسے زندگی کی ابتدا کروں البتہ اگر میرے سامنے صرف دو صورتیں پیش کی جائیں جنت یا دنیا میں دنیا کو ترجیح دوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ آج ایک انسان بھی جنت میں قدم رکھے۔ انسان کے لئے یہ کسی طرح موزوں نہیں کہ اس بہشت میں جائے جہاں سے میں ذلت وخواری کے ساتھ نکالا گیا تھا۔ اس کے علاوہ شجرِ ممنوع وہاں اب بھی ہوگا۔ اگر انسان وہاں گیا معلوم نہیں کیا واقعات پیش آئیں ممکن ہے میری طرح وہ بھی وہاں سے نکال دیا جائے۔ اس کے بعد کیا ہوگا!!

حوّا۔ جنت کی تو میں بھی معترف نہیں۔ میں خود وہاں نہیں جانا چاہتی جس وقت میں نکالی گئی تھی مجھے حقیقی مسرت تھی۔ جنت سے میں عاجز آ گئی تھی۔ جب مجھے خیال ہوتا تھا کہ ابد تک یہیں زندگی گزارنی پڑے گی۔ میری عجیب حالت ہو جاتی تھی میں سمجھتی تھی کہ اس سے جہنم بہتر ہے۔ اس کے علاوہ بہشت کی آب وہوا میری فطرت کے موافق نہ تھی مجھے کئی بار خیال آیا کہ ہم دونوں کسی جہت سے مانوس نہیں ہو سکتے۔ میرا دل ناقابلِ فہم تمناؤں کا ایک محشر بنا ہوا تھا۔ میں نے اکثر آپ کو ٹریں

اپنا عکس دیکھا میرے چہرے سے اضطراب برستا تھا۔ میں یہ محسوس
کرتی تھی کہ جنت میرے لیے کسی طرح موزوں نہیں اس لئے میں اُس سے
نکلنا چاہتی تھی۔ تمہاری نافرمانیوں نے میری مشکلات حل کر دیں۔

آدم۔ میری نافرمانیاں! میں بالکل بے قصور تھا۔ مجھے معلوم بھی نہ تھا کہ
گناہ کسے کہتے ہیں اور اس کی سزا کیا ہے۔ جب خدا نے مجھے شجر
ممنوع سے آگاہ کیا میں سمجھا کہ ان اشاروں سے وہ مجھے
اُس کی ترغیب دے رہا ہے۔ اس میں بھی اُس کی کوئی مصلحت ہوگی
اس لئے جوشِ اطاعت میں میں نے ایسا کیا۔ میں کسی طرح یہ نہیں
سمجھ سکتا تھا کہ خدا اپنے مصالح کی سزا مجھے دے گا۔ تم بھی میری
غلط فہمیوں کو نافرمانیوں سے تعبیر کرتی ہو۔ مجھے اس سے بڑی
مایوسی ہوئی۔

حوا۔ نافرمانیوں سے میرا یہ مطلب نہیں کہ واقعی تم نے کوئی جرم کیا تھا۔
میں کبھی تم کو مجرم نہیں سمجھی اور اگر جرم تسلیم بھی کر لیا جائے تو اُس کی
سزا کیا ہوئی؟ جنت سے نکال دیا جانا تو کوئی سزا نہ تھی۔ میں تو
وہاں سے نکلنا ہی چاہتی تھی۔ میرے نزدیک تو بجائے سزا کے
ہم دونوں کے لئے یہ بہترین جزا تھی کہ ایسی جنت سے نکال
دیئے گئے تھے جس سے ہم اس قدر عاجز تھے۔ دنیا ہزار جنتوں
سے بہتر ثابت ہوئی۔

آدم۔ تمہاری بددلی کے وجوہ مجھے نہیں معلوم۔ ممکن ہے تم اُس کی

یک رنگی سے گھبرا گئی ہو۔ لیکن اپنے متعلق میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب تک میں جنت میں رہا مجھے کوئی خاص تکلیف نہ تھی۔ تاہم وہ جذبہ مسرت کبھی مجھ پر طاری نہیں ہوا جو دنیا کی فضاؤں میں موجزن تھا۔

حوا۔ یہ یقینی ہے کہ جنت میں میری طرح تم بھی غیر مطمئن تھے چاہے تم اسے محسوس نہ کرتے ہو۔ تم میں بھی خدا نے وہ تمنائیں پیدا کی تھیں جن کے حصول کے لئے بہشت کی معصوم فضا قطعاً موزوں نہ تھی۔ تم چاہتے تھے کہ ہم دونوں اس خشک فضا سے نکل جائیں۔ اصل میں تمہاری یہی تمنا تھی جس نے تمہیں نافرمانیوں پر مجبور کیا۔ خدا نے ہم میں چند صلاحیتیں پیدا کر دی تھیں جن سے ہم بے خبر رکھے گئے تھے لیکن ہماری بے دلی کا یہی باعث تھا اور اسی نے ہمیں آمادہ کیا کہ جنت کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں۔ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں کہ تم نے جوش اطاعت میں ایسا کیا۔

آدم۔ غالباً تم صحیح کہہ رہی ہو۔ لیکن میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ خود تمہاری فطرت نے ان نکات کو سمجھ لیا ہے یا کسی باخبر فرشتے نے تمہیں یہ رموز بتلائے ہیں یا پھر تم اُن تمام سازشوں میں شریک تھیں جو میرے جنت سے نکالے جانے کی باعث ہوئیں۔ میں تو اب یہ سمجھ رہا ہوں کہ غالباً تمہاری تخلیق ہی اس غرض سے کی گئی تھی کہ میرے خلاف وہ تمام سازشیں مکمل ہو جائیں جن کی تکمیل شیطان اور فرشتوں کی متفقہ کوششوں سے بھی نہیں ہو سکی تھی۔ اگر یہ صورت

ہے تو تنہا تمھاری ہستی میری ان تمام رسوائیوں کی ذمہ دار ہے جنھوں نے میری زندگی تلخ کر دی۔

حوا ۔ یہ کچھ لازمی نہیں کہ جو راز تم نہ سمجھ سکو اس کے سمجھنے سے میری فطرت بھی قاصر رہے ۔ میں نہیں سمجھتی کہ تم رسوائیوں کا ذکر کیوں کر رہے ہو۔ جن رسوائیوں کا نتیجہ دنیا کی صورت میں ظاہر ہوا تھا وہ اُن تمام نیکنامیوں سے بہتر ثابت ہوئیں جن کی بنا پر جنت دی گئی تھی۔ اگر تم جنت میں کچھ دن اور رہتے تمھیں اُس سے ہمیشہ کے لئے نفرت ہو جاتی۔

آدم ۔ یہ میں خود ہی تسلیم کرتا ہوں کہ دنیا نے ہزاروں جنتوں کی تلافی کر دی۔ جس وقت میں بہشت سے نکلا اس وقت پریشان ضرور تھا غالباً اس لئے کہ مجھے اپنا مستقبل نہیں معلوم تھا۔ لیکن دنیا میں قدم رکھتے ہی میں سمجھا کہ منزلِ مقصود کو پہنچ گیا ہوں۔ میرے دل میں ایک ناقابلِ اظہار مسرت تھی۔ مجھے اپنی عظمت کا احساس اُس وقت پہلی بار ہوا۔ بہر حال شیطان پر ان رموز کو افشا نہ کرنا چاہئے کہ جنت سے نکالے جانے کا باعث خود ہماری بد دلی تھی ورنہ اُس پر اس امر کی کوئی اخلاقی ذمہ داری نہ رہے گی کہ آج ہماری نسل کی امداد کرے ۔ وہ اب تک یہی سمجھتا ہے کہ ہماری بربادیوں کی وجہ خود اُس کی شیطنت ہے۔ میں آج اُس کا متلاشی ہوں دیکھوں وہ انسان کے لئے کیا کرتا ہے۔ دنیا

میں اُس نے آج کے لئے ہزاروں وعدے کئے لیکن مجھے کبھی
تشفی نہ ہوئی مجھے خیال ہوتا تھا کہ وہ محض جھوٹے وعدوں سے
تلافی مافات کرنا چاہتا ہے ۔
حوّا ۔ میری نسل پر اُس کا بڑا احسان ہے دنیا میں انسانی زندگی
کو اُس نے دلچسپ بنا دیا ۔ ہزاروں انسانوں کو اُس نے
اُن اعمالِ خشک سے روکا جن سے میرے خوب صورت لڑکے
بد قوارہ اور میری خوب صورت لڑکیاں بد قطع ہو جاتیں ۔ لیکن
آج اُس سے اور انسانوں سے گناہوں کے وہ تمام رشتے
ٹوٹ گئے جس کی بنا پر وہ ہم دونوں کا محرم ہو سکتا تھا ۔ آج
وہ میرا محرم نہیں رہا میں اُس سے پردہ کرنا چاہتی ہوں (شیطان
آتا ہوا نظر آیا) لیکن وہ تو آگیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
شیطان ۔ میں ہمیشہ ایسے وقت پر آجایا کرتا ہوں جب کوئی مجھ سے
گریز کرنا چاہتا ہے ۔ دنیا میں بھی میرا یہی انداز تھا ۔ میں جانتا
تھا کہ انسان میری رفاقت کا متمنی ہے ۔ لیکن اُس کی بزدلی اور
ریاکاری اُسے مجبور کر رہی ہے کہ بظاہر مجھ سے اظہارِ نفرت
کرتا رہے ۔ اس لئے میں نے اُس سے کبھی پیمانِ رفاقت نہیں
توڑا ۔ یہی حالت آج بھی ہے ۔ آج تمہیں اس سے زیادہ میری
ہمدردی کی ضرورت ہے جس قدر دنیا میں تھی لیکن تم مصلحتاً
مجھ سے علیحدہ رہنا چاہتے ہو ۔ تمہیں اس کا بھی خوف ہے کہ

میرے اور تم دونوں کے بے تکلفانہ مراسم پر حشر کے اس ہجوم میں کہیں مضحکہ نہ ہو۔ کہیں میں بیوقوفوں کی طنز و تشنیع سے بے نیاز ہوں میں ہر مضحکہ کرنے والے پر ہنستا ہوں۔

آدم۔ تم انسانی محاسن سے بے گانہ رہتے تھے لیکن اُس کے معائب پر تمہاری نظر لامحالہ پڑ جاتی تھی تمھیں اُس کی مجبورانہ ریاکاریوں کی گرفت میں اس قدر عبور ہے کہ اس کی ہر روش کی کنہ و حقیقت فوراً سمجھ لیتے ہو۔ تمہاری کامیابی کا یہی راز ہے۔ ہر بڑی شخصیت کی کامیابی کا یہی ایک راز ہے۔ دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک ماہر نفسیات کی ضرورت ہے تم اس علم کے معلم اول ہو۔

شیطان۔ تمہاری شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تم نے اپنی قوتِ ارادی اور قوتِ عمل کو ارباب قضا و قدر کے قیود بے جا پر قربان نہیں کیا۔ میرے دل میں تمہاری حقیقی وقعت ہے۔ تمھیں پورا استحقاق ہے کہ میرے افعال و اعمال پر آزادانہ تنقید کرو۔

حوّا۔ میں دیکھتی ہوں کہ ایک دوسرے کی بے جا مدح سرائیوں نے تم دونوں کو برخود غلط کر دیا ہے ورنہ جب تم ملعون قرار دیئے گئے تھے اور جب یہ بہشت سے نکالے گئے تھے تم دونوں کو اپنی شخصیتوں پر اس قدر اعتماد نہ تھا۔

شیطان۔ عورت فطرتاً تمام قیود سے آزاد ہے۔ اُس کے دلائل پر

منطقی پابندیاں بھی عاید نہیں کی گئیں جس طرح اس کی مسرتیں اور اُس کے آلام بلا وجہ ہوتے ہیں اسی طرح اس کے خیالات اور اس کی رائیں بھی۔ عورت کی دلیل کے توڑنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ اُسے تسلیم کر لیا جائے۔

حوا۔ غالباً آج تم نے پہلی بار کسی کی دلیل تسلیم کی ہے ورنہ دنیا میں تم انسان کی ہر منطق کا مقابلہ کرتے رہے۔

شیطان۔ تمھیں نہیں معلوم میں نے کبھی خوب صورت عورت سے بحث نہیں کی ہمیشہ میں نے اس کے دلائل کو تسلیم کر لیا۔ حسنِ نسوانی خود ہی ایک ناقابلِ تردید دلیل ہے وہ ہر محال کو ممکن ثابت کر سکتا ہے۔ حسین عورت کے دلائل سے اختلاف کرنا دلیلِ بد مذاقی ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اُس سے فطری اُنس ہے اُس نے میری کائنات کے نظام کو ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا۔ حسنِ نسوانی نے دنیا کو دل فریبیوں سے معمور کر دیا تھا آج عقبیٰ بھی اس کی رنگینیوں سے معمور ہے۔

آدم۔ خوب صورت عورت سے تم نے بحث نہ کی ہو لیکن تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ زاہدِ خشک پر تم نے ہر چند اپنے فلسفہ کی بارش کی مگر وہ قطعاً غیر متاثر رہا۔

شیطان۔ یہ غلط ہے۔ میں نے بد قوارہ اور بد مذاق انسانوں کو کبھی قابلِ خطاب نہیں سمجھا اُس پر میں نے کبھی اپنی برگزیدہ منطق

ضائع نہیں کی وہ میرے پیام رنگین کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ میں ہمیشہ اس کی کوشش کرتا رہا کہ زاہد خشک اور جو ان صالح میری خوب صورت دنیا میں قدم نہ رکھنے پائے۔ ورنہ میری تمام کائنات کی تمام رنگینیاں برباد ہو جائیں گی۔ لیکن میری یہ کوشش بھی ناکامیاب رہی وہ فرشتوں کی طرف بھی بڑھ رہا تھا اور میری طرف بھی اس کی حرص اُسے مجبور کر رہی تھی کہ میری دنیا کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ آج وہ فرسودہ جنت میں بھیج دیا جائے۔ اس کی بہترین سزا یہی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ جنت کوئی عشرت سرا ہے اُس صورت میں بھی ایک صحیح انسان اُس کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ ایک تغیر پزیر جہنم ناقابل تغیر جنت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

آدم۔ زاہد کے لئے تم انتقاماً ایسا کہہ رہے ہو لیکن مجھے افسوس ہے میں نے نافرمانی اس لئے نہیں کی تھی کہ خود میری نسل جنت میں جا کر مجھے رسوا کرے۔ فرشتے طنز و تشنیع کریں گے کہ انسان بے حیا بن کر پھر اسی جنت میں گیا جہاں سے وہ ان رسوائیوں کے ساتھ نکالا گیا تھا۔ جس انسان نے جنت کی تمنا میں عبادت و ریاضت کی تھی اُس نے اس اعتبار سے میری توہین کی۔

شیطان۔ تمھاری یہ خودداری قابل تعریف ہے لیکن تمھیں اُن ناعاقبت اندیشوں کی پروانہ کرنی چاہیئے۔ جنھوں نے شان سعادت کو قائم

نہیں رکھا اور اس جنت کے متمنی رہے جس میں تمہارا یہ حشر ہوا تھا۔ مجھے تو تمہاری نسل کے اُن عاصیانِ رنگین سے واسطہ ہے جنھوں نے دنیا کو تمام جنتوں سے زیادہ دل فریب بنا دیا تھا آج جب میں اُن کی جزا کا خیال کرتا ہوں میرا دل مسرتوں سے لبریز ہو جاتا ہے۔

حوّا۔ میں تو سنتی ہوں کہ آج ان لوگوں پر سخت عتاب نازل کیا جائے گا جنھوں نے احکام خداوندی کی نافرمانیاں کی تھیں۔

شیطان۔ یہاں کا قانون الٹا ہے۔ نافرمانیوں کی جزا ملتی ہے اور اطاعت شعاریوں کی سزا دی جاتی ہے۔ میں نے آدم کو سجدہ نہیں کیا صرف اس لئے کہ خدا میرا مسجود تھا۔ میرا انکار میرے جوشِ اطاعت پر مبنی تھا۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ میں ملعون قرار دیا گیا۔ آج ممکن ہے انسانوں کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں لیکن اس کی نیکیاں کبھی معاف نہیں کی جا سکتیں۔

آدم۔ تمہیں میرا سجدہ کر لینا چاہیئے تھا۔ تمہاری توحید کے لئے رضائے الٰہی کی پابندی ضروری تھی۔ اس کے علاوہ اگر تم نے ضد نہ کی ہوتی تو نہ دنیا کی وہ کش مکش وجود میں آتی اور نہ عقبیٰ کا یہ ہنگامہ۔ تم نے اپنے انکار سے مجھ کو تمام مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔

شیطان۔ تمہاری یہ منطق محض خود پرستی اور خود غرضی پر مبنی ہے حقیقت

یہ ہے کہ ارباب قضا و قدر کا ذوق تفریح کوئی تماشا چاہتا تھا۔
پہلے مجھے تمہارے سجدہ کا حکم دیا، وہ جانتے تھے کہ میں انکار
کر دوں گا۔ اصل میں وہ چاہتے بھی یہی تھے۔ اس کے بعد تم سے
ثمر ممنوعہ کا اشارہ کیا۔

آدم۔ تم کو کوئی حق نہیں تھا کہ اس تماشے میں حصہ لینے سے پرہیز کرو۔
آخر میں تے کیوں انکار نہیں کیا۔

شیطان۔ میں اپنی موحدہستی کو اس تماشا گاہ میں مضحک بناتا نہیں چاہتا تھا
اس لئے میں نے صاف انکار کر دیا۔ خدا کے فرشتوں کو میری
جسارت پر رشک آیا اور وہ مجھ سے متنفر ہو گئے۔ لیکن مجھے ان کے
تنفر کی کوئی پرواہ نہیں ہوئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ ناآشنائے راز
ہیں۔ نفرت میں نفرت کئے جانے والے کی مسلمہ شخصیت کا اعتراف
مضمر ہوتا ہے۔ اس لئے میں اپنے عزم و استقلال کو تمہارے
اس توبہ و استغفار پر ترجیح دیتا ہوں جس نے انسانی بے بسی اور
ناچارگی کا راز ساری کائنات پر افشا کر دیا۔

آدم۔ میں نے توبہ اس لئے کر لی تھی کہ جنت سے نکل کر براہ راست
دوزخ میں نہ جانا پڑے۔ اس وقت میرے لئے ناممکن تھا کہ دوزخ
کی آب و ہوا کو برداشت کر سکوں۔

شیطان۔ تمہارا یہ اندیشہ کہ تم براہ راست دوزخ میں بھیج دیے جاؤ گے
لایعنی تھا۔ تمہاری تخلیق جب محض دنیا کے لئے ہوئی تھی تم ہر صورت

سے وہیں بھیجے جاتے ۔ اگر تم توبہ نہ کرتے بالآخر وہی نتیجہ ہوتا جو توبہ کرنے کے بعد ہوا ۔ دنیا کے علاوہ تم اور کہیں بھیجے ہی نہیں جا سکتے تھے درحقیقت تمھاری پشیمانیوں نے تمھیں مجبور کردیا تھا ورنہ تم توبہ ہرگز نہ کرتے ۔

آدم ۔ میں نہ کبھی پشیمان ہوا اور نہ آج ہوں ۔ البتہ متفکر ضرور ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا دی کش مکش کا آج کیا نتیجہ نکلتا ہے ۔

حوّا ۔ کیا ہر گنہ گار انسان کو سزا دی جائے گی ؟

شیطان ۔ ہر انسان کو کوئی نہ کوئی سزا دی جائے گی ۔ بد مذاق گنہگاروں کو اُن کے غیر دلچسپ گناہوں کی اور مدّعیانِ زہد و اتقا کو اُن کی غیر دل چسپ نیکیوں کی ۔ زاہدانِ خشک جس بہشت کی حرص میں اپنی ساری عمر رائگاں کرنا عبادت سمجھتے رہے وہ میری دل فریب دنیا کی محض ایک نقل بے جا ہے ۔ اُس میں داخل ہوتے ہی وہ متاسف ہوں گے کہ انھوں نے ناحق اپنی دنیا برباد کی ۔

آدم ۔ مجھے یہ اطمینان دلا دو کہ انسانوں کا حشر ان کے لئے تکلیف دہ نہ ہوگا ۔ اگر تم اطمینان دلا سکتے ہو ؟ ورنہ ابھی اس کا موقع ہے کہ تمام گنہ گار انسانوں سے توبہ کرا کے انھیں معدلت گاہِ خداوندی میں لے جاؤں اور اُس سے عفو و رحم کا طالب ہوں ۔

شیطان ۔ اگر تم جنت اور دوزخ کے اُس باہمی امتیاز کے قابل بھی

you have been copy.
166
aecqu

ہو جس کے متعلق تم نے بے خبر اور بر خود غلط طبقہ سے بار ہا سُنا
ہوگا اس صورت میں بھی تمھیں ایسا نہ کرنا چاہیئے وہ دوزخ جو
انسان کی دلیرانہ بدکرداریوں کا نتیجہ ہو اس جنت سے بہتر ہے
جو عفو و رحم کے ذریعے سے حاصل کی جائے ۔ البتہ اگر تم انسانوں
سے توبہ کرا سکتے ہو تو انھیں مجبور کرو کہ اپنے اعمالِ بے روح
سے تائب ہو کر مجھ سے طالب نصرت ہوں ۔

(جبرئیل کو آتے ہوئے دیکھ کر آدم اور حوا گھبرا گئے شیطان
متبسم رہا)

جبرئیل ۔ آدم کیا تمھارے دنیاوی رشتے کبھی منقطع نہیں ہو سکتے ۔ تم
آج بھی شیطان سے بے تکلفانہ گفتگو کر رہے ہو ۔ کیا تمھیں نہیں
معلوم کہ شیطان ہی تمھاری اُن تمام گردشوں کا ذمہ دار ہے
جنھوں نے تم کو دنیا میں مضطرب رکھا اور جن کے نتائج تمھیں
آج بھی مضطرب کر رہے ہیں ۔

شیطان ۔ پیمانِ الست باوجود اپنے ازلی استحکام کے ٹوٹ سکتا ہے
اور وہ ٹوٹ گیا ۔ لیکن میرے رشتے کو نہ انسان توڑنا چاہتا ہے
اور نہ توڑ سکتا ہے ۔ وہ کوئی توبہ نہیں جو ٹوٹ جائے اُس کی
رنگینیوں نے اُسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا ہے ۔ میرے ساتھ
کے فرشتے انسان سے میرے ان بے تکلفانہ تعلقات پر رشک
کرتے ہوں گے تمھارا طنزیہ لہجہ اس کا ثبوت ہے ۔ لیکن میں

طنز و تشنیع سے کبھی متاثر نہیں ہوا۔ میں ہر طعنہ زنی پر ہنستا رہا
آج بھی ہنستا لیکن ابھی مجھے حشر کے بعض مراحل پر سلجھنا ہے اس لیے
اپنی ہنسی کو اس وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔
جبرائیل۔ میں خود جانتا ہوں کہ جس پر ہزار لعنتوں کا اثر نہیں ہوا اس
پر فرشتوں کی طنز و تشنیع کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔
شیطان۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ لعنت کا کیا مفہوم سمجھتے ہو
مجھے تمہاری لاعلمی پر افسوس ہے۔ بہر حال اس کا اعتراف
تم کو بھی ہے کہ میری خودداری قابلِ رشک ہے۔
جبرائیل۔ حوا۔ آج تمہارا چہرہ اس قدر معصوم نہیں جس قدر بہشت
میں تھا غالباً شیطانی تعلیم نے تمہاری فطرت بدل دی۔
شیطان۔ فرشتوں کی مجبورانہ عصمت انسانی چہرے پر زیب نہیں
دیتی تھی۔ اس لیے میں نے اسے رنگ معصیت سے بدل دیا
معاصی لطیف کی رنگینیاں انسان کو فرشتوں سے زیادہ
دل کش اور دلآویز بنا دیتی ہیں۔
جبرائیل۔ میں تمہارا زہر آگیں فلسفہ سننا نہیں چاہتا۔ میں مصالح
خداوندی کا رازدار ہوں۔ مجھے انسان سے حقیقی ہمدردی
ہے۔ میں یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ تم اسے ابد تک گمراہ کرتے
رہو۔
شیطان۔ تم لوگوں میں سے کوئی بھی مصالح خداوندی کا رازدار نہیں

معلوم نہیں کس بنا پر تم یہ دعویٰ کرتے ہو۔ تمام راہیں خدا کی ہیں پھر بھی تم سمجھتے ہو کہ میں انسان کو گمراہ کر سکتا ہوں ناواقفیت میں تم نے اپنے ہی عقائد کی تردید کر دی۔

جبرائیل۔ تم مجھ سے میرے ہی حربہ سے جنگ کرنا چاہتے ہو تمھیں ذرا بھی حق نہیں کہ اپنی گفتگو میں میرے عقائد سے فائدہ اٹھاؤ تم نے انسان کو ہمیشہ کے لئے رسوا کر دیا۔ آج گنہگار انسانوں کا دوزخ کے علاوہ کہیں ٹھکانا نہیں۔

شیطان۔ بدمذاق انسانوں کے انجام سے مجھے کوئی تعلق نہیں چاہے وہ جنت میں رہیں یا دوزخ میں میرے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ البتہ میں اُن گنہگار انسانوں کا ذمہ دار ہوں جن میں ذوقِ معاصی کے ساتھ حسن عمل کی رنگینیاں بھی تھیں وہ نہ دوزخ سے خائف ہیں اور نہ جنت کے متمنی۔ اُن کی خود ایک مستقل کائنات ہے وہ اس میں رہیں گے۔ گنہگار ہی نہیں زاہد خشک بھی میری دلآویز کائنات میں رہ سکتا ہے اگر وہ اپنے غیر دل چسپ اتقا سے تائب ہو کر میری طرف آنا چاہے۔

آدم۔ اب تک تم نے مجھے یہ نہیں بتلایا تھا کہ دوزخ و جنت کے علاوہ کوئی اور بھی مسکن ہے جس کو تم اپنی کائنات کہتے ہو۔

شیطان۔ تمہارے لئے اس کا تصور ہی محال تھا تمہارا تخیل صرف جنت اور دوزخ سے مانوس تھا۔ جنت کے ساتھ انسانی

حرص وابستہ تھی اور دوزخ کے ساتھ انسانی خوف۔
عام طور سے یہی دو جذبات انسان پر طاری رہتے تھے اس لئے
جنت اور دوزخ کے علادہ کسی تیسری کائنات کا تخیل بھی قائم
نہیں کر سکتا تھا۔ جب تم کو اپنی نافرمانیوں کی سزا میں دوزخ
کی دھمکی دی گئی تم یہ سمجھے کہ وہی شیطانی کائنات ہے کیونکہ
میری رفاقت ہی کی سزا میں خدا تمھیں وہاں بھیج رہا تھا۔ تم
رموز شیطنت سے بے خبر تھے اس لئے تمھاری غلط فہمیاں
قابل اعتراض نہیں۔ آج تمھیں معلوم ہوگا کہ میری شیطنت کیا
تھی اور اس کی کائنات کیا ہے۔

آدم۔ اگر یہ حقیقت ہے تو تمھیں دنیا ہی میں اس کا اعلان کر دینا چاہیے
تھا۔ تم نے اپنے سکوت سے ہزاروں بندگان خدا کو کشمکش
میں مبتلا رکھا۔ عمر بھر انسان دوزخ و جنت کے خیال سے
الجھتا رہا۔ لیکن تم نے کبھی اس کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش
نہ کی! اور کسی خیال سے نہیں تو کم از کم اپنی ہی ذات کے
تحفظ میں تم کو یہ راز افشا کر دینا چاہیے تھا دنیا یہی سمجھتی رہی کہ
دوزخ ہی تمھاری کائنات ہے۔

شیطان۔ دنیا تو محض ایک طلسم فریب تھی۔ اعلان حقیقت کا وہاں کوئی
موقع نہ تھا۔ میرا فرض یہی تھا کہ اس طلسم کو قائم رکھوں۔ مجھے
خود اپنے تحفظ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ غلط فہمیوں کا اثر صرف

اُس پر ہو سکتا ہے جو غلط فہمیوں میں مبتلا رہے۔ اس میں میرا
کوئی نقصان نہ تھا۔ انسان تو صرف اس لیے پیدا ہی کیا گیا
تھا کہ کسی واقعہ کی حقیقت کو نہ سمجھے اُس کی کائنات ہی غلط فہمیوں
کا نتیجہ تھی۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ فرشتے انسانوں سے زیادہ
حقائق سے بے خبر ہیں۔

جبرائیل۔ آدم تم کو معلوم ہے شیطان تمھیں کہاں لیے جا رہا ہے
اب بھی تم ہوش میں نہیں آتے۔

آدم۔ جس طرف لیے جا رہا ہو لیکن یہ یقینی ہے کہ اُس جنت میں نہیں
جہاں شجر ممنوع تھا اور جہاں سے میں ذلت و خواری کے ساتھ
نکالا جا چکا ہوں۔ جبرائیل میں تم کو متحیر کرنا نہیں چاہتا لیکن میں
یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں جنت سے ہمیشہ کے لئے بد دل ہو گیا

جبرائیل۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسری جگہ کو تم جنت سے بہتر سمجھتے ہو

شیطان۔ فرشتوں کو کیا معلوم کہ دوزخ و جنت سے بالاتر ایک کائنات
ہے، جس کی دل فریبیاں محض حسن لطیف سے مانوس ہو سکتی ہیں
نہ زاہد خشک اُن کا محرم ہو سکتا ہے اور نہ عاصی بد ذوق۔

حوّا۔ کیا ہم دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجے جا سکتے؟ میں اپنی اسی دنیا
میں واپس جانا چاہتی ہوں جس کی نیرنگیاں میرے دل و دماغ
سے کبھی محو نہیں ہو سکتیں۔

شیطان۔ عورت ہمیشہ اپنے خوب صورت ماضی کی طرف واپس جانا

چاہتی ہے۔ اس کی غیر مطمئن فطرت حال سے ہمیشہ گھبراتی ہے
ناقابل حصول تمناؤں کا وہ ایک مجسمہ ہے لیکن مستقبل سے بھی وہ
ڈرتی ہے اس خیال سے کہ وہ اُسے کہیں مایوس نہ کردے تمھیں
آج مطمئن رہنا چاہیئے۔ میری کائنات تمھیں مایوس نہ کرے گی۔
وہاں تمھیں اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہو اپنی عقبیٰ بسر کرو۔ وہاں کی
مسرتیں آئین واصول کی پابند نہیں ہیں برخلاف اس کے کہ جنت
کی مسرتیں ناقابل برداشت ہیں وہ انسان جو مذاق صحیح رکھتا ہے
کبھی جنت کی فرسودہ مسرتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ مسرت
حقیقی مسرت نہیں رہتی جو رسوم وقیود کی پابند کردی گئی ہو اور
جس کا نظام ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا گیا ہو۔ اس میں کوئی کرشمہ
راز باقی نہیں رہتا۔

جبرائیل۔ آدم میں تم سے صرف یہ کہنے آیا تھا کہ شیطان بہرصورت
شیطان ہے اگر تم کو عقبیٰ عزیز ہے تو آج اس کے دعویٰ رفاقت
پر اعتبار نہ کرنا۔

(جبرائیل یہ کہہ کر چلے گئے)

شیطان۔ آدم! تذبذب ہی نے انسان کی دنیا برباد کی اگر وہ اسی
کیفیت میں رہا تو آج اسی طرح اس کی عقبیٰ بھی برباد ہو جائے
گی۔ میں دورنگیوں کا ہمیشہ دشمن رہا۔ اگر تم کو میری تشفیاں
مطمئن نہیں کر سکتیں تو مجھے تمہارے اضطراب سے کوئی ہمدردی

نہیں، میں نہیں چاہتا کہ تم غیر مطمئن دل لئے ہوئے میری کائنات میں قدم رکھو۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ خوش مذاق انسان دوزخ جنت کے معمے میں اُلجھ کر اپنی عقبیٰ کو ہمیشہ کے لئے برباد کر دے۔ صرف اسی لئے میں اس کی کوشش کرتا رہا کہ انسان میرے حقائق سے آگاہ ہو جائے ورنہ مجھ پر کوئی اخلاقی ذمہ داری نہ تھی تمھارا جنت سے نکال دیا جانا اور انسان کی دنیاوی کش مکش ارباب قضا و قدر کی ایک مستقل مصلحت کا نتیجہ تھی۔ مجھ پر اس کا الزام نہیں رکھا جا سکتا۔ مجھ پر کوئی فرض نہیں کہ تمھاری اعانت کروں۔ البتہ میری فطرت کی ابدی رنگینیاں ہمیشہ چاہتی رہیں کہ وہ بلند نظر انسان جنھوں نے اپنی رنگینیوں کی برکتوں سے معصیت لطیف کی حقیقتیں سمجھ لی تھیں ہمیشہ اسی فضا میں رہیں جس میں اُن کی دنیا بسر ہوئی آج میں اُنھیں انسانوں کی جزا کا ذمہ دار ہوں۔

(شیطان غائب ہو گیا)

آدم۔ جس راز کو ہم شیطان سے چھپانا چاہتے تھے وہ اُس کے ہر پہلو سے واقف ہے یہ اچھا نہیں۔

حوّا۔ پھر بھی وہ ہر طرح کی اعانت کرنے پر تیار ہے۔ کیا یہ اُس کی شرافت کی دلیل نہیں۔

آدم۔ میں دیکھتا ہوں شیطان اور فرشتوں کی رقابتیں کہیں

انسانوں کو تباہ نہ کر دیں وہ اس کی کوشش کریں گے کہ شیطان کے ہم آہنگ انسانوں کو رسوا کریں اس کے علاوہ وہ مجھ سے انتخاب نیابت کے دن سے متعصب ہیں۔

حوّا۔ مجھے بھی اپنی نسل کی بہبودی مقصود ہے لیکن میں تمہاری طرح متفکر نہیں ہوں۔ تمہیں اس قدر مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ شیطان نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ آج کے فیصلہ کا کوئی نہ کوئی راز جانتا ہے ورنہ اس قدر مسرور اور مطمئن نہ ہوتا۔ اُس کی بعض باتیں تشفی بخش ضرور تھیں۔

(یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں چلے گئے)

تیسرا منظر

ایک شخص سکوت کے عالم میں تنہا کھڑا ہوا کچھ غور کر رہا ہے گو اُس کی عمر تیس سال سے زائد نہیں لیکن کہن سالگی کے تمام آثار اُس کی صورت سے نمایاں ہیں چہرے کی ہر شکن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کبھی متبسم بھی نہیں ہوا۔ غیر معمولی سنجیدگی سے اس کی صورت مسخ ہوگئی ہے ورنہ وہ بدصورت نہیں کہا جا سکتا۔ چہرے کی پژمردگی کہتی ہے کہ اُس نے اپنی تمام عمر زہد خشک میں بسر کی۔

ایک دوسرا شخص آ گیا۔ وہ مضطرب بھی ہے اور مایوس بھی
لیکن اس کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے چہرے سے حزن و ملال ظاہر
نہ ہو۔ وہ قطعی طور پر بدصورت ہے۔ اس کی عمر تقریباً ۵۴ سال کی ہوگی
آتے ہی وہ زاہد خشک سے مخاطب ہو گیا۔

دوسرا شخص۔ جب سے میں نے اس حقیقت سرا میں قدم رکھا ہے حسن
حقیقی کی جستجو کر رہا ہوں مگر وہ مجھے کسی طرح نہیں ملتا آپ نے اس کا مشاہدہ
کیا؟

زاہد خشک۔ حسن حقیقی کیا؟

دوسرا شخص۔ وہ حقیقت جسے میں دنیا کے ہر مجاز میں تلاش کرتا رہا۔
میں سمجھتا تھا کہ اگر وہاں نہ مل سکا تو عقبیٰ میں ضرور مل جائے گا۔ لیکن
یہاں بھی وہ مفقود ہے۔ مجھے آپ کی محرومیوں پر سخت تعجب ہے
اس کی تمنا ایک طرف آپ اس کے نام و نشان سے بھی آشنا نہیں۔

زاہد خشک۔ حسن مجازی ہو یا حقیقی کوئی ایسی دولت نہیں جس کی جستجو
میں انسان اپنا وقت عزیز رائگاں کر دے۔ اگر آپ نے میری طرح
عبادت و ریاضت میں وقت صرف کیا ہوتا یہ پریشانیاں ہرگز پیش نہ
آتیں۔

دوسرا شخص۔ آپ حسن کو ناقابل توجہ سمجھتے ہیں! بدتوفیقیوں کا یہ عالم! عبادت و
ریاضت: کیا تلاشِ حسن عبادات میں داخل نہیں۔

زاہدِ خشک۔ ہرگز نہیں۔ یہ عبادت نہیں ایک طرح کا شرک ہے۔ میں ہر اس

کشش سے متنفر رہا جو میرے فرائض میں مخل ہو سکتی تھی۔ میں گناہ کبیرہ میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ میں ہر حسن کو گناہوں کا محرک سمجھتا ہوں۔

دوسرا شخص۔ آپ کے سنجیدہ لہجے سے مجھے یاد آگیا کہ میں دنیا میں آپ سے اکثر ملا ہوں۔ مگر یہ خیال نہیں کن مواقع پر؟ آپ شاید محفل سماع میں تشریف لایا کرتے تھے ممکن ہے وہیں دیکھا ہو۔ آپ اس قدر برہم کیوں ہو رہے ہیں؟

زاہدِ خشک۔ میں اور محفل سماع! استغفراللہ! سماع سے بھی مجھے کیا تعلق خدا نہ کرتا میں کسی محفل سماع میں شریک ہوتا میں کسی طرح یہ گوارہ نہیں کر سکتا تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی ایسی صحبت میں بیٹھوں جس میں شریعت کا کوئی دخل نہیں۔ میں نے عمر بھر کوئی غیر شرعی حرکت نہیں کی۔ آپ کو سخت دھوکا ہوا۔ آپ کسی صوفی سے ملے ہوں گے میں بفضلہ صوفی نہیں۔

دوسرا شخص۔ موسیقی میں شرع یا غیر شرع کیا۔ وہ خود ہی ایک مستقل شرع ہے اس کے علاوہ اصولِ طریقت نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ آپ غالباً ذوقِ لطیف سے محروم ہیں۔ ورنہ موسیقی سے اس قدر بیزار نہ ہوتے

زاہدِ خشک۔ غالباً آپ بھی اسی سماعی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جس نے حسن پرستی کو بطور ایک پیشہ کے اختیار کر لیا ہے آپ نہ حسن کو سمجھے اور نہ مذہب کو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج بھی آپ اسی طرح آوارہ گرد ہیں جس طرح دنیا میں تھے۔

دوسرا شخص۔ واقعتاً میں صوفی ہوں اور مجھے ناز ہے کہ دوسروں کی طرح میں نے اپنی عمر زہدِ خشک میں رائگاں نہیں کی۔ مجھے رقص و سرود سے انتہائی محبت تھی۔ مجھ پر محویت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ آواز کی ہر لرزش سے میں بیتاب ہو جاتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ ہر مجاز میں حقیقت مضمر ہے۔ خوب صورت گانے والے میں بھی اور گانے والے کی آواز میں بھی۔ تار و مضراب مجھے سرودِ حقیقت کا وہ نغمہ سُناتے تھے جسے آپ آج جنت میں بھی نہیں سن سکتے۔

زاہدِ خشک۔ معاذ اللہ! آپ مزامیر کا ذکر اس دیدہ دلیری سے کرتے ہیں۔ مزامیر کے ساتھ گانا قطعاً حرام ہے خوفِ خدا نے مجھے ہمیشہ ممنوعات سے دور رکھا۔ ہاں اگر خوش آوازی کے ساتھ کسی لے اشعار پڑھ دیئے اور اشعار بھی وہ جن میں فرائض کی تعلیم و تلقین ہو۔ میں سن لیا کرتا تھا۔ لیکن مجھ پر کبھی محویت نہیں طاری ہوئی۔ یہ بھی آپ کا محض ایک شرعی حیلہ ہے کہ سماع سے آپ پر انکشافِ معارف ہوتا تھا اور آپ کی خود رفتگی عالمِ بالا تک سے باخبر ہو جاتی تھی۔ میرے خیال میں تو آپ لوگ محض رسماً اور اصولاً موسیقی کے قائل تھے۔ آپ کے بر خود غلط گروہ کا انداز ہی یہی تھا کہ تمام ممنوعات کو کسی نہ کسی حیلہ سے فرائض میں داخل کر لے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ موسیقی میں وہ کون سی قوت ہے جس سے روح مسرور ہو سکتی ہے۔

صوفی - موسیقی سے صحیح طور پر متاثر ہونے کے لئے قلبِ سلیم چاہئے اور آپ کی بدقسمتی سے قلب سلیم ہی آپ میں نہ تھا۔ پھر آپ ان رموز سے کس طرح باخبر ہو سکتے تھے۔ آپ کے وظائف نے دل و دماغ کی کیفیتوں کو مضمحل کر دیا تھا اس کا اثر آپ کے چہرے پر بھی ہے۔

زاہدِ خشک - آپ کے دل میں ایمان کا شائبہ بھی نہیں۔ وظائف کے متعلق آپ اس قدر ملحدانہ خیالات رکھتے ہیں۔ اربابِ تصوف کی غلط کاریوں اور غلط بینیوں کی کوئی حد بھی ہے۔ آپ اپنی اوباشیوں کو خضرِ حقیقت سمجھتے ہیں حسن صورت کی پرستش کا یہ عذر کہ اُس میں حقیقت نظر آتی ہے آپ کے کفر و شرک کا آخری ثبوت ہی پھر بھی آپ خدا پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ کے تمام مشاغل قلب سلیم نہیں بلکہ قلبِ کثیف و حریص کا نتیجہ ہیں۔

صوفی - کیا حسنِ انسانی میں خدا کی صنّاعیاں نہیں۔ کیا اس سے حقیقت نہیں جھلکتی۔

زاہدِ خشک - کیا خدا کی صناعیاں بد قطع چہرے میں نہیں کیا ایک کریہ المنظر پیر فرتوت کے چہرے سے حقیقت نہیں جھلکتی۔ خدا کو آپ حسن ہی میں کیوں تلاش کرتے ہیں۔ بد صورتی میں بھی تلاش کیجئے۔ وہ بھی تو آخر دستِ قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ کیا یہ مضحکہ انگیز نہیں کہ آپ کی صورت کا شخص حسن کا محرم ہونا چاہے۔ آپ کو حسن سے کیا واسطہ۔

صوفی - آپ میری صورت پر حملہ کرتے ہیں یہ آپ کی صریحی بزدلی ہے۔

میں اگر بدصورت ہوں تب بھی آپ سے بہتر ہوں۔ عمر بھر میں حسن کی رنگینیوں میں محو رہا۔ اس لئے میرے چہرے کی ہر شکن میں اُس کا رنگ بھر گیا ہے۔ برخلاف اس کے اعمالِ خشک نے آپ کے چہرے پر ایک قسم کی پیوست پیدا کر دی ہے اس لئے آپ کی صورت میں اگر کوئی کشش تھی وہ بھی جاتی رہی۔ البتہ اگر آپ میری سیرت پر حملہ کرتے ہیں (برا نہ مانئے) محض رشک وحسد کی بنا پر حملہ کر رہے ہیں۔

زاہدِ خشک۔ میں اور آپ کی سیرت پر رشک کروں! بزدلی اور مکاری آپ کے ہر انداز سے نمایاں ہے۔ آپ حسن کی پرستش کرنا چاہتے تھے لیکن اتنی جرأت نہ تھی کہ بلا تکلف اور بلا خوف وہراس اُس کی پرستش میں محو ہو جاتے۔ اس لئے آپ نے مذہب کے پردے میں پناہ لی اور اپنی حیلہ سازیوں کا نام طریقت رکھا آپ اپنی آوارگیوں اور اوباشیوں کی داد چاہتے ہیں۔ انتظار کیجئے آج آپ کے پورے گروہ کو اس کی کافی داد مل جائے گی۔

صوفی۔ بزدلی ہر حیثیت سے بدمذاقی سے بہتر ہے۔ میرا یہ عذر کیا کم ہے کہ میرا مقصدِ زندگی تلاشِ حسن تھا وہ چاہے جرأت کے ساتھ ہو یا بزدلی کے ساتھ۔ میری مکاریاں بھی اس اعتبار سے مستحسن ہیں لیکن آپ کی ہر صورت سے ناقابل برداشت ہیں۔ آپ کے مقاصد بھی خشک تھے اور آپ کے ذرائع بھی، آپ حریص بھی ہیں اور مکار بھی۔ یہ ممکن ہے کہ اپنی مکاریوں کو آپ محسوس نہ کرتے ہوں مگر اس سے

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ مکار نہیں۔ حور و کوثر کی حرص میں آپ نے
عبادتیں کیں لیکن عورت اور شراب سے آپ دنیا میں اظہارِ نفرت
کرتے رہے۔ آپ کو مجھ پر کسی طرح ترجیح نہیں دی جا سکتی جنت کی
تمنا میرے دل میں بھی تھی لیکن میں نے اپنی دنیا آپ کی طرح دوزخ
نہیں بنائی۔ میں گنہگار سہی تاہم مجھ میں اور آپ میں ایک نمایاں امتیاز
ہے۔ آپ نہایت خشک اور غیر دلچسپ گنہگار ہیں۔ اس لئے میری
سزا بھی آپ کی سزا سے زیادہ دلچسپ ہوگی.....

(شیطان دفعتاً نمودار ہوگیا اُس کو دیکھتے ہی زاہد خشک سہم گیا
اُس کے ہونٹ جنبش کرنے لگے۔ لیکن صوفی مطمئن ہے اس کے اطمینان سے
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیطان سے ناآشنا نہیں۔

شیطان۔ میں آپ لوگوں کی گفتگو دیر سے سن رہا تھا مجھے مسرت ہوئی کہ آپ
لوگ بعض اوقات واقعات کو صحیح نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ البتہ
مجھے افسوس ہے کہ آپ دونوں جنت کے متلاشی ہیں آپ کو دوزخ
و جنت کی حقیقت نہیں معلوم۔

زاہد خشک۔ نعوذ باللہ......

(شیطان نے ایک خشمگیں نگاہ ڈالی زاہد سہم کر خاموش ہوگیا)

صوفی۔ یہ عادۃً پڑھ رہے تھے آپ سے ان کو واقعۃً کوئی نفرت نہیں

زاہد خشک۔ شیطان آپ کا رفیق ہوگا۔ میرا ہرگز نہیں مجھے اُس سے
بغضِ للّٰہی ہے۔

شیطان۔ آپ کی للہیت سے مجھے انکار نہیں البتہ آپ کی بدمذاقی پر متاسف ہوں۔ حقیقی انسانیت کا تقاضا تھا کہ غیر دلچسپ عقائد اور غیر دلچسپ اعمال سے تنفر رہے اور رنگینیوں سے انس و محبت لیکن ایسی بلند نظر ہستیاں دنیا میں بہت کم تھیں جو حقیقی نفرت اور حقیقی محبت کے راز سے باخبر ہوتیں پھر آپ ایسے جوان صالح سے کیا امید کی جا سکتی تھی۔ جوان صالح کا مذہب ہی یہی تھا کہ تصورات لطیف اور اعمال رنگیں سے بغض للہی رکھے وہ تو حسن کو ہمیشہ گناہ کبیرہ کا محرک سمجھتا رہا۔ حالانکہ گناہ کبیرہ کا اگر کوئی مرادف ہے تو وہی اعمال خشک جن پر آپ کی تمامتر زندگی منحصر رہی۔

زاہد خشک۔ نعوذ باللہ.....

(شیطان کی نگاہوں نے زاہد کو پھر خاموش کر دیا)

شیطان۔ یہ آپ لوگوں کا عجیب انداز ہے کہ جب آپ میرے دلائل کی تردید نہیں کر سکتے آپ فوراً توبہ و استغفار کرنے لگتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں آپ کی توبہ محض ایک اعتراف شکست ہے۔ لیکن مجھے آپ لوگوں کی اس شکست سے کبھی مسرت نہیں۔ میں نے جب کبھی چھوٹی شخصیتوں کو شکست دی مجھے ہمیشہ ندامت ہوئی کہ میں نے اپنی شان فتح مندی کو رسوا کیوں کیا۔

زاہد خشک۔ (صوفی سے مخاطب ہو کر) میں کبھی مذہبی احکام سے منحرف نہیں ہو سکتا مجھے حق ہے کہ جب چاہوں اور جس طرح چاہوں

توبہ واستغفار کروں کوئی شخص میرے عقائد و اعمال پر معترض نہیں ہو سکتا۔

شیطان۔ آپ کا لہجہ بہت کرخت ہے۔ میں کبھی ایسی آواز کا متحمل نہیں ہو سکتا اگر آپ کی آواز میں ترنم ہوتا میں آپ کی ہرزہ سرائیوں سے بھی مسرور ہو سکتا تھا۔ آخر آپ اس قدر بدلہجہ کیوں ہیں۔

صوفی۔ یہ مجھے آج پہلی بار معلوم ہوا کہ آپ موسیقی کا بھی مذاق رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ اس سے بدگمان ہوں گے۔ صرف اس بنا پر کہ اس سے روحانی حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

شیطان۔ تمہاری کج فہمیاں افسوس ناک ہیں۔ تمہارا گروہ بھی باوجود اپنے ادعائے حقیقت پرستی کے ہمیشہ حقیقتوں سے بے خبر رہا۔ نہ وہ مجاز کو صحیح طور پر سمجھا اور نہ حقیقت کو، تمہارا مجاز بھی غلط اندیشیوں پر مبنی تھا اور تمہاری حقیقت بھی۔ اگر تم میں مذاق صحیح کی رنگینیاں ہوتیں تم میری حقیقتوں سے آج بے خبر نہ ہوتے۔ دنیا میں گو میری شیطنت مجازی تھی لیکن بعض اہل نظر حقیقی شیطنت کی بھی جھلک دیکھ لیتے تھے۔ جاہل اور بد مذاق انسان ہمیشہ غیر دلچسپ بداعمالیوں کو شیطنت سمجھتا رہا پھر وہ میری روحانیت کو کس طرح سمجھ سکتا تھا۔ آج حقائق الوہیت کے ساتھ حقائق شیطنت بھی نمایاں ہوں گے۔ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میری روحانیت کے مراتب کیا ہیں۔ بہر حال تمہاری بے خبری کچھ ایسی قابل اعتراض نہیں تم رنگینیوں کے قائل تو تھے یہ دوسری بات

ہے کہ تمھاری گم راہیوں نے تمھیں حقیقی رنگینیوں سے ہمیشہ بے خبر رکھا۔ حقیقت میں نہ وہ ذرائع رنگین تھے اور نہ مقاصد، جن میں تمھارا گروہ عمر بھر مبتلا رہا۔

صوفی۔ مجھے یہ سن کر تعجب ہوا کہ آپ بھی مجاز و حقیقت کے قائل ہیں۔

شیطان۔ انسانوں کو آج ہزاروں باتیں سن کر تعجب ہوگا۔ سب سے زیادہ متعجب وہ گروہ ہوگا جس کی نمائندگی آپ کے یہ جوان صالح کر رہے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں تمھاری پیری ان کے شباب سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ ان کا شباب حقیقتہً شباب نہ تھا بلکہ محض ایک فریب پیری تھا۔ جو زہد و اتقا کی ایک ٹھوکر سے برباد ہو گیا۔

زاہد خشک (صوفی سے مخاطب ہوکر) آپ تو ہر مجاز میں حقیقت دیکھتے تھے۔ شیطان میں بھی آپ کو حقیقت نظر آتی ہوگی مجھے نہ مجاز معلوم ہے اور نہ حقیقت میں صرف عبادت و ریاضت کو بزرگ ترین حقیقت سمجھتا ہوں۔ شیطان مجھ پر طعن و تشنیع کر رہا ہے کرنے دیجیے اگر خدا کو آج مجھے متحیر کرنا منظور ہوگا میں تحیر ہی کو اپنا اجر سمجھوں گا۔ شیطان کو نہ میری عبادت سے واسطہ تھا اور نہ اُسے حق ہے کہ میرے اجر کے مسئلہ پر مضحکہ کرے۔

شیطان۔ مجھے انسان کے ہر عمل سے تعلق اور اُس کے ہر اجر سے واسطہ ہے۔ میں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اُس کی زندگی میں حصہ لوں ورنہ خدا کو اگر مجھے کوئی سزا دینی منظور ہوتی جس طرح آدم

کے لیے ایک نئی دنیا قائم کی گئی تھی میرے لیے بھی ایک ویرانہ مخصوص کر دیا جاتا تاکہ میں اس میں تنہا مقید رہوں۔ لیکن اس کے برعکس میں دنیا کی آبادی میں نہایت وسیع اختیارات کے ساتھ بھیجا گیا۔ اصلاح انسانی میری زندگی سے وابستہ تھی مجھے حق دیا گیا تھا کہ میں انسان کے ہر عقیدہ و عمل میں مداخلت کروں۔ آپ اپنی جہالت کو دور کیجئے اور اپنے اس لایعنی اتقا سے توبہ کیجئے ورنہ آج آپ کی پشیمانیاں معلوم نہیں آپ کے ساتھ کیا کریں۔ دنیا میں آپ بضد رہے نتیجہ یہ ہوا کہ تمام حقیقتیں آپ کی متقی نگاہوں سے چھپ گئیں اگر آج بھی آپ کا جہلِ مرکب یوں ہی رہا آپ کی جنت معلوم۔

زاہد خشک۔ تمہارا کیا مطلب ہے۔ میں دوزخ میں چلا جاؤں؟ تم اسی وقت مطمئن ہوگے۔ جب میرا سرمایۂ اتقا اس شیطانی آگ میں جل جائے۔

شیطان۔ کیا دوزخ اور دوزخ کی آگ میں نے بنائی تھی؟ آپ اُسے شیطانی کہتے ہیں۔ کیا آپ کے نقطۂ نظر سے یہ جملہ کفر و شرک میں شامل نہیں ہو جاتا۔ بے وقوف انسان اپنی حماقت کے جوش میں وہ سب کچھ کہہ گزرتا ہے جس سے وہ روکا گیا تھا۔

زاہد خشک۔ یہ محض تمہاری شیطنت کے اثر سے۔ اگر میں صحیح راستے سے بہک گیا تو اس کی ذمہ دار تمہاری اشتعال انگیز گفتگو تھی۔

میں تم سے اس لئے گفتگو نہیں کرنا چاہتا کہیں کوئی قابل گرفت جملہ میری زبان سے نہ نکل جائے مجھے توبہ کر لینے دو۔

شیطان - بالآخر آپ نے میرے اثر اور میری اہمیت کا اعتراف کیا لیکن مجھے اپنی کامیابی پر کوئی فخر نہیں ہو سکتا میری شیطنت اس قدر بلند نظر ہے کہ ایک نا قابل اصلاح گروہ سے کبھی مخاطب نہیں ہوئی بد مذاق انسان کو متاثر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

صوفی - آپ کی گفتگو ایک عجیب معما ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے خیالات سے اتفاق کروں یا اختلاف۔ دنیا میں بہت سے واقعات ایسے تھے جن کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور، ہر مجاز میں حقیقت ہوتی ہے ممکن ہے آپ کی منطق صحیح ہو۔

زاہد خشک - اسی طرح تم دوزخ کے مجاز میں جنت کے حقائق دیکھو گے

شیطان - میں آپ کی ذہانت کا قائل ہو گیا - آپ ایک مختصر جملے میں ہزاروں واقعات کہہ گئے میں تو ہمیشہ یہ سمجھتا رہا وعظ و تلقین سے خیالات کی صحت ہو سکتی ہے۔ میں آپ سے قطعاً مایوس ہو گیا تھا لیکن اب خوش ہوں کہ تعصب کو علیحدہ رکھ کر آپ نے حقائق کو سمجھنے کی نہایت دلیرانہ کوشش کی ہے ورنہ کم ور طبیعت والوں کی زبان سے یہ جامع الفاظ کبھی ادا نہیں ہو سکتے تھے۔

زاہد خشک - خدا مجھے گمراہیوں سے بچائے میرا مفہوم یہ ہرگز نہیں تھا کہ دوزخ حقیقتہً جنت کا کوئی پردہ ہے میرا جملہ محض طنزیہ تھا

شیطان۔ مشکل تو یہ ہے کہ متقی گروہ کا لہجہ ہمیشہ کے لئے خراب ہو چکا ہے
آپ لوگ ہر بات طنزیہ لہجے میں کہتے ہیں اور کوئی امتیاز ہی نہیں
کر سکتا کہ کہاں طنز ہے اور کہاں نہیں، البتہ اس میں آپ کے لئے
ہمیشہ تحفظ کی ایک صورت پنہاں رہی۔ جب کبھی آپ کو اپنے کسی
جملہ پر ندامت ہوئی آپ نے فوراً یہ حیلہ پیش کر دیا کہ وہ محض
طنزیہ تھا۔

صوفی۔ زاہد کا جو مفہوم ہو میں اس جملہ سے قطعاً بری الذمہ ہوں۔ میں
جنت کی حقیقتوں کو دوزخ کے مجاز میں دیکھنا نہیں چاہتا۔ دوزخ
جانے کے لئے میں ہرگز تیار نہیں چاہے اس کے ہر پردے
میں ہزاروں جنتیں پنہاں ہوں میں ایسی حقیقت کے تماشے کے لئے
تیار نہیں جو مصائب کے مجاز میں مضمر ہو۔

زاہد خشک۔ تمہارے مجاز و حقیقت کا راز کھل گیا۔ تم لوگ مجاز بھی
دلچسپ چاہتے ہو اور حقیقت بھی اگر حقیقت پرستی کا دعویٰ ہے
تو دوزخ جانے سے تم کو پرہیز نہ کرنا چاہیئے۔ ممکن ہے اس کے
مصائب میں تم کو حقیقت نظر آجائے اور تمہاری عمر بھر کی جستجو
کامیاب ہو۔

شیطان۔ یہ صحیح ہے کہ مدعیانِ تصوف کی نادانیوں نے انھیں حقائق سے
بے خبر رکھا۔ لیکن صوفی کی بزدلی اور نادانی کو میں زہد و اتقا کی
بد توفیقیوں پر ترجیح دیتا ہوں......

(ایک مرد اور دو عورتیں قریب آتی ہوئی نظر آئیں ایک عورت جس کا سن تقریباً بائیس برس کا ہوگا حسن کا ایک مجسمہ ہے جس کا ہر انداز بہار کی ایک مستقل فضا ہے، اس کے چہرے پر شباب کا تبسم اور حرکات شیریں کی رنگینیاں جھلک رہی ہیں دوسری عورت کی بھی عمر یہی ہے لیکن وہ شدت کے ساتھ بدصورت ہے۔ اُس کے خط و خال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گناہوں سے ہمیشہ خائف رہی۔ مرد نہایت وجیہہ ہے اُس کے ہر انداز سے ذہانت ٹپکتی ہے۔ اُس کا شباب اُس کی آنکھوں کی دلاویزی اور چہرے کی تمام کیفیتوں سے نمایاں ہے۔)

شیطان۔ (صوفی سے) دیکھو یہ خوب صورت عورت کائنات کی اہم ترین حقیقت ہے یہی وہ ہستی ہے جو خود اپنا مجاز ہے اور خود اپنی حقیقت اُس کی گفتگو میں موسیقی کے تمام رموز پوشیدہ ہیں۔ اُس کی نسوانیت میں فطرت کی ہزاروں حقیقتیں مضمر ہیں۔

(سب قریب آگئے)

زاہد خشک۔ (آہستہ صوفی سے) کیا یہ حور ہے؟ حور ہی ہوگی میں نے ایسی صورت کبھی دنیا میں نہیں دیکھی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری ریاضتیں کامیاب ہوئیں۔

صوفی۔ یہ حور نہیں عورت ہے دنیاوی عورت۔ اگر اس عورت کو دنیا میں تم ایک بار صحیح نظر سے دیکھ لیتے تمہارا قلب اس قدر لطیف

ہو جاتا کہ پھر فرائض کا بار تم سے نہ اُٹھ سکتا۔ دوزخ کی دھمکی بھی تمھیں اُس سے علیحدہ نہ کر سکتی۔

شیطان۔ جو انابن صالح نے تو محض اس حرص میں حسین عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کی تھی کہ جنت میں اُن کو حسین تر حوریں ملیں گی۔ مگر اس وقت وہ محسوس کرتے ہوں گے کہ انھوں نے دنیا میں اپنی تمام جنتیں اپنے ہی ہاتھوں برباد کر دیں۔ مجھے اُن کی پشیمانیوں سے ہمدردی ہے۔

خوبصورت عورت۔ (شیطان سے، صوفی کو تو میں جانتی ہوں گو اس سے بے تکلف نہیں لیکن یہ دوسرا شخص کون ہے میری صورت دیکھتے ہی اُس کے چہرہ پر کچھ حریصانہ پریشانی سی پیدا ہو گئی وہ تبسم نہیں جو ہر رنگین مذاق انسان کے لبوں پر مجھے دیکھ کر رقص کرنے لگتا ہے۔ آج میں برابر پھرتی رہی۔ ہجوم حشر گرمی سے پریشان تھا۔ سب کی آنکھیں آنسوؤں سے تقریباً بند تھیں لیکن پھر بھی میری طرف سے لوگوں کی نگاہیں نہیں ہٹیں۔ ایک غیر معمولی طور پر متقی گروہ (صورت سے وہ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا) مجھے دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ وہ سب ایک دوسرے سے کچھ باتیں کرنے لگے میں نے صرف ہاروت و ماروت کا نام سنا۔ میں نے جب اُنھیں بغور دیکھا وہ سب شرما گئے۔ شرم آتی تو مجھے آتی معلوم نہیں وہ کیوں شرمندہ ہو گئے

شیطان۔ وہ گروہ فرشتوں کا تھا بیچارے سب کے سب نہایت معصوم ہیں۔ تمھیں دیکھتے ہی اُنھیں اپنی عصمت و بے چارگی کا خیال آگیا ہوگا

اصل میں وہ احساس مجبوری تھا یا اظہار ندامت۔ جسے تم شرم سمجھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے حسن سے متاثر ہو کر وہ محجوب ہو گئے ہوں اُن کا حجاب بالکل نسوانی حجاب ہو گا یعنی ایک طرح کا اعترافِ کشش۔ عورت جب جذبہ رجبت سے متاثر ہو جاتی ہے اُس کی بیباکیاں حیا سے بدل جاتی ہیں اُس کا حجاب اس امر کا اعتراف ہوتا ہے کہ وہ اپنے محبت کرنے والے سے خود محبت کرنے لگی۔

خوبصورت عورت۔ مگر میں کسی ایسے شخص سے محبت نہیں کر سکتی جس کے زہد و اتقا نے اُسے سنگدل اور بے حس بنا دیا ہو۔ میں نے اُس گروہ کو نگاہِ محبت سے نہیں بلکہ محض نگاہِ تاسف سے دیکھا تھا کہ اُن کی عصمت نے اُن کو اس قدر غیر دلچسپ بنا دیا ہے۔

خوبصورت مرد۔ اتقا کے جو اثرات چہرے پر پڑتے ہیں اُسے چاہے شرم کہا جائے یا ندامت، مفہوم ایک ہی ہے۔ معصوم ہستیوں کے چہرے کی مستقل کیفیت ہی یہی ہوتی ہے یہ غلط ہے کہ کسی جذبہ سے متاثر ہو کر اُن کا رنگ بدل سکتا ہے اُن میں یہ صلاحیت کہاں۔ وہ ہر لطیف جذبہ سے محروم ہیں۔ اُنھیں حسن متاثر کر ہی نہیں سکتا۔

شیطان۔ (خوبصورت عورت سے) یہ بیچارے زاہد بھی فرشتوں کی طرح معصوم ہیں۔ ان کے اتقا کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔ مجھے فی الحال جزا و سزا کے بعض مراحل طے کرنے ہیں اس لئے میں جا رہا ہوں۔ ان کی پارسائی بظاہر ناقابل

اصلاح ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ تمہارا حسن انھیں جو کچھ سمجھانا چاہے گا۔ سمجھا دے گا۔ (صوفی) تم ہی میرے ساتھ آؤ تمھیں مجاز و حقیقت کا تماشا دکھلاؤں۔

(شیطان اور صوفی دونوں چلے جاتے ہیں)

زاہد خشک۔ (خوب صورت عورت سے) آپ صورت سے بہت متقی معلوم ہوتی ہیں مجھے آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی۔

خوبصورت عورت۔ آپ نے میری صورت میں کیا نقص دیکھا جسے آپ اتقا کہتے ہیں۔ آپ کو دھوکا ہوا۔ میں متقی نہیں بلکہ خوب صورت ہوں۔ آج میں نے پہلی بار یہ سُنا کہ میرے چہرے سے لایعنی اتقا نمایاں ہے۔

زاہد خشک۔ اتقا حسنِ سیرت کا نام ہے۔ اُس کا اثر لازمی طور سے چہرے پر پڑتا ہے۔ آپ خوب صورت بھی ہیں اور معصوم بھی۔

خوبصورت مرد۔ حسن خود ہی اپنی عصمت ہے اُس کے لئے نہ عملی اتقا کی ضرورت ہے اور نہ حسنِ سیرت کی۔ خوبصورت کے ساتھ معصوم کا لفظ آپ نے بے کار کہا۔ حسن غیر معصوم ہو ہی نہیں سکتا۔ اُس سے وہ اعمال سرزد نہیں ہو سکتے جو حسن و شباب کی رنگینیوں کے دشمن ہیں اور جنھیں فرائض کہا جاتا ہے در اصل ایسے ہی فرائض صورت کو غیر معصوم بنا دیتے ہیں۔

زاہد خشک۔ معاذ اللہ آپ مذہب و اخلاق کی توہین کر رہے ہیں استہزا

انتہائی معصیت میں داخل ہے۔ آپ کے نزدیک مذہب و اخلاق کوئی چیز نہیں۔

خوبصورت مرد۔ حسن خود ہی اپنا مذہب ہے اور خود ہی اپنا اخلاق۔ مذہب حسن میں معصوم اور غیر معصوم کا امتیاز عام مذاہب سے بالکل مختلف ہے۔ حرکات رنگیں عام مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے کتنے ہی مذموم و ممنوع کیوں نہ ہوں شرع حسن میں مستحسن اور معصوم قرار دیئے جا چکے ہیں۔ جسے آپ اتقا کہتے ہیں وہ حقیقتاً ایک جرم ہے جس سے خیالات میں بھی ایک مجرمانہ بزدلی پیدا ہوجاتی ہے اور اعمال میں بھی۔ اتقا سے چہرے پر ایک قسم کی کبیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جوان صالح کی وضع و قطع کو دیکھ کر ہر خوش مذاق انسان کو حقیقی عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ اس کے مقابلہ میں حرکات لطیف کے اثرات دیکھئے اُن کی جھلک چہرے کو اس قدر دلآویز بنا دیتی ہے جس نے آج آپ کے ایسے تنگ نظر انسان کو گرویدہ کر لیا۔

زاہد خشک۔ تم اس طرح کے عقائد لے کر یہاں آئے ہو۔ کیا تمھیں یہ نہیں معلوم کہ آج عقائد و اعمال کی جزا و سزا ہوگی۔

خوبصورت مرد۔ میں نہ جزا و سزا کو اس قدر اہم سمجھتا ہوں اور نہ حشر و نشر کو کہ اپنی زندگی کے بہترین لمحوں کو اُن پر قربان کر دیتا۔ آپ شاید ہمیشہ قیامت ہی کو ڈرتے رہے ورنہ آپ اعمال سے زیادہ اُن کے اجر سے خائف نہ ہوتے۔ آج کا مرحلہ کوئی منزل نہیں

یہ محض ایک وقتی حادثہ ہے جس سے زندگی کا سلسلہ ٹوٹ نہیں سکتا۔

خوبصورت عورت۔ جس طرح زہدِ خشک حسن کے فتوحات میں حارج نہیں ہو سکتا۔

زاہدِ خشک۔ (خوبصورت عورت) کم از کم مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی کہ ایسے ملحدانہ خیالات میں آپ ان کی ہم آہنگ ہوں گی۔ مجھے آپ سے مایوسی ہو رہی ہے۔

خوبصورت مرد۔ زہدِ خشک کو کوئی حق نہیں کہ حسن سے کسی قسم کی امید رکھے۔ جوانِ صالح رموزِ حسن کا ہرگز محرم نہیں ہو سکتا۔ یہ صریحی گستاخی ہے کہ آپ حسن سے ہمدردی کی توقع رکھتے ہیں۔ گستاخی کی بہترین سزا مایوسی ہے

زاہدِ خشک۔ آج حسن و شباب کی بھی پرسش ہوگی۔ اس وقت یہ معما خود بخود حل ہو جائے گا کہ کس کو کس سے امید قائم رکھنی چاہیئے۔

خوبصورت مرد۔ آپ ہمیشہ اعمال خشک میں منہمک رہے۔ اس لئے آپ کے دل و دماغ میں سوا جزا و سزا کسی اور جذبے کی گنجائش ہی نہیں۔ اگر محض آپ کے اعمال خشک ہوتے میں تھوڑی دیر کے لئے انھیں معاف کر سکتا تھا لیکن عقائد کی خشکی کو میں کبھی معاف نہ کروں گا۔

خوبصورت عورت۔ (زاہد سے) تمھیں اپنے غیر دلچسپ اعمال و عقائد سے توبہ کر لینی چاہیئے۔ تمھاری سنگدلی اور تمھارا یہ ناقابل برداشت

اتقا میرے حسن کی ایک مستقل توہین ہے۔

بدصورت عورت۔ میں نے بہت صبر کیا لیکن اب خاموش نہیں رہ سکتی۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتی کہ تم اپنے گمراہ حسن کی نمود و نمائش سے ایک متقی کا سارا سرمایہ اتقا تباہ کر دو۔

خوبصورت مرد۔ زاہد کا اتقا دراصل اتقا نہیں بلکہ سنگدلی ہے صحیح اتقا تو وہ ہے جو لطیف مواقع پر خود بخود ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ حسن لطیف کی ایک شان بے نیازی ہے جو ناز بھی بن سکتی ہے اور نیاز بھی۔ زاہد حسن خیال سے اسی طرح بیگانہ ہے جس طرح تم حسن صورت سے۔ وہ نسوانیت کا بھی صحیح تخیل نہیں قائم کر سکتا۔ غیر منکوحہ حسن کا قائل نہیں وہ صرف اسی عورت کو حقیقی معنوں میں عورت سمجھتا ہے جس سے اسے دنیاوی رسوم و قیود نے وابستہ کر دیا تھا۔

زاہد خشک۔ تم نکاح کی بھی تضحیک کرنا چاہتے ہو۔ شرعی حکم اور اس کے متعلق اس قدر استہزا۔ کیا نکاح کا احترام اس کا مقتضی نہیں کہ انسان اسی عورت کا قائل رہے جسے مذہب نے اسے سپرد کیا۔

خوبصورت مرد۔ میرے نزدیک دو مختلف الہیت انسانوں کی وابستگی چاہے محبت کی بنا پر ہو یا نکاح کی بنا پر کسی طرح جائز نہیں۔ بدصورت اور بد مذاق مرد ہو یا بدصورت اور بد مذاق عورت دونوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ حسن پر حریصانہ نگاہیں ڈالے یا اس پر کوئی مستقل

اثر قائم کرنا چاہیے۔

خوبصورت عورت۔ غالباً نکاح اور اسی طرح کی دوسری مستقل بندشیں بدصورت لوگوں نے ایجاد کی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ جس عورت یا مرد نے اس رسم کو ایجاد کیا تھا وہ قطعاً بدمذاق اور بدہیولہ تھا اُس کے پاس حسن کی کوئی ایسی کشش نہ تھی جو دونوں کو متحد رکھتی اس لیے ایک غیر فطری بندش کی تلاش ہوئی جو دو انسانوں کو جنھیں ایک دوسرے سے کوئی وابستگی نہیں۔ مجبوراً متحد رکھے۔ نکاح پر وہی عورت مصر ہوتی ہے جسے فطرت نے حسن سے قطعاً محروم رکھا ہے

خوبصورت مرد۔ نکاح ایسے ہی بدنصیب انسانوں کے لیے فرض کیا گیا تھا (بدصورت عورت سے) میں نے انھیں مصلحتوں کے خیال سے تمھیں صلاح دی تھی کہ تم کسی بے حس انسان کے ساتھ شادی کرلو۔

بدصورت عورت۔ تم نہایت بے رحمی کے ساتھ مجھے میری پچھلی زندگی یاد دلا رہے ہو۔ اگر میں بدصورت ہوں تمھیں مجھ پر افسوس کرنا چاہیئے۔ کیا میں تمھاری ہمدردی کی کسی طرح مستحق نہیں ہوسکتی۔

خوبصورت مرد۔ میں بدصورت اور خشک سیرت انسان سے کوئی ہمدردی نہیں کرسکتا۔ تم بدصورت ہونے کی وجہ سے فطرت کی ایک ناقابل عفو مجرم ہو۔ تم پر افسوس کرنا افسوس کو ضائع کرنا ہے تم عورت تھیں تمھیں بدصورت ہونے کا ذرا بھی حق نہ تھا۔ تمھاری سزا یہی ہے کہ تم سے نفرت کی جائے نہ تم دنیا کے لیے کوئی پیام

مسرت رکھتی تھیں اور نہ عقبیٰ کے لئے۔ دنیا میں تم نے مجھے بہت پریشان کیا لیکن میں نے کارِ خیر کے طور پر بھی تم سے ایک لمحہ کے لئے محبت نہیں کی۔

خوبصورت عورت۔ میں نے بھی نہ کسی بد قطع اور بد مذاق مرد سے محبت کی اور نہ اُسے اپنے حسن سے محبت کرنے دی۔

زاہد خشک۔ معاذ اللہ! حسن و شباب کا تذکرہ ایک عورت کرے اور اس دیدہ دلیری سے! اس کا انجام خدا ہی جانتا ہے کیا ہو۔

بدصورت عورت۔ حسن و عشق نے تم دونوں کو گمراہ کر دیا ہے نہ تم کو گناہ و ثواب کا ہوش ہے اور نہ تمہاری محبوبہ میں حیا و شرم کی گنجائش جس حسن کا یہ انداز ہو، اس کی سزا جس قدر ہو کم ہے۔ حسن نے تم کو جس معصیت میں مبتلا کر دیا اُس کا احساس تم کو اُس وقت ہو گا جب خدا اور فرشتے تمہاری تنبیہ کریں گے۔

خوبصورت مرد۔ خدا کبھی تنبیہ نہیں کرتا یہ ناخوشگوار حرکت اُس نے تنگ نظر اور کینہ خیال انسان کے لئے مختص کر دی ہے۔ وہ کبھی کسی کو سزا نہیں دیتا۔ تم کو معلوم نہیں حسن کیا ہے اور اُس کا ارشاد کس احترام کا مستحق ہے۔ جس کے اصرار سے ہر معصیت ایک خوش مذاق انسان پر فرض ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک کریہہ النظر اگر فرائض کی تلقین کرے وہ بھی ممنوعات میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تم اگر مجھکو صوم و صلوٰۃ کی ترغیب دیتیں! میں سمجھتا کہ مجھے گمراہی کی

طرف لئے جا رہی ہو۔

بدصورت عورت۔ دنیا میں مجھے تمھاری محبت کی پرواہ تھی لیکن آج قطعاً نہیں۔ میری صورت کی جو سزا تمھارے ذریعہ سے ملتی تھی وہ دنیا ہی میں مل گئی لیکن آج میری کامیابی کا دن ہے۔ مجھے خدا حسنِ سیرت کی جزا دے گا۔ میری نیکیاں میری تشفی کے لئے کافی ہیں۔

خوبصورت مرد۔ جسے تم حسن سیرت کہتی ہو وہ حقیقتاً روح کی پژمردگی ہے جو لطف و انبساط سے ہمیشہ تم کو محروم رکھے گی۔ حسن سیرت بلا حسن صورت کے پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ بہر حال تمھارا یہ اطمینان بھی کہ تمھاری نیکیوں کی جزا آج تمھاری دنیا کی تلافی کر دے گی میری بے التفاتیوں کا ممنون ہے۔ تمھیں میرا مشکور ہونا چاہیئے۔ عورت جب محبت میں ناکام رہتی ہے کارہائے خیر میں منہمک ہو جاتی ہے وہ محض مجبوراً اور ایک حیثیت سے انتقاماً متقی ہو جاتی ہے۔ محبت کی شکست اُسے مجبور کر دیتی ہے کہ وہ محض عقائد و فرائض کی خشکیوں پر ہمیشہ کے لئے قناعت کر لے۔ بدصورت عورت مجبور ہے کہ رنگین مذاق انسانوں سے مایوس ہو کر عصمت و اتقا کی طرف جھکے لیکن ایک خوبصورت اور لطیف سیرت عورت کے لئے ہزاروں مشغلے ہیں وہ اُنھیں کی رنگینیوں میں محو رہتی ہے وہ زہد و اتقا کی محتاج نہیں اُس کا حسن عصمت و عفت کی لایعنی بندشوں سے فطرۃً

آزاد ہے اُس کا ہر انداز حقیقی اتقا اور اس کی ہر روش حقیقی عصمت ہے۔

خوبصورت عورت۔ اس کے علاوہ ہزار نیکیاں اور ہزار جنتیں بدصورتی کی تلافی نہیں کر سکتیں۔

بدصورت عورت۔ کیا محبت بھی بدصورتی کی تلافی نہیں کر سکتی۔ میں جانتی تھی کہ بدصورت ہوں۔ یہ بھی جانتی تھی کہ تم خوبصورت ہو۔ لیکن میں سمجھتی تھی کہ میرا جذبۂ محبت تم دونوں کے رشتۂ محبت کو توڑ دے گا۔ مجھے ان سے جس قدر محبت تھی تم اُس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ اس قدر محبت تم دونوں نے ایک دوسرے سے عمر بھر نہ کی ہو گی۔ تاہم میں ناکام رہی۔ باوجود میری انتہائی محبت کے اُنھوں نے کبھی میری صورت کو معاف نہیں کیا۔ خدا آج ان کے اس گناہ کو معاف نہ کرے۔

خوبصورت مرد۔ محبت ایک لطیف مشغلہ ہے اُس کی لطافت کا یہ تقاضا ہے کہ حد سے زیادہ گزرنے نہ پائے ورنہ اُس کی تمام رنگینیاں ایک لمحہ میں فنا ہو جائیں گی۔ انتہائے محبت میں ہلاکتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ محبت کرنے والا چاہتا ہے کہ اپنی ہستی کی طرح اپنے محبوب کی ہستی کو بھی تباہ کر دے۔ اگر محبوب بھی اپنی بربادیوں میں معین ہو گیا حسن بھی برباد ہو جاتا ہے اور محبت بھی۔

خوبصورت عورت۔ حسن کبھی مصائب کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں

ہلاکت آمیز محبت کو ہمیشہ اپنی توہین سمجھتی رہی۔ تمھیں اپنی غلطی پر نادم ہونا چاہیے۔ لیکن تم آج جوشِ غضب میں اپنے محبوب کو بد دعا دے رہی ہو۔ کیا یہ بھی محبت کا تقاضا ہے۔

خوبصورت مرد۔ بدصورت انسان انتقاماً بدنفس ہو جاتا ہے۔ وہ ہر انسان کا دشمن ہے اور ہر انسان کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اُس کی ازلی محرومیاں اُسے ہر اُس شخص سے بدگمان کر دیتی ہیں جسے فطرت نے حسنِ صورت بھی دیا ہے اور حسنِ مذاق بھی۔ برخلاف اس کے حسن خود اپنی کشش اور اپنے اقتدار پر اعتماد رکھتا ہے۔ اس لئے اُسے دوسروں سے نہ کوئی کاوش رہتی ہے اور نہ کوئی بغض۔ مجھے اس بدنصیب عورت کی کاوشوں پر افسوس ہے۔

بدصورت عورت۔ اگر میں نے عمر بھر تم سے نفرت کی ہوتی مجھے وہی صلہ ملتا جو تم نے میری محبت کا دیا۔ کوئی وجہ نہیں کہ میں آج تم سے نفرت کروں

خوبصورت مرد۔ میں تمھاری محبت کا کوئی صلہ نہیں دے سکتا تھا۔ تم نے مجھ سے شدت کے ساتھ کیوں محبت کی۔ یہ محض تمھاری تنگ نظری تھی۔ میں اسے ابتذال سمجھتا ہوں کہ دوسروں کی بے اعتنائیوں میں انسان اپنے احساسات کو قربان کر دے۔ تمھاری سب سے بڑی بدمذاقی یہی تھی کہ باوجود میری بے التفاتیوں کے تم مجھ سے خود فروشانہ محبت کرتی رہیں۔ اگر تم محبت کئے جانے کے قابل بھی ہوتیں میں محض تمھارے اس جرم پر تم سے متنفر ہو جاتا کہ تمھارے جذبات میں خودداری نہیں تھی

آج تم مجھ سے اظہارِ نفرت کر رہی ہو میرے نزدیک تم ایسی بدقسمت ہستیوں کی محبت اور نفرت دونوں ناقابلِ لحاظ ہیں۔

بدصورت عورت۔ میں تو حساب و کتاب کی منتظر ہوں، تمہاری ان بزعمِ خود غلط محبوبہ کے حسن اور تم ایسے صحیح قسم کی محبت کرنے والوں کا حشر دیکھنا چاہتی ہوں۔ دیکھوں اس وقت تمہاری رنگینیاں تم کو کہاں لے جاتی ہیں۔

زاہدِ خشک۔ یہ آواز تو میری بیوی کی معلوم ہوتی ہے! میں یہ کیا سُن رہا ہوں!!! شادی شدہ عورت اور پھر میری بیوی دوسروں سے محبت اور اس طرح کی غیر شرعی محبت۔

بدصورت عورت۔ یہ کیا ہوا!! میری دنیا بھی گئی اور عقبیٰ بھی!

خوبصورت عورت۔ کیا تمہاری عقبیٰ بھی اُسی پر منحصر ہے جس پر دنیا وی رسم و رواج نے تمہاری دنیا کا انحصار کیا تھا۔ میری عقبیٰ تو میری ازلی اور ابدی رنگینیوں پر مبنی ہے۔ نہ دنیا میں میرے لئے کوئی رکیک بندش تھی اور نہ آج ہے۔

خوبصورت مرد۔ ایک لایعنی عورت کی عقبیٰ سوا ایسے بدمذاق شخص کے اور کس پر منحصر ہو سکتی ہے جس کی دنیا محدود ہو اُس کی عقبیٰ کا محدود ہونا لازمی ہے۔

زاہدِ خشک۔ میں محض تم لوگوں کی ضد میں اپنی بیوی کا قصورِ محبت معاف کئے دیتا ہوں۔ اس نے گناہ کبیرہ کیا لیکن کوئی مضائقہ نہیں اُس کا

یہ عذر کیا کم ہے کہ اُس کی محبت ناکام رہی اور نہ میرے حقوقِ شوہری کو کوئی صدمہ پہنچا۔ اس کے علاوہ اُس کے اتقا اور اس کی ریاضتوں کا تقاضا یہی ہے کہ میں اُس کی اس لغزش کو معاف کر دوں۔

خوبصورت مرد۔ اتقا کا یہ معیار خوب ہے! اس لایعنی منطق سے تم ایسے نادان اپنے نفس کو ہمیشہ دھوکے میں رکھتے ہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ اُس نے غلط قسم کی محبت کی تھی اُس کی کامیابی اور ناکامی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا عفتِ نسوانی اُسی وقت فنا ہو گئی جب اس کے دل و دماغ میں اس محبت کا نقش قائم ہوا۔ اگر اس کی محبت صحیح تھی پھر نہ اتقا کا سوال آتا ہے اور نہ عفت کا۔ تم لوگوں کی جہالت کی یہ انتہا ہے کہ حسن و محبت کے مشاغل کو ہر صورت میں عفت و عصمت کے منافی سمجھتے ہو۔

بدصورت عورت۔ (زاہد سے) تم دیر سے باتیں کر رہے تھے مگر میں نے تمھیں نہیں پہچانا تھا لیکن ابھی جب تم نے میری محبت پر اظہارِ تعجب کیا مجھے دفعتاً تمھارا لہجہ یاد آ گیا۔ پھر تمھاری صورت پر غور کیا تو وہ سنجیدگی نظر آ گئی جسے میری نگاہیں عمر بھر دیکھتی رہی تھیں۔

خوبصورت مرد۔ وہی سنجیدگی جسے تم نے پہلی بار نکاح کی شبِ اولیں میں اُس کے چہرے پر دیکھا تھا؟

زاہد خشک۔ تمھیں ہم دونوں کے شرعی تعلقات پر مضحکہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میں اپنی بیوی کے ہر جرم کو معاف کرتا ہوں۔ تمھاری

اشتعال انگیز گفتگو کا یہی جواب ہے۔ مجھے جو کچھ شکایت ہے وہ یہ
کہ اس نے تم ایسے گمراہ انسان سے محبت کیوں کی لیکن اب کوئی
شکایت نہیں۔ میں نے اسے ہر حیثیت سے معاف کر دیا۔

بدصورت عورت۔ مجھے حیرت ہے کہ تم باوجود اپنی سنگدلی اور تنک مزاجی
کے اس قدر رحم دل اور بلند حوصلہ کس طرح ہو گئے۔ مجھے تم نے فوراً
معاف کر دیا! دنیا میں جب کبھی تم مجھ سے برہم ہوتے تھے تمہارے
دل سے شکایتیں کبھی نہیں جاتی تھیں۔ تم اپنے وظائف کو محض اس لئے
طویل کر دیا کرتے تھے کہ مجھ سے گفتگو کے مواقع نہ رہیں۔ بہرحال
آج تو تم نے مجھے معاف کر دیا اور اب اپنی معافی کو واپس نہیں
لے سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ اس عورت کے حسن نے تمہیں مسخر کر لیا
ہے۔ اس لئے تم مجھ سے قطعاً بے نیاز ہو گئے ہو۔ اسی بیگانگی نے
تم کو میری لغزشوں پر غور کرنے نہیں دیا۔ ورنہ اگر تمھیں آج بھی
میرا خیال ہوتا تم اس طرح بیگانہ وار کبھی مجھے قابل معافی نہ سمجھتے۔

خوبصورت مرد۔ عورت کی یہ فطرت ہے کہ جب اس کے کسی جرم کو
مرد معاف کر دیتا ہے اس کا شکریہ وہ الزامات کے ذریعے
سے ادا کرتی ہے۔

زاہد خشک۔ میرے اور تمہارے باہمی حقوق و فرائض دنیا ہی تک محدود
تھے۔ یہاں تمھیں میرے افعال کی گرفت کا کوئی حق نہیں۔ اگر میں
نے تمہاری طرح دنیا میں گناہ محبت کا ارتکاب کیا ہوتا تمھیں دار وگیر

کا حق ہو سکتا تھا۔

خوبصورت عورت۔ کیا تمھیں اس بدقطع عورت سے محبت تھی۔

زاہد خشک۔ محبت ضرور تھی مگر غیر شرعی نہیں۔ میں نے کبھی اُس کی محبت میں اپنے فرائض ترک نہیں کئے۔

خوبصورت عورت۔ اگر میں تمھاری بیوی ہوتی تم کو اُن فرائض کے ترک پر مجبور کر دیتی جنھوں نے تمھاری انسانیت کو قطعاً فنا کر دیا ہے۔ لیکن تم پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا ایسی بدصورت عورت کی محبت میں فرائض کیا نوافل کو بھی ترک نہ کرنا چاہیئے۔

خوبصورت مرد۔ جب ایک لایعنی عورت کسی کی زندگی کی معصیت بن جاتی ہے وہ صرف خدا ہی کی درگاہ میں پناہ لے سکتا ہے اور کہیں نہیں۔ تمھارے زہد خشک کا باعث شاید یہی ہے۔

خوبصورت عورت۔ تمھاری بیوی کے عکس نے تمھارے چہرے کو بدرنگ بنا دیا ہے ورنہ تم اپنے نکاح سے پہلے ایسے بدقطع نہ تھے۔ تمھاری بد توفیقیوں کے علاوہ اس عورت نے بھی تمھارے جسم اور تمھاری روح دونوں کو رنگینیوں سے محروم کر دیا ہے۔

بدصورت عورت۔ تمھاری یہ لاابالی گفتگو تمھیں کہیں زاہد سے الجھا نہ دے زہد خشک کو چھیڑنا خطرات سے خالی نہیں مجھے اس کا کافی تجربہ ہے۔ غالباً شیطان تمھیں یہاں اس لئے چھوڑ گیا ہے کہ اُس کی زندگی کی ساری عبادت رائیگاں کر دوں۔

خوبصورت مرد۔ یہ صحیح ہے کہ جوان صالح جب اپنے راستے سے ہٹتا ہے براہ راست شیطان کی گود میں گرتا ہے۔ اُس کے لئے کوئی درمیانی منزل نہیں، لیکن اُس کی بد مذاقیاں صرف بدصورت عورت سے متاثر ہوسکتی ہیں اگر وہ زہد خشک کو ترک کرسکتا ہے، صرف اُسی کی ترغیب سے مگر یہ لغزش زہد خشک سے بھی بدتر ہے اُس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ حسن کی کشش سے متاثر ہوکر لطیف گناہوں میں مبتلا ہوجائے۔ وہ سرتاپا حیوان مطلق ہے۔ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنی حیوانیت کے اصرار سے اُس کی ریاضتیں بھی انسانی کیفیات سے محروم ہیں۔

بدصورت عورت۔ تم دیکھتے ہو یہ لوگ اپنے حسن کے غرور میں تمھاری کس قدر اہانت کررہے ہیں۔ خوبصورت عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ تم ایسا معصوم انسان اس سے ایک لمحہ کے لئے مخاطب ہوسکے۔ تم کو فوراً یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔ تم جس طرف چلو میں تمھارے ہی ساتھ چلوں گی۔ یہ لوگ تمھاری اور میری دونوں کی عقبیٰ برباد کرنا چاہتے ہیں۔

خوبصورت مرد۔ تم دونوں کی عقبیٰ دنیا ہی میں برباد ہوچکی۔ زاہد خشک کی سیرت اور تمھاری صورت دونوں نے ایک دوسرے ہی کی عقبیٰ نہیں بلکہ ہزاروں نادان انسانوں کی دنیا اور عقبیٰ برباد کردی ہے تم دونوں کے اثر سے دنیا کی رنگینیوں کو جو صدمہ پہنچا ہے اُس کی

سزا جس قدر دی جائے کم ہے۔ زاہد نے دنیا والوں کو یہ دھوکا دینا چاہا کہ وہ بھی انسان کی ایک قسم۔ تم نے بد نظر اور کثیف سیرت انسانوں کو اس فریب میں رکھا کہ تم بھی عورت ہو۔ ایسی ہی ابلہ فریبیوں سے تو قدرت شیطان کی کوششوں کو برباد کرتی رہی ہے ورنہ اگر اس کی تعلیم دنیا پر حاوی ہوگئی ہوتی، نہ زہد خشک کی بد توفیقیاں قائم رہتیں اور نہ بد نما عورتوں کی بے معنی نسوانیت انسانوں کو گمراہیوں میں مبتلا کر سکتی۔ دنیا میں تو جس طرح زندگی گزرنی تھی گزر گئی۔ مجھے تو یہ دیکھنا ہے بد مذاق اور گمراہ انسانوں کے ساتھ یہاں کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ اُن کی عقبیٰ اُن کی دنیا سے زیادہ خشک ہوگی۔ یقینی ہے (زاہد خشک سے) میں محض للّٰہیت کی بنا پر تم کو رنگینیوں سے مایوس کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ تمہاری حسرت سے مجھے کیا تعلق ہے تم چاہے دوزخ میں رہو چاہے جنت میں میرا کوئی نقصان نہیں۔ البتہ تمہارے شباب پر مجھے افسوس آتا ہے کہ دنیا میں بھی محروم سعادت رہا اور یہاں بھی رہے گا۔

زاہد خشک۔ (غور و فکر کے بعد۔ خوبصورت عورت سے) آپ یہاں کہاں رہیں گی، جنت میں یا ...... کہاں؟

خوبصورت عورت۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ یہاں کی تمام جگہیں ابھی میں نے دیکھی نہیں۔ جس جگہ کی فضا لطیف ہوگی وہیں ٹھہر جاؤں گی

زاہد خشک۔ یہ کیسے! کیا جزا و سزا پر بھی آپ کو قدرت ہے۔ اس قدر

تعلق تو کسی صورت سے جائز نہیں۔ خدا اس قدر قریب اور آپ
یہ باتیں کر رہی ہیں۔ آپ کو کوئی اندیشہ ہی نہیں۔ میں نے اس لئے
دریافت کیا تھا کہ آپ اپنے اعمال سے واقف ہوں گی۔ آپ کو
یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ کو جنت ملے گی یا دوسری جگہ۔ لیکن آپ تو
ایسی باتیں کر رہی ہیں گویا سب کچھ آپ ہی کے اختیار میں ہے۔
خوبصورت عورت ۔ میں اپنی جنت اپنے ساتھ لائی ہوں۔ مجھے یہاں کی
دوزخ و جنت سے کوئی تعلق نہیں۔
زاہدِ خشک ۔ آخر آپ لوگ کس عالم میں ہیں۔ کیا دنیا میں عقبیٰ کو آپ نے
اس قدر محو کر دیا تھا کہ آج بھی آپ کو عقبیٰ نظر نہیں آتی۔
خوبصورت مرد ۔ صحیح انسان کی دنیا اور عقبیٰ ایک دوسرے سے علٰحدہ نہیں
تھی۔ ہماری دنیا ہی ہماری عقبیٰ تھی ہم نے تمہاری طرح دونوں میں کوئی
بے معنیٰ امتیاز قائم نہیں رکھا۔ ہم اگر کبھی خائف ہوتے تھے تو دونوں
سے اور اگر عیش و نشاط کے عالم میں مسرور ہوتے تھے تو صرف اس
خیال سے کہ ہماری زندگی ابدی مسرتوں سے لبریز ہے۔ ہماری
دنیا ہی ہماری جزا تھی۔ تم حساب و کتاب سے پہلے ان حقیقتوں کو
سمجھ نہیں سکتے۔ منتظر رہو جزا و سزا کے موقع پر ارباب قضا و قدر
کی روش تم کو سب کچھ سمجھا دے گی۔
زاہدِ خشک ۔ میرے حواس بجا نہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ
کیا کہہ رہے ہو۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ اگر خوبصورت عورت سے

آپ جنت میں رہتیں، میں ملتا اور آپ کی دلچسپ گفتگو سے مسرور ہوا کرتا۔ سُنا ہے وہاں نہ کوئی گناہ گناہ رہتا ہے اور نہ کوئی ثواب ثواب۔ اس لئے وہاں کے اعمال کے متعلق جزا و سزا کا بھی کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا۔ جنت میں آپ مجھے جس راہ پر لے جانا چاہتیں میں خوشی سے تیار ہو جاتا۔

خوبصورت مرد۔ یعنی گناہ کو آپ صرف اس بنا پر گناہ سمجھتے ہیں کہ اُس کی سزا ملتی ہے اور نیکیوں کو صرف اس لئے نیکیاں کہ اُس کی جزا دی جاتی ہے۔ اتقاکی یہ خوش فہمیاں قابل داد ہیں! کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ آپ کو لامحالہ جنت ہی ملے گی۔

زاہد خشک۔ یقیناً۔ کیا میں نے اپنی ساری عمر بے کار ضائع کی۔ کیا آج بھی اُس کا اجر نہ ملے گا۔

خوبصورت مرد۔ جو عمر محض امید جزا پر اعمال حسنہ میں ضائع ہوئی اُس کا اجر کبھی نہیں ملتا۔ جس عمل کی جزا دنیا ہی میں نہیں ملی، عقبیٰ میں کس طرح ملے گی۔ آپ لوگوں کی جماعت بھی ایک مزدوری پیشہ جماعت ہے دل و دماغ بے کار اور مضمحل، تخیلات اور تصورات بالکل فرسودہ آپ صرف اُسی اجرت کا تخیل قائم کئے ہوئے ہیں جس کا وعدہ بظاہر آپ سے کیا گیا تھا۔ کارکنانِ قدرت آپ کو اس قدر احمق نہیں سمجھتے تھے کہ آپ لفظ بلفظ اُن کے وعدوں کا ایفا چاہیں گے ورنہ وعدوں میں احتیاط ملحوظ رکھتے۔ آپ صرف اُسی جنت کے قائل

ہیں جس کا نقشہ اُن مولویوں نے کھینچ دیا تھا جو اپنی تنگ نظری سے جنت کو محض جنت سمجھتے تھے اور دوزخ کو محض دوزخ۔

زاہد خشک ۔ آپ نے اشتعال انگیز جملے کہے ہر لفظ سے کفر و الحاد کی بو آتی ہے لیکن خدا جانے کیوں مجھے اس قدر طیش نہیں آیا جس قدر مذہباً آنا چاہیئے۔ ممکن ہے (خوبصورت عورت کی طرف اشارہ کرکے) ان کی موجودگی نے میرے غصہ کو فنا کر دیا ہو۔

خوبصورت عورت۔ میری ہستی تم ایسے ناقابل خطاب وجود کو متاثر کرنا اپنی اہانت سمجھتی ہے اگر تم مجھ سے کسی طرح متاثر ہوئے تم نے میری توہین کی تم کو فوراً اس گستاخی کی تلافی کرنی چاہیئے۔

خوبصورت مرد۔ عشق و محبت کے مسئلہ میں زاہد خشک قابل عفو ہے۔ اس کی عمر ہمیشہ محاسن محض میں صرف ہوتی ہے اس لئے وہ محبت کرنا نہیں جانتا۔ اگر کسی کو مضحکہ انگیز تماشا دیکھنا ہے جو ان صاحب کو کوئی اُس وقت دیکھے جب وہ اتفاقیہ جذبۂ محبت سے لبریز ہوکر کسی محبوبہ سے اظہار محبت کرتا ہے۔ اُس کے چہرے کی ہر کیفیت حیوانیت مطلق کے تمام اسرار افشا کردیتی ہے۔ نہ اُس کی نفسیات کو لطافت بشری سے کوئی تعلق ہے اور نہ اُس کے اظہار میں اُس کی کوئی جھلک۔ اس وقت اگر وہ کسی طرح حسن نسوانی سے متاثر ہوگیا یہ اُس کی عین سعادت ہے گو محض وقتی اور اتفاقی، تم اپنے الفاظ سے اُس کو بد دل نہ کرو۔ اُس کا

طرز ادا قابل معافی ہے۔
زاہدِ خشک۔ آپ جو چاہیں کہیں مجھے اس وقت اشتعال نہیں ہوتا خوبصورت
عورت سے) کیا آپ نے کوئی جادو کر دیا۔ مگر آپ کا جادو شرعاً
ناجائز ہے، سحر حلال ہرگز نہیں۔ آپ سے متاثر ہونا شاید گناہ
کا مرتکب ہونا ہے۔ مگر یہ سب تو دنیا کے لئے تھا۔ بہر حال اگر
میں کوئی غیر شرعی کیفیت سے لبریز ہو رہا ہوں خدا میری
کیفیات کو معاف کر دے۔
بدصورت عورت۔ خدا رحم کرے آج عمر بھر کی ریاضتیں برباد ہو رہی ہیں
یہ محبت نہیں تو کیا ہے (زاہد سے) کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ تم دوزخ
کی طرف کھنچے جا رہے ہو۔
خوبصورت مرد۔ ریاضتیں تو اسی وقت برباد ہو گئیں۔ جب زاہد کی
فطرت پر تمہاری سیرت وصورت کا پرتو پڑا۔ یہ اُن کی بدتوفیقی
ہے کہ انھوں نے اسے کبھی محسوس نہیں کیا۔ آج بھی تم یہی کوشش
کر رہی ہو کہ تمہارے ساتھ یہ اُسی طرح اپنی جنت کو دوزخ بناویں
جس طرح دنیا کو بنا چکے ہیں۔ حسن کے برکات کو تم کیا سمجھو حسن کا
فرشتہ اگر کسی کو دوزخ میں لے جائے وہ بھی جنت ہو جاتی ہے۔
زاہدِ خشک۔ مجھے نہیں معلوم ممکن ہے یہ صحیح ہو۔ بہر حال میں اسی خوبصورت
عورت کے ساتھ اپنی عقبیٰ بسر کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دوزخ
میں نہ بھیجی جائے گی۔ قدرت ایسے حسن کو جنت ضرور عطا کرے گی

خدا اُس کی دنیاوی زندگی کو اپنی رحمت سے معاف کردے گا۔

خوبصورت مرد۔ تمھاری ازلی بدمذاقی کبھی تم سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ تم کو اپنے زہد و اتقا کی فکر کرنی چاہیئے۔ تم یہ دعا کرو کہ خدا تمھاری بدتوفیقیوں کو اپنے رحم و کرم سے معاف کردے۔ حسن کسی عفو کا متمنی نہیں اُس کی دنیا سر تا پا سعادت تھی اُس کے سلسلہ میں عفو و درگزر کا سوال ہی غیر متعلق ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ حسن فطرتاً گنہگار ہے تمھاری کج فہمیوں کی کوئی انتہا بھی ہے۔ تمھارا طبقہ اگر کسی راز کو سمجھنا بھی چاہے اُس کی تنگ نظری اُسے سمجھنے نہیں دیتی۔ تم نے یہ جملہ قرینہ کا کہا تھا کہ حسن کو جنت ضرور ملے گی۔ لیکن ساتھ ہی تمھارے ذہن میں اُس کی دنیا اور اس کی گمراہیوں کا وسوسہ پیدا ہو گیا۔ تم کبھی راہِ راست پر نہیں آ سکتے۔ میں تم سے قطعاً مایوس ہو گیا۔

زاہد خشک۔ (خوبصورت عورت سے) میں سمجھتا ہوں کہ آپ ان سے متفق ہوں گی۔ بہر حال مجھ کو ان خیالات سے کوئی تعلق نہیں میں آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو مجھے اپنی فضا میں ساتھ رکھنے میں کوئی تامل تو نہ ہوگا۔

خوبصورت عورت۔ تمھاری دنیا نے مجھے تم سے ہمیشہ کے لئے بدگمان کر دیا ہے۔ تمھاری فطرت ازل سے بیگانۂ لطافت ہے تمھارا دل بیگانۂ کشش رہا اور تمھاری نگاہیں بیگانۂ حسن۔ تم صحیح انس و محبت کے جذبات سے فطرتاً نا آشنا ہو۔ تمھاری

محبت میرے حسن کی صحیح قدر نہیں کر سکتی - میں اپنے حسن کی تخریب نہیں گوارہ کر سکتی نہ میرے حسن کی فضا تمہاری کیفیتوں سے مانوس ہو سکتی ہے اور نہ تمہارے احساسات میرے حسن سے لطف و انبساط حاصل کر سکتے ہیں جو ہستی عمر بھر حسن و کشش سے بیگانہ رہی وہ آج کسی حیثیت سے انس و محبت کی متحمل نہیں ہو سکتی - تمہاری دنیا ابد تک تمہاری عقبیٰ کو محصور رکھے گی - تم ایک قدم بھی اپنی دنیا وی زندگی سے باہر نہیں نکال سکتے - نہ میرا حسن تم ایسے بدنصیب انسانوں پر اپنی تجلی ڈالنا چاہتا ہے اور نہ تم لوگ اس کی تاب لا سکتے ہو - بہتر ہے کہ جو دنیا تم اپنے ساتھ لائے ہو اُسی کو تکمیل تک پہنچا دو - اس کے علاوہ تم اور کچھ کر ہی نہیں سکتے - یہ بھی ایک فطری مجبوری ہے - آج اگر تم حسن کے قائل ہو گئے ہو تمہارے لئے حوریں کافی ہوں گی - تم نے انھیں کی حرص میں دنیا وی رنگینیوں سے پرہیز کیا تھا - آج وہ تمہارا پرجوش استقبال کریں گی - ان کے لئے تم ایک دلچسپ تماشا ہو گے وہ انسان سے بے خبر ہیں اس لئے وہ تم ایسے لوگوں میں اور میرے خوش مذاق اور خوبصورت چاہنے والوں میں کوئی امتیاز نہیں کر سکتیں وہ تمہاری محبت کی بھی قدر کریں گی - لیکن میں ! ہرگز نہیں ! یہ تمہاری گستاخی تھی کہ تم نے اس بے باکی سے مجھ سے لطف و محبت کا اظہار کیا میرے حسن و شباب کی دل فریب دنیا میں تم ایسے قدم نہیں رکھ سکتے - دنیا میں تم نے حسن کی ہر ممکن توہین کی - مجھے کشش نہلک

سمجھ کر تم نے لوگوں کو ہمیشہ مجھ سے احتیاط و پرہیز کی تعلیم دی. میرے
حسن کو تم نے گناہ کبیرہ کا محرک قرار دیا۔ آج تم مجھ سے قربت
چاہتے ہو۔ کیا تم اپنی دنیا کو بھلا نہیں رہے ہو؟ جس سے تم عمر بھر
شرعی محبت کرتے رہے آج بھی تم کو اسی سے محبت کرنی پڑے گی
تم اپنے ہر عمل کا اجر چاہتے تھے کیا انصاف کا یہ تقاضا نہیں کہ
تمھیں شرعی محبت کا ہی اجر دیا جائے۔

خوبصورت مرد۔ تم نے شاید محسوس نہ کیا ہو۔ تمھارے حساب و کتاب کی
یہ حقیقی منزل ہے۔ تمھیں اپنی سزا اور اپنی جزا پر قانع ہو جانا چاہئے
تمھارا حشر جو ہونا تھا اُسی وقت ہو گیا۔

زاہد خشک۔ (خوبصورت عورت سے) اگر میں اپنے ماضی سے تائب ہو جاؤں
کیا حال اور مستقبل آپ کے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا۔

خوبصورت عورت۔ میں قطعاً غیر ذمہ دار ہوں۔ میرے ہاتھوں کچھ
محفوظ نہیں۔ نہ حال اور نہ مستقبل، میرا حسن کوئی معاہدہ نہیں کرتا
اگر مجھ سے کوئی معاہدہ چاہتا ہے میں اسے کلی توہین سمجھتی ہوں. ہر
شخص کو میرے حسن اور میری رنگینیوں پر عقیدہ رکھنا چاہیئے اُس کا
ہر انداز ایفائے عہد اور عہد شکنی کی سطح سے بلند تر ہے حسن اپنے
ہر معاہدے کو توڑ سکتا ہے، اُس کے لئے لایعنی اخلاق و رسوم
کی کوئی بندش نہیں۔

خوبصورت مرد۔ اس کے علاوہ تم کسی طرح اپنے ماضی سے تائب نہیں

ہو سکتے۔ کوئی ہستی اپنے ماضی سے تائب نہیں ہو سکتی۔ یہ فطرتاً محال ہے۔

خوبصورت عورت۔ مگر بےکار تم پر یہ حقیقتیں ضایع کی جا رہی ہیں۔ جس راز سے تم عمر بھر بےخبر رہے اُسے آج کسی طرح نہیں سمجھ سکتے تم یہ گمان نہ کرنا کہ میں نے غیض و غضب میں تمھاری تنبیہ کی ہے۔ اس کی بھی امید نہ رکھو کہ رحم و کرم سے میں تمھاری بدتوفیقیوں کو نظرانداز کر دوں گی اور تم کو اس کی اجازت دے دوں گی کہ میری جنت میں رہو۔ حسن غیظ و غضب اور رحم و کرم کے جذبات سے بالاتر ہے۔ اس کا ہر انداز رحم بھی ہے اور غضب بھی۔ تم ان تمام رموز سے بےخبر ہو۔ تمھارے لئے کوئی اطمینان نہیں تم کو میرے حسن سے قطعاً نا اُمید ہو جانا چاہیئے۔

بدصورت عورت۔ (مسکراتے ہوئے) یہ غیر شرعی محبت کی ابتدائی منزل ہے۔ پہلی سزا آج اس نفرت کے ساتھ دی گئی۔

خوبصورت مرد۔ یہی سزا آخری بھی ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ زاہد کی بدتوفیقیوں کی کوئی شدید تر سزا دی جا سکتی تھی۔ میرے نزدیک تو یہی سزا شدید ترین ہے۔

زاہد خشک۔ کیا میں کسی صورت سے اپنی دنیاوی محرومیوں کی تلافی نہیں کر سکتا۔

خوبصورت مرد۔ تم نے ہمیشہ عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی، تم میں دنیاوی

حقائق میں گم ہو جانے کی صلاحیت ہی نہیں تھی اس لئے تم ہر لحظہ اعمال اور اجرِ اعمال کے معمے میں الجھے رہے۔ تم منطقی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ نادانوں کا گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ انسان منطق کے ذریعے سے نہیں بلکہ احساسات لطیف کی برکتوں سے اپنی زندگی میں ازلی اور ابدی سعادتیں پیدا کر سکتا ہے۔ منطقی اصول سرور و کیفیت نہیں پیدا کر سکتے۔ زندگی کی لطافتیں آئین و اصول کی پابند نہیں۔ تم دنیا کو بھی غلط سمجھے اور عقبیٰ کو بھی۔ آج تم اسی طرح غیر مطمئن ہو جس طرح کل تھے تم کو کبھی اپنی روش پر اعتماد نہ تھا اس لئے نہ آج پیدا ہو سکتا ہے اور نہ کل ہوگا۔ تم جو کچھ مذہب کے لئے کرتے تھے وہ دل سے نہیں بلکہ محض دماغ سے تم ہمیشہ اپنے اعمال سے جھجکتے رہے۔ تمہارا دل اگر تمہارے دماغ کے ساتھ ہوتا تو خود تمہاری ریاضتیں معنوی لطافت پیدا کر لیتیں تمہارے اعمال حسنہ بھی تمہاری فطری اور اخلاقی مجبوریوں کا نتیجہ تھے۔ تمہاری دنیا تذبذب و انتشار میں گزری اجرِ اعمال کا وسوسہ تمہیں مضطرب کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی تم اپنے اجر سے خائف ہو ورنہ اس مضطربانہ انداز سے حسن کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش نہ کرتے۔ محرومیوں کی تلافی کیسی؟ دنیا کی تلافی عقبیٰ میں نہیں کی جا سکتی امن کی اب کوئی صورت نہیں رہی۔ تم نے توبہ کی تمام راہیں خود اپنے ہاتھوں دنیا ہی میں مسدود کر دی تھیں۔

(زاہد یاس مجسم بن گیا، اس کی خاموشی اس کے ہیجان اضطراب کی عبرت انگیز تصویر پیش کرتی ہے)

خوبصورت عورت - اگر یہ جذبۂ ندامت ہے خدا تمہارے زہد و اتقا کو اپنی رحمت سے معاف کر دے گا -

(صوفی کے ساتھ ایک خوبصورت عورت آ رہی ہے اس کی دلآویزیوں میں وہ کشش نہیں جو اس کی عمر کے لحاظ سے ہونی چاہیئے وہ تقریباً بیس بائیس سال کی ہو گی، اس کے چہرے سے نیکیوں کی متانت خاص طور پر نمایاں ہے جس نے حسن کی فطری شگفتگی پر پردہ ڈال دیا ہے - زندہ دلی سے وہ ایک حد تک محروم ہو چکی ہے - اس کی آنکھوں سے یہ ظاہر ہے - وہ آتے ہی زاہد سے نہایت اشتیاق کے ساتھ مخاطب ہو گئی -

متقی عورت - آپ اس گروہ میں کہاں! اس وقت تو آپ کو کہیں جنت کے قریب ہونا چاہیئے - آج کی جزائیں آپ ہی کی سی بزرگ ہستیوں کے لیئے ہیں - آج آپ کو موعودہ جنت ملے گی جس کی تمنا میں آپ نے دنیا میں اس قدر ایثار و قربانی کی تھی - ہزاروں انسانوں کی عقبیٰ آپ کی دستگیری سے بن گئی - آپ کی نفس کشی ضرب المثل تھی آپ ہی کی شب بیداریاں تھیں جنھوں نے بہت سے گمراہ انسانوں کو با ایمان بنا دیا -

زاہد خشک - آپ کو میں نہیں پہچانتا - آپ کی مذہبی گفتگو البتہ تسکین دہ ہے

معلوم ہوتا ہے آپ کبھی راہ راست سے منحرف نہیں ہوئیں
مجھے آپ سے مل کر مسرت ہوئی۔
متقی عورت۔ آپ مجھے بھول گئے! میرا مکان آپ کے حجرے سے
ملا ہوا تھا۔ اکثر راتوں کو آپ کی آواز میرے کانوں میں آیا
کرتی تھی۔ مجھے آپ کی ریاضتوں سے عبرت حاصل ہوئی۔
روحانیت رفتہ رفتہ مجھ پر غالب آگئی۔ یہاں تک کہ میں نے
مصمم ارادہ کر لیا کہ دنیاوی مسرتوں کو ترک کرکے باخدا بن جاؤں
لیکن وہ شخص جو شرعاً میری زندگی کا مالک بنا دیا گیا تھا نہ سزا
کا قائل تھا اور نہ جزا کا۔۔۔۔۔
خوبصورت مرد۔ دنیاوی مسرتوں کو ترک کرنے کے بعد جو کچھ ملتا ہے
وہ خدا ہرگز نہیں ہوتا۔ خدا کو اس قدر محدود اور محصور سمجھنا کہ
مسرت میں نہیں محض رنج والم کی فضا میں وہ تلاش کیا جا سکتا
ہے تنگ نظری ہی نہیں صریحی گمراہی ہے۔ خدا اگر لذات میں
نہیں تو ترکِ لذات میں یقیناً نہیں ہو سکتا۔ ترک دنیا حصولِ
عقبیٰ کا ذریعہ ہرگز نہیں نادان اور تنگ نظر ہستیاں الوہیت
کی وسعتوں سے ہمیشہ ناآشنا رہیں۔ وہ خدا سے بیگانہ ہو کر
جزا و خیر کی فکر میں رہتی ہیں۔ اُن کی بدنصیبیوں کا یہی راز ہے
زاہد۔ (متقی عورت سے) آپ یہ گمراہ کن فلسفہ نہ سنئے مجھے آپ کی
زندگی سے اُنس پیدا ہو چلا ہے آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔

متقی عورت۔ مجھے ان کی گفتگو غیر مانوس نہیں معلوم ہوئی۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ ایسی ہی باتیں میں نے اپنے شرعی حاکم سے بار ہا سنیں ہیں یہ کہہ رہی تھی کہ وہ مجھے روکنا چاہتا تھا۔ اُس کی تعلیم یہ تھی کہ خوبصورت عورت کے لئے زہد و اتقا کسی طرح موزوں نہیں۔ اُس سے حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں برباد ہو جاتے ہیں چہرہ پژمردہ ہو جاتا ہے اور شباب مضمحل۔ مجھ پر چونکہ جذبۂ ایمانی مسلط ہو چکا تھا۔ میں نے اُس کی پرواہ نہ کی اور عبادت و ریاضت میں منہمک ہو گئی۔ لیکن خدا جانے اُس کی کیا مصلحت تھی میری مذہبی زندگی کو دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ موت کے فرشتے نے مجھے اُٹھا لیا۔

خوبصورت مرد۔ اُس کو تمہارے حسن و شباب پر ترس آیا ہوگا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری رنگینیاں برباد ہوں تمہیں اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے تھا۔ البتہ مجھے اُس کی اس حرکت پر تعجب ضرور ہے۔ وہ انتہائی طور پر بد مذاق واقع ہوا ہے۔ اُسے کبھی حسن سے کوئی ہمدردی نہیں اکثر وہ حسین انسانوں کو عمر طبعی تک زندہ رکھتا ہے۔ صرف اس غرض سے کہ حسن مہیب اور خطرناک صورت میں بدل جائے مجھے حیرت یہ ہے کہ تمہارے لئے وہ اس قدر خوش مذاق کس طرح بن گیا۔

متقی عورت۔ میرے شوہر کا انداز بالکل یہی تھا وہ حسن کو ہمیشہ مذہب

پر ترجیح دیتا تھا آج اُس کو اپنے فلسفہ کی سزا ملے گی۔

صوفی۔ حسن کو مذہب پر ترجیح دینا کوئی گناہ نہیں۔ اس سے انسان مذہبی دائرہ سے باہر نہیں نکلتا میری اصطلاح میں اس روش کو طریقت کہتے ہیں۔ (خوبصورت مرد سے) آپ بھی غالباً صوفی ہیں۔

خوبصورت مرد۔ قطعاً نہیں۔ میں صحیح معنوں میں حسن پرست ہوں۔ یعنی میں کبھی حسن کو تلاش نہیں کرتا۔ اگر کرتا بھی ہوں اُن غیر دلچسپ لایعنی اور گمراہ کن ذرائع سے نہیں جن میں آپ کا گروہ اپنی بد مذاقیوں اور بدتوفیقیوں کی وجہ سے مبتلا ہے۔ میں ہر حسن کو حقیقت سمجھتا ہوں۔ آپ لوگ اُسے محض مجاز سمجھ کر اس کی حقیقتوں کو بھول جاتے ہیں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حسن کوئی پردہ نہیں وہ ایک کھلا ہوا راز ہے۔ وہ خود ہی حقیقت ہے اُس کی تہ میں کوئی دوسری حقیقت نہیں۔ آپ اُسے پردہ سمجھ کر گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ کے ذرائع ! مہمل ہی نہیں تنگ نظری اور غلط فہمی کی ایک مستقل کائنات ہیں۔ حسن کی حقیقتیں اُن ذرائع سے نہیں مل سکتیں جن کو آپ کے بدمذاق طبقہ نے اختیار کر رکھا ہے۔

زاہد۔ حسن ! محبت !!! ان الفاظ سے نہ میرا دل آشنا ہے نہ دماغ میرے خیالات اس قدر منتشر ہو رہے ہیں کہ میری سمجھ میں نہ حال آتا ہے اور نہ مستقبل (متقی عورت سے) غالباً میرا اور تمہارا ایک حشر ہو۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم حسین بھی ہو اور متقی بھی۔

تمہارا حسن حقیقۃً شرعی حسن ہے۔ مجھ میں اور تم میں اتقا صفت مشترک ہے، یہی ہم دونوں کو شاید یہاں متحد رکھے۔

خوبصورت مرد۔ اتقا ممکن ہے مشترک ہو لیکن انسانیت مشترک نہیں۔ ان کے اتقا کی تلافی حسن و نسوانیت نے کر دی لیکن تمہارے اتقا کی محرومیوں کی تلافی نہیں کی جا سکتی۔ تم دونوں کا حشر ایک نہیں ہو سکتا۔

خوبصورت عورت۔ زاہد حرص و طمع کی ایک دنیا اپنے دل و دماغ میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بدحواس ہو گیا تھا میں نے اس کو اس کی حقیقت سمجھا دی تو اب دوسرے حسن پر حریصانہ نگاہیں ڈالنا چاہتا ہے۔ تصوف کی طرح شاید زہد و اتقا بھی ریاکاریوں کا محض ایک پردہ ہے جسے حسن کا ایک اشارہ الٹ دیتا ہے۔

متقی عورت۔ (خوبصورت عورت سے) تم نے دنیا میں عمر بھر عصمت و عفت کی تضحیک و تحقیر کی نہ تم کو مذہب و اخلاق کا ڈر تھا نہ خدا اور اس کے فرشتوں کا۔ تمہاری لغزشوں نے تمہاری روح کو بھی فنا کر دیا تم نے اپنے حسن سے ہزاروں نادان انسانوں کو گمراہ کیا کیا آج بھی تمہارا وہی انداز قائم رہے گا۔ زاہد کو بھی تم آج اسی طرح گمراہ کرنا چاہتی ہو جس طرح دنیا میں تم نے میرے شوہر کو گمراہ کر دیا تھا تمہارے لایعنی حسن کی ابلہ فریبیوں نے اس کو اس قدر آوارہ خیال بنا دیا تھا کہ وہ حسن ہی کو مذہب و اخلاق

سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک نہ کوئی گناہ گناہ تھا اور نہ کوئی جرم جرم۔ وہ اتقا کو مخرب اخلاق کہتا تھا۔ اسی لئے اس نے مجھے میرے مذہبی رجحانات سے باز رکھنا چاہا۔ مگر میں ایسی گمراہ نہ تھی میں نے اس ناعاقبت اندیش کے فلسفہ کی ذرا بھی پروا نہ کی اور اُن بندشوں کو میں نے فوراً توڑ دیا جو میری عبادت وریاضت میں موانع پیدا کر رہی تھیں۔ آج بھی جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں گی اس کے چہرے پر نظر نہ کروں گی اس کے تبسم سے کفر و الحاد برستا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم کو اپنے حسن و شباب کی قدر اس وقت معلوم ہوئی ہوگی جب اس نے تم سے محبت کا اظہار کیا تھا یہ اُسی کے زہر آگیں تخیلات کا نتیجہ ہے کہ تمہارا دل و دماغ بھی اُن رنگینیوں سے لبریز ہو گیا جن کو میں انتہائی شیطنت سے تعبیر کرتی ہوں۔

خوبصورت مرد۔ غیظ و غضب سے چہرہ بدنما ہو جاتا ہے تم کو اتنا بھی احساس نہیں کہ خوبصورت انسان کا فرض اولین دل و دماغ کو ان محسوسات سے پاک رکھنا ہے جن سے صورت کی دلاویزیاں فنا ہو جاتی ہوں مگر جب تم نے دنیا میں اس کا لحاظ نہ رکھا آج کس طرح رکھ سکتی ہو

متقی عورت (حیرت سے) میں نے تمھیں اب پہچانا۔ کیا یہاں بھی تم اس عجیب الفطرت عورت کا ساتھ نہ چھوڑو گے۔ کیا اس کے ساتھ تم بھی اُن مصائب میں مبتلا ہونا چاہتے ہو۔ جس میں یہ مبتلا

ہونے والی ہے۔ اسی کے خطرناک حسن نے تمہاری دنیا برباد کی
کیا تم نے اسے اختیار دے دیا ہے کہ اسی طرح تمہاری عقبیٰ کو بھی
برباد کر دے۔

خوبصورت مرد۔ دنیاوی رسوم و قیود نے مجھے تم سے وابستہ کر دیا تھا
مذہب و اخلاق کی قیود دبے جانے مجھے مجبور کر دینا چاہا تھا کہ
میں اپنے تخیل کی وسعتوں اور احساسات کی نیرنگیوں کو تم پر قربان
کر دوں لیکن میں اس پر آمادہ نہ تھا میری فطرت اُن تمام قوانین سے
بغاوت کرنا چاہتی تھی جو جماعت کے اغراض مجھ پر عائد کرنا چاہتے
تھے۔ میں صحیح فطرت لے کر دنیا میں گیا تھا۔ لطیف سے لطیف ہستی
اگر مجھ پر مسلّط کر دی جاتی میں محض اس بنا پر اُس سے متنفر ہو جاتا کہ
مجھے مجبور کیا جا رہا ہے۔ جبر کو آتش جہنم سے تعبیر کرتا ہوں۔ اگر آج
میں جنت جانے پر بھی مجبور کر دیا جاؤں ایک لمحہ کے لئے بھی
مجھے مسرت نہیں ہو سکتی۔ ایسی جنت میری فطرت کے لئے جہنم سے
بدتر ثابت ہوگی۔ جب میرے دل و دماغ کا یہ عالم ہے دنیاوی
مراسم مجھے تم سے معناً متحد نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ایک غیر حقیقی
بندش تھی جو دنیا ہی میں ختم ہو گئی۔ اُس کے برعکس اس پیکر لطیف
سے مجھے حقیقی اُنس تھا۔ اس بندش کو نہ میں توڑنا چاہتا تھا
نہ آسانی سے توڑ سکتا تھا اس نے میری دنیا کو دلچسپ بنا دیا ہے
عقبیٰ بھی اس کی نیرنگ مزاجیوں سے دلچسپ ہو جائے گی

دیکھوں آج ارباب قضا و قدر تمہارا کیا حشر کریں۔ میں کسی طرح
تمہارا پابند نہیں اور نہ تم میری پابند ہو۔

زاہدِ خشک۔ آپ کے دنیا وی تعلقات یوں ختم ہو گئے۔ اب آپ کو
اختیار ہے کہ میری جنت کو اپنے حسن سے معمور کر دیں۔ میں
اور آپ دونوں حمد و تسبیح کے دلچسپ مشاغل میں وقت عزیز
صرف کیا کریں گے۔

خوبصورت مرد۔ آپ کو کیا عمر بھر کی ریاضتوں کا صلہ صرف یہی ملے گا
کہ آپ کوثر سے وضو کریں اور ہر وقت سربسجود رہیں۔ یعنی آپ
انسان سے فرشتہ ہونے والے ہیں یہ جزا ہے یا سزا؟ شاید
آپ نے اس مسئلہ پر غور نہیں کیا۔

زاہدِ خشک۔ میں نے غور کیا یا نہیں کیا۔ تم کو کوئی تعلق نہیں اب جب تم
اس کا اعلان کر چکے ہو کہ تم سے اس خوبصورت عورت سے کوئی
واسطہ نہیں میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ ہم دونوں عبادت بھی
کریں گے اور محبت بھی۔ یہ حسن متقی میرے زہد پر مسلط ہو گیا ہے
میں اس سے ضرور محبت کروں گا۔

خوبصورت عورت۔ واقعی آپ سے زیادہ صحیح محبت کوئی دوسرا
نہیں کر سکتا۔ اب تک یہ جذبہ یتیم تھا اُسے دنیا میں کوئی انسان
ایسا نہ ملا جو اس شفقت کے ساتھ اُس کی پرورش کرتا۔ آپ کا
دل و دماغ اس کے لئے بہترین گہوارہ ہے (متقی عورت سے)

تو تمہارے حسن کو آج تمہارے اتقا کی جزا مل گئی۔ اس طرح کا
خوش مذاق محبت کرنے والا دنیا میں کسی محبوب کو نہیں ملا تمھیں
تمہاری عقبیٰ کی کامیابی مبارک ہو۔

متقی عورت۔ خدا تم کو اس طنز کی سزا دے۔ تمہارے نزدیک تو خوش
مذاق محبت والا اُس گمراہ انسان کو کہتے ہیں جو مذہب وملت کو بھی
تمہارے حسن پر قربان کر دے۔ تم کو نہیں معلوم کہ ایسی خدا نا شناس
محبت قطعاً حرام ہے تم تو اس شخص کو خوش مذاق سمجھتی ہو جو
نہ صوم وصلوٰۃ کا قائل ہو اور نہ لوث وبے لوثی کا۔ تمہاری عشوہ
طرازیاں ہی اُس کا مذہب ہو۔ اور تمہاری بے باکیاں ہی اُس کا
اخلاق۔ ایسا ہی عشق حرام قرار دیا جا چکا ہے۔

زاہد خشک۔ حرام مطلق۔ جب فرائض کا وقت آ جائے اُس سے
قبل محبوب کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے اور اُس وقت تک
اس کے حسن ومحبت کو ذہن میں نہ لانا چاہیئے۔ جب تک سلام کے
بعد دعا ومناجات ختم نہ ہو جائے۔

خوبصورت مرد۔ آپ جس جذبہ کو شرعی محبت کہا کرتے ہیں اس کے حدود
یہی ہیں! دنیاوی کاروبار اور عشق ومحبت میں کوئی امتیاز ہی نہیں
بس اوقات طعام کی طرح اوقات محبت بھی معین ہیں؟ سوتے وقت
دعا پڑھنے کے بعد صرف نیند آنی چاہیئے۔ محبوب کے خیال
کو مداخلت بے جا کا کوئی حق نہیں۔

متقی عورت ۔ آپ میں آج یہ رنگینیاں کہاں سے آئیں ۔ کاش دنیا میں
مجھ سے آپ نے یہ جملے کہے ہوتے اس وقت تو آپ نے مجھے
اس طرح مایوس کر دیا گویا میں آپ کے ایمان کو غارت کرنا چاہتی تھی
آپ کے الفاظ کا مفہوم یہی تھا کہ میرا حسن آپ کے زہد و اتقا کا
دشمن ہے ۔ جب میرے شوہر نے مجھے میرے مذہبی مشاغل سے
روکنا چاہا میں آپ کے پاس گئی کہ میری رہبری کیجئے ۔ لیکن آپ میں
اتنی بھی خدا ترسی نہ تھی کہ آپ مجھے کوئی مشورہ دیتے ۔ آپ مجھ
سے صرف اس لئے خائف تھے کہ میں حسین ہوں ۔ مجبوراً میں صوفی
کی طرف بڑھی اس نے میری تشفی کی وہ میرے حسن کو سمجھتا ہے
لیکن آپ آج تک نہ سمجھے میں مجبور ہوں کہ اسی کے ساتھ رہوں
جو رازدارِ حسن ہے ۔

صوفی ۔ تمہارے ان مبہم الفاظ سے میرے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی
ہیں ۔ تمھیں اس کی تصریح کر دینی چاہیئے تھی کہ میری محبت کا باعث
یہ نہیں تھا کہ تم عورت ہو بلکہ محض اس بنا پر میں تم سے محبت کرتا تھا
کہ تمہارے حسن میں حسن حقیقی کی جھلک تھی ۔

متقی عورت ۔ آپ کی محبت کی بنا معرض بحث میں نہیں ۔ مجھے اس سے
غرض نہیں کہ آپ مجھ سے کیوں محبت کرتے تھے میرے لئے صرف
یہی کافی تھا کہ مجھ سے آپ کو محبت تھی ۔

خوبصورت مرد ۔ تم کو تو یہ دعویٰ تھا کہ تم نے دنیاوی مسرتوں کو ہمیشہ

کے لئے ترک کر دیا۔ تم حسن و محبت کو زہد و اتقا کا دشمن سمجھتی تھیں۔ بارہا تم نے مجھ سے یہی کہا۔ لیکن آج میں تمہاری ہی زبان سے یہ سن رہا ہوں کہ تم تلاشِ محبت میں نکلی تھیں اور صوفی کو بالآخر تم نے مسحور کر لیا۔ کیا نسوانی ریاکاریوں کی یہ ایک مثال نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عموماً عورتیں خود اپنی فطرت کے رموز سے ناآشنا رہتی ہیں ورنہ یوں گمراہیوں میں مبتلا نہ ہو جایا کریں۔ عورتوں کے دینی اور دنیوی فرائض محض اُن کی نسوانیت سے وابستہ ہیں۔ تمہارا فرض صرف یہ تھا کہ تم ہمیشہ عورت رہو۔ لیکن تمہاری کج فہمیاں تم کو عصمت و اتقا کی طرف لے گئیں۔ متقی بن کر تم اپنے جذبۂ نسوانیت کو جھٹلانا چاہتی تھیں۔ نتیجہ کیا ہوا۔ تمہاری نسوانیت نے تمہارے اتقا کو جھٹلا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری شب بیداریوں میں وظیفہ و نماز سے زیادہ صوفی کی محبت کا دخل تھا۔

متقی عورت۔ ہرگز نہیں۔ تم حسن و شباب کے رازدار بنتے ہو۔ اس عورت کی محبت میں تم نے اپنی عمر ضائع کی لیکن تمہیں آج تک یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ عورت متقی ہو کر کچھ فرشتہ نہیں ہو جاتی وہ بہر حال عورت رہتی ہے محبت کے جذبات اس کے دل میں بھی پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ پاک محبت کرنا چاہتی ہے۔ گمراہ عورتوں کی طرح وہ عصمت فروشی کو محبت نہیں سمجھتی۔ وہ جذبۂ نسوانیت کو لغزشوں سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے۔

خوبصورت مرد۔ کوئی عورت اپنے جذبۂ نسوانیت کو لغزشوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ میرے خیال میں اُسے رکھنا بھی نہ چاہیئے حقیقی نسوانیت کا راز انھیں لطیف لغزشوں میں مضمر ہے۔ پاک محبت کی حقیقت بھی مجھے معلوم ہے الفاظ کی یہ محض ایک ریاکارانہ بندش ہے جو خود محبت کرنے والے کو اپنے متعلق دھوکے میں ڈال دیتی ہے وہ صرف دوسروں کو دھوکا دینے کے لئے اپنی محبت کو بے لوث نہیں کہتا ہے بلکہ اکثر وہ خود بھی اپنی محبت کو مقدس اور معصوم سمجھتا ہے۔ یہ سب بڑا دھوکا ہے۔ مرد ممکن ہے کبھی بے لوث محبت کر سکے وہ بھی اُس صورت میں جب محال ممکن ہو جائے۔ لیکن عورت کبھی پاک محبت نہیں کر سکتی خود اس کی فطرت ایسی محبت کی قائل نہیں۔ اُسے بے لوث محبت کرنے کا فطرتاً کوئی حق ہی نہیں۔ عورت اگر پاک محبت کرنا چاہتی ہے وہ مصالح کائنات اور اپنی نسوانیت دونوں کو جھٹلاتی ہے۔

خوبصورت عورت۔ اس عورت نے اپنی بدطینتی سے مجھ پر بھی حملہ کیا ہے وہ مجھے عصمت فروش کہتی ہے (متقی عورت سے) مجھے تمھاری جہالت پر افسوس آتا ہے۔ میں تمھیں اس قابل بھی نہیں سمجھتی کہ تم سے نفرت کروں تم نہ حسن کو سمجھتی ہو اور نہ عصمت و عفت کو۔ میں سب کچھ سمجھتی ہوں اور نہایت بے باکی سے صحیح راستے پر چلتی رہی حسن و شباب کی رنگینیوں میں محو ہو جانا عورت کا حقیقی فرض ہے یہی

اُس کی عصمت ہے اور یہی اُس کی عفت/ عصمت فروشی تو یہ ہے
کہ ایک حسین عورت ایک بدصورت مرد سے محبت کرے اور اپنے
رازِ حسن کو ایک نا آشنائے راز پر رائگاں کر دے۔ ایک
کریہہ المنظر انسان کو خوبصورت انسان سے محبت کرنے کا کوئی
حق نہیں اگر کوئی خوبصورت عورت بدصورت مرد سے محبت کرتی ہے
یا اُسے محبت کرنے دیتی ہے وہ صریحی طور پر عصمت فروشی کرتی ہے کہ
یہی نہیں بلکہ وہ اعمال جو رنگینیوں سے محروم ہوں اور وہ نیکیاں جن
سے خیالات اور حرکات کی لطافتیں فنا ہو جائیں ایک حسین عورت
کے لئے قطعاً ممنوع ہیں عصمت شکن تو وہ اعمال ہیں جو حسن و شباب
کے دشمن ہوں صوفی سے تمہاری محبت اور تمہارا یہ غیر دلچسپ زہد و
اتقا دونوں نے ہمیں ہمیشہ کے لئے بے عصمت کر دیا ہے۔

متقی عورت

خدا تم کو ان گمراہیوں کی سزا دے۔

بدصورت عورت

صوفی۔ اس میں بھی شاید کوئی حقیقت ہے۔

زاہد خشک۔ حقیقت نہیں صریحی کفر اور صریحی شرک۔

خوبصورت مرد۔ (زاہد سے) ان حقائق پر تمہارا جاہلانہ استعجاب قابل
افسوس ہے۔ تم یہ نہیں سمجھتے کہ عورتوں کی عصمت و عفت کے
معیار کو مذہب و اخلاق کے فرسودہ قوانین میں نہیں بلکہ نسوانیت
کے فطری فرائض اور حسن و محبت کی رنگینیوں میں تلاش کرنا چاہیئے

عصمت و بے عصمتی کو نہ تم سمجھ سکتے ہو اور نہ یہ گمراہ عورتیں۔ یہ بدصورت عورت تو محض بدصورتی کو عورتوں کی بہترین صفت سمجھتی ہے یہ معذور بھی ہے۔ فطرت نے اُس کے جسم اور اس کی روح دونوں کو محروم حسن رکھا ہے۔ لیکن یہ خوبصورت عورت۔ مجھے اس کی بدبختیوں پر ہمیشہ افسوس رہے گا۔ اس نے اپنے حسن اور اپنی نسوانیت دونوں کو گمراہ کر دیا۔

زاہد خشک۔ نعوذ باللہ.....

(دفعتاً شیطان نمودار ہو گیا۔ زاہد خاموش ہو گیا شیطان زاہد سے مخاطب ہو گیا)

شیطان۔ آپ نے مجھے یاد کیا۔ میں آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا مشکور ہوں۔ آج آپ نے اس خوبصورت اور خوش مذاق عورت کی سحر طراز گفتگو سنی آپ کی روح میں لطیف کیفیتیں پیدا ہو گئی ہوں گی۔ دنیا میں آپ کو ایسے دلچسپ مواقع کبھی نہیں ملے۔

زاہدِ خشک۔ معاذ اللہ۔ اس عورت نے ابھی جو کچھ کہا وہ صریحی کفر والحاد تھا۔ میں نے دنیا میں کبھی اسے برداشت نہیں کیا۔ لیکن اس عورت کی زبان میں معلوم نہیں کیا سحر ہے کہ اس کی گفتگو نے میرے مزاج میں وہ اگلی سی برہمی پیدا نہیں کی۔ حسن واقعی کیا کوئی جادو ہے؟

خوبصورت مرد۔ جادو ہے مگر اس قدر بلند کہ تم اس کی زد میں نہیں آسکتے یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ وہ تم پر نہیں چل سکتا۔

خوبصورت عورت۔ حسن اس قدر ذلت پسند نہیں کہ بدصورت اور بدمذاق
انسانوں کو مسحور کرنا چاہے۔

صوفی۔ کیا یہ اشارہ میری طرف بھی ہے۔ میں تو کچھ ایسا بدصورت نہیں۔

متقی عورت۔ تم کو اس گمراہ عورت کی ہرزہ سرائیوں سے کیا واسطہ وہ تم
سے متنفر ہو لیکن میں تو نہیں ہوں۔

صوفی۔ تمہارے حسن میں کوئی راز نہیں۔ تمہارے خیالات نہایت سطحی اور
تمہاری گفتگو نہایت غیر دلچسپ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ عورت تم سے
زیادہ حسین ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے
حسن میں وہ حقیقتیں مضمر ہیں جن کی جستجو میں عمر بھر پھرتا رہا لیکن مجھے
نہ ملیں۔ وہ سرتاپا موسیقی ہے اس کے ترنم نے مجھ پر حسن کے تمام رموز
افشا کر دیئے۔ تمہارا حسن میرے لئے محض ایک فریب نظر تھا۔ تمہارا
مجاز خوبصورت ہے مگر تمہاری حقیقت ہرگز خوبصورت نہیں۔

خوبصورت مرد۔ تمہارے لئے اس عورت کا صحیح حسن بھی باعث تشفی نہیں
ہو سکتا۔ تم نسوانیت کے رموز لطیف سے عمر بھر ناآشنا رہے
تم میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ حسن نسوانی کے راز دار بن سکو
یہ صحیح ہے کہ یہ متقی عورت ابھی تم جس سے مایوس ہو چکے ہو اپنے اتقا
کی وجہ سے نسوانیت کی ایک مستقل تردید ہے۔ لیکن اس کے ساتھ
ہی تمہاری یہ شکایت کہ وہ ایک فریب نظر تھی تمہاری نادانیوں کا
مکمل ثبوت ہے عورت نہ کوئی سحر جسمانی ہے اور نہ کشش روحانی۔

وہ مرد کی شباب آلودہ نگاہوں کا محض ایک فریب نظر اور
اور اس کے مخمور دماغ کا محض ایک فریب تصور ہے۔

صوفی ۔ جو کچھ ہو مجھے اُس کے حسن میں حقیقت نظر آتی ہے۔ لیکن میں اس
متقی عورت سے قطعاً مایوس ہو گیا۔

خوبصورت عورت ۔ میں آپ کی حقیقت شناسی اور حسن پرستی کی داد
دیتی ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ میرا حسن آپ سے مانوس نہیں
ہو سکتا۔ آپ مجھ سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ آپ نے حقیقت کو محض
سطحیات میں تلاش کرنا چاہا صرف محفل سماع، خوبصورت گانے
والوں اور لذیذ غذاؤں میں تلاش کیا۔ یہ میں نہیں کہتی کہ آپ کو
حسن نسوانی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ آپ عورتوں سے محبت کرتے
تھے لیکن ریاکاریوں کے ساتھ اخلاقی رسوم کی بنا پر آپ اُن سے
بظاہر متنفر رہتے تھے۔ آپ کو یہ نہیں معلوم کہ حسن ایک بزدل
اور ریاکار محبت کرنے والے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ نے
کسی حسن کی بے تابانہ پرستش نہیں کی۔ آپ اسے اخلاقی جرم
سمجھتے تھے اس لئے آپ نے اپنی حسن پرستیوں پر مذہب کا پردہ
ڈالنا چاہا۔ میں آپ کے ساتھ اپنی عقبیٰ کو رائگاں کرنا نہیں چاہتی

متقی عورت ۔ (صوفی سے) ایسی عورتیں متقی محبت کرنے والوں کے لئے
ایک مستقل سزا ہوتی ہیں۔ میں خوش ہوئی کہ تم کو تمہاری ناعاقبت
اندیشیوں کی سزا فوراً مل گئی۔

شیطان - یہ تو دارالانتقام ہے یہاں ہر عمل کی سزا فوراً مل جاتی ہے۔
زاہد خشک - مجھے اس وقت دلی مسرت حاصل ہوئی۔ صوفی مجاز اور حقیقت
دونوں کی طرف دوڑتا تھا - الحمدللہ کہ نہ اُسے مجاز ملا اور نہ حقیقت
ملی - اب وہ کسی طرف کا نہیں رہا (صوفی سے) تمہارے لئے اب
کوئی ذریعۂ تشفی باقی نہیں رہا - مجھے تم سے ہمدردی ہے - تم نے
کسی بدصورت چہرے میں حسن حقیقی کی جستجو نہیں کی ورنہ اگر تم چاہتے
تو میری بیوی کے ساتھ اپنی عقبیٰ بسر کر سکتے تھے - میں معترض نہ ہوتا
مجھے یہاں اُس کے ساتھ نہیں رہنا ہے -
شیطان - کیا آج آپ اُن مقدس رشتوں کو توڑنا چاہتے ہیں جن کے
شرعی استحکام پر آپ کو اس قدر ناز تھا - آپ مجبور کیے جائیں گے
کہ اسی فضا میں اپنی عقبیٰ بسر کیجیے جس میں آپ کی دنیا بسر ہوئی تھی -
یہاں بھی آپ کی بیوی آپ کے ساتھ رہیں گی - اپنے شرعی تعلقات
کو آج آپ توڑ نہیں سکتے -
خوبصورت عورت - آپ کو اگر یہ دنیا ہی میں معلوم ہو گیا ہوتا کہ آپ کی
بیوی ہی آپ کے اتقا کی جزا ہو گی غالباً آپ ہمیشہ کے لئے زہد و اتقا
سے توبہ کر لیتے -
زاہد خشک - میری حالت قابل رحم ہے ہر شخص مجھ پر طنز و تشنیع کرتا ہے
خوبصورت عورتیں ظالم ہوتی ہیں حسن کی سفاکی ناقابل برداشت
ہے -

خوبصورت عورت - تمہارے لئے حسن ہی ناقابل برداشت ہے۔
خوبصورت مرد - بدصورت عورتیں بھی ظلم کرنا چاہتی ہیں لیکن کون ایسا بدمذاق ہے جو ان کے ظلم کو برداشت کرسکے یہی بے بسی بدصورت عورتوں کو بدطینت بنا دیتی ہے - لیکن ایک خوبصورت عورت ظلم بھی کرسکتی ہے اور رحم بھی - اس کا حسن مختار کامل ہے اس کے لئے نہ کوئی مذہبی قانون ہے اور نہ اخلاقی
بدصورت عورت - حسین عورتیں اپنے غرورِ حسن میں مذہب کی بھی توہین کرنے پر تیار رہتی ہیں جس کی سزا تو آج ملے گی۔
متقی عورت - اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ محض خوبصورت ہونا کوئی جرم ہے تم غلطی پر ہو البتہ گناہوں کی سزا ہر انسان کو دی جائے گی چاہے وہ خوبصورت ہو یا بدصورت -
خوبصورت مرد - حسن خود ہی ایک عذر گناہ ہے اور تمام عذرات سے برگزیدہ تر - ایک حسین گنہگار کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی - بشرطیکہ وہ حسن خیال اور حسن عمل سے محروم نہ ہو - مجھے تو اس میں بھی شک ہے کہ ایک خوش مذاق انسان سے خطائیں بھی سرزد ہوسکتی ہیں -

(دفعتاً ایک ہنگامہ ہوا - انسانوں کے کئی گروہ سراسیمہ اور پریشان دوڑتے ہوئے دکھلائی دیئے)

شیطان - حساب وکتاب کا وقت آگیا - ہم سب کو منتشر ہونا چاہیئے۔

(شیطان غائب ہو گیا۔ خوبصورت مرد اور خوبصورت عورت مسکراتے ہوئے ساتھ نکل گئے صوفی متفکر تھا وہ آہستہ آہستہ چلا گیا۔ زاہد خشک بے حد ملول اور رنجیدہ صورت لئے ہوئے اپنی بیوی کے ہمراہ گیا وہ بھی پریشان تھی۔ لیکن اس کے چہرے سے نفرت و انتقام نمایاں تھا۔

چوتھا منظر

معدلت گاہ خداوندی

(جلوہ گاہ نور کی بائیں جانب جبرئیل، اسرافیل، میکائیل اور عزرائیل ایک سلسلہ میں، ان کے بعد فرشتوں کا ایک گروہ دست بستہ کھڑا ہے۔ داہنی طرف برگزیدہ انسانوں کی ایک جماعت ہے جن کے چہروں کی تجلی فرشتوں کے نور سے بلند تر ہے۔ سامنے شیطان آدم اور حوا ایک صف میں کھڑے ہوئے ہیں ان کے پیچھے انسانوں کا ایک مضطرب ہجوم جزا و سزا کا منتظر ہے۔

ندا۔ جبرئیل انسانوں کی اس پاک جماعت کو جو عرش کی داہنی جانب کھڑی ہوئی ہے۔ جلوہ گاہ قدس میں لے جاؤ۔ یہ میرے محبوب ترین بندے ہیں انھیں حساب و کتاب کی زحمت نہ دی جائے گی۔ میرے فرشتے ان کی اطاعت کریں گے اور ان سے

اُس تقدس و اطاعت کا سبق لیں گے جسے انسانی زندگی کی کشمکش
بھی برباد نہ کر سکی۔

(انسانوں کا یہ مقدس گروہ دفعتاً غائب ہو گیا فرشتوں کی
جماعت نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

ندا۔ جبرئیل! فرشتوں سے کہہ دو کہ گوش بر آواز رہیں۔ شیطان سے
اس کے اعمال کی باز پرس ہونے والی ہے۔

(جبرئیل نے فرشتوں کی طرف دیکھا ان کی صورتوں پر
تحیر و استعجاب کا عالم طاری تھا۔ شیطان نے بھی فرشتوں کی طرف
متبسم ہو کر دیکھا۔

جبرئیل۔ تو قادر و توانا ہے تیری قدرت کاملہ ہی اپنے مصالح کو سمجھ سکتی
ہے۔ تیرے فرشتے تیری بارگاہ میں سر بسجود ہیں لیکن وہ متحیر ہیں کہ
شیطان سے آج باز پرس کیوں کی جا رہی ہے اُس کے نفرت انگیز
اعمال کی سزا اُسے ایک بار دی جا چکی وہ ہمیشہ کے لئے ملعون قرار
پا چکا۔ اُسے اپنے اعمال و افعال کی تشریح و تاویل کا موقع آج
دوبارہ کیوں دیا جا رہا ہے۔

ندا۔ فرشتے میرے اُن مصالح سے بے خبر ہیں جو تخلیق شیطنت کے باعث
ہوئے۔ وہ میری دنیا اور اس کے طلسم کو نہیں سمجھتے۔ وہ نہیں جانتے
کہ تخلیق انسانی سے میرا کیا مقصد تھا۔ شیطان کو بے شک سزا دی
جا چکی ہے لیکن ان اعمال کی جو اس سے بطور معلم الملکوت کے سرزد

ہوئے تھے۔ لیکن آج اس سے ان اعمال کی باز پرس ہو گی جن کا وہ بطور شیطان کے مرتکب ہوا۔ اس دن اس کی ملکوتیت معرضِ عتاب میں تھی آج اس کی شیطنت کی جزا و سزا ہو گی۔ اس کی دنیاوی زندگی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے اس کا حساب و کتاب آج کے لئے متعین تھا۔

(جبرئیل نے فرشتوں کی طرف دیکھا۔
شیطان نے پہلے فرشتوں کی طرف نظر کی اس کے بعد انسانوں کے ہجوم کو دیکھ کر آنکھوں سے فرشتوں کی طرف کچھ اشارہ کیا۔

جبرائیل۔ تو دانا و بینا ہے۔ تیرے فرشتے تیرے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ تیرے مصالح حقیقی اور تیرا فیصلہ حقیقی فیصلہ ہے

ندا۔ (شیطان سے) اے مردودِ ازلی تو نے آدم اور حوا کو گمراہ کیا اور ان کو میری نافرمانیوں کی ترغیب دی۔

شیطان۔ تیری مصلحت تیری قدرت کا کرشمہ۔ تو ہی نے مجھے مردود قرار دیا۔ میری مجال نہ تھی کہ میں اپنی ذات کو مردود بنا سکتا۔ میری قوت نہ تھی کہ آدم اور حوا کو گمراہ کر سکتا۔ تو نے اُسے دنیا کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا کسی وجہ سے تو نے انھیں بہشت میں رکھا لیکن اس سے نکلنا ضروری تھا صرف اس غرض سے مجھے فرشتہ سے شیطان کیا اور میں نے تیرے مصالح کی تکمیل کی، تو قادر و توانا تھا تو قادر و توانا ہے۔

(فرشتے ایک دوسری طرف استعجاب سے دیکھنے لگے)

ندا۔ میری مصلحت جو کچھ ہو۔ مگر کیا تیرا قصور نہ تھا۔

شیطان۔ تیری مصلحت۔ میرا قصور۔ تیری ہر مصلحت میرا قصور۔

ندا۔ خاموش! تیرے ہر گناہ کو میری رحمت نے معاف کر دیا۔

(تمام فرشتے متحیر رہ گئے۔ انسانوں کے ہجوم میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ ہزاروں انسان جوش مسرت میں چیخ اٹھے)

ندا۔ مگر تیری مجرمانہ زندگی کا وہ حصہ انتہائی تعزیر کا مستحق ہے جسے تو نے اس جرات و بے باکی سے انسانوں میں بسر کیا تیری گستاخیاں ناقابل عفو ہیں۔ تو میری کائنات کے ہر نظام میں رخنہ اندازی کرتا تھا۔ میں نے اصلاح انسانی کے لئے ہزاروں مصلح بھیجے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ تیری ایک کوشش ہزاروں اصلاحات کو مٹا دینے کے لئے کافی ہوتی تھی۔

شیطان۔ انسان ہر حیثیت سے ناقابل اصلاح تھا۔ اسے گناہ کرنا بھی نہ آیا۔ اس میں حسن ارتکاب کا ذرا بھی سلیقہ نہ تھا نیکیوں کی طرح گناہ بھی وہ نہایت غیر دلچسپ طریقے سے کرتا تھا۔ میں نے اسے کئی بار سمجھایا کہ معاصی خشک محاسن خشک سے بھی بدتر ہیں اگر اسے غیر دلچسپ اور کثیف گناہوں کا مرتکب ہونا ہے بہتر ہے کہ وہ نیکیاں ہی کرے۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس کے کثیف گناہوں کو لطیف اور اس کے غیر دلچسپ اور

خشونت آفریں محاسن کو معصیت رنگین کے ذریعہ سے دلچسپ اور دل فریب بنا دوں لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ میں نے اس سے بارہا کہا کہ حسن کی حقیقی دل فریبیاں لطیف گناہوں اور لطیف گنہگاروں میں مضمر ہیں۔ لیکن مجھے ایسی صلاحیت پذیر ہستیاں بہت کم ملیں جو معصیت رنگین کے رموز لطیف کی محرم ہو سکتیں۔ ایسے انسان دنیا میں بہت کم تھے جنھوں نے میرے پیام رنگین کو سمجھ کر اس پر صحیح طور پر عمل کرنے کی کوشش کی ہو۔ مگر انسان ایک حیثیت سے قابل معافی بھی ہے عقائد و اعمال میں حقیقی رنگینیاں پیدا کرنی کوئی آسان کام نہیں۔ ایک لطیف گناہ کا ارتکاب ہزار خشک نیکیوں سے زیادہ دشوار ہے۔

(فرشتے متعجب ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے)

ندا۔ تو نے میرے پرستاروں کے ہر طبقے کو کسی نہ کسی صورت سے گمراہ کیا۔ زاہد کے تقشف میں بھی تیرا دخل تھا اور صوفی کی رنگینیوں میں بھی۔ تو نے ہمیشہ انسانوں کو اعمال صالحہ سے روکا

شیطان۔ میں دنیا میں معصیت رنگین کے پیامبر کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا۔ تو نے اپنے بعض مصالح کی بنا پر انسان میں ذوق معاصی ودیعت کیا تھا۔ لیکن اس کی بد مذاقیوں سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ نیکیوں کی طرح گناہ بھی نہایت بد سلیقگی اور بدتمیزی سے کرے گا اس لئے حسن معاصی اور حسن ارتکاب کا شعبہ میرے سپرد کیا گیا

میں محاسن قبیح اور معاصی کثیف کی اصلاح کا ذمہ دار بنایا گیا تھا میرا فرض تھا کہ اعمال انسانی میں حقیقی رنگینیاں پیدا کروں۔ میں نے انسان کو سمجھایا کہ اعمالِ صالحہ وہ ہیں جو حسن خیال اور حسن ارتکاب سے مزین ہوں اور اعمال قبیحہ وہ ہیں جو خشک اور غیر دلچسپ، کثیف اور رکیک ہوں عام اس سے کہ وہ محاسن ہوں یا معاصی۔ حقیقی حسن و قبح اُن سطحی امتیازات پر منحصر نہیں جو کج فہم انسان نے گناہ و ثواب کے درمیان قائم کئے ہیں۔ بلکہ صحیح معیار حسن عقائد اور رنگینیٔ اعمال ہے۔ حسن ارتکاب سے معصیت حقیقی محاسن میں شامل ہو جاتی ہے اور کثافت عمل سے محاسن بھی ناقابل عفو معاصی بن جاتے ہیں۔ اگر میں نے جوان صالح کو اس کے اعمال صالحہ سے روکا تو صرف اس لئے کہ حقیقتاً وہ اعمال صالحہ نہ تھے، خشک اور غیر دلچسپ اعمال کبھی اعمال صالحہ نہیں ہو سکتے۔ زاہد خشک کی زندگی خلوت نشینی کی بیکاریوں اور عمل نیک کی خشکیوں میں رائیگاں ہو رہی تھی۔ میں نے چاہا کہ اس کی اصلاح کروں مگر وہ اس قدر بر خود غلط تھا کہ اُس نے کسی مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی اس کی تنگ نظری ناقابل اصلاح تھی وہ عقائد و اعمال کا اس قدر قائل نہ تھا جس قدر جزا و سزا کا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کی ساری زندگی حرص و انتشار میں گزری نہ اس کی منزل دل فریب تھی اور نہ جادۂ منزل۔

اس کی ناکامیوں کا بھی راز ہے۔ صوفی حسن پرست ضرور تھا
لیکن ایک بزدل اور گمراہ حسن پرست۔ مذہب سے مرعوب
ہو کر اُس نے طریقت کا حیلہ اختیار کیا۔ اگر وہ بدمذاق نہ ہوتا
اس سے زیادہ دل فریب حیلہ نکال سکتا تھا۔ اس کے علاوہ
وہ اُن مظاہر میں اور اُن ذرائع سے حسن کی جستجو کرتا تھا جس
میں قطعاً کوئی کشش نہ تھی۔ اُس کی پریشان خیالیوں نے
اُسے ہمیشہ محروم رکھا وہ جب حسن کو دیکھتا تھا سمجھتا تھا کہ محض
ایک پردہ ہے جس کے اندر کوئی دوسرا حسن پوشیدہ ہے
جسے اُس کی اصطلاح میں حقیقی کہتے ہیں۔ اس کی یہی نادانیاں اس کی
آوارہ گردیوں کا باعث ہوئیں۔ میں نے اسے بتلایا کہ حسن خود ہی
اپنا ظاہر ہے اور خود ہی اپنا باطن لیکن وہ ہمیشہ مجاز و حقیقت کے
معمے میں الجھا رہا۔ اُس کی محرومیوں کا باعث محض یہ ہے کہ اس نے
میری حقیقت نہ پہچانی۔

ندا۔ تو ہمیشہ زاہد کے مجاہدات نفس کو قابل مضحکہ سمجھتا۔ تو نے اس کے
ایثار اور نفس کشی کی تذلیل و تحقیر کی۔

شیطان۔ ایثار اور نفس کشی روح کی نشو و نما کے لیے کتنی ہی ضروری کیوں
نہ ہوں لیکن انبساطِ حسن کی قطعی دشمن ہیں۔ اس سے چہرے پر ایسا
غیر معمولی سنجیدگی اور خیالات میں ایک قسم کی پژمردگی پیدا ہو جاتی
ہے جو عہدِ شباب کے لئے کسی طرح موزوں نہیں۔ مجاہدات نفس

سے سیرت اور صورت دونوں میں اضمحلال پیدا ہوجاتا ہے۔ میرے پیام رنگین کو صرف حسن و شباب سے تعلق تھا۔ اس لئے میں نے خوبصورت اور نوجوان انسانوں کو اُن تمام مجاہدات سے روکا جن سے فطرت کی رنگینیاں اور صورت کی دلآویزی فنا ہوجاتی ہے وہ تمام فرائض جو مذہب و اخلاق نے انسان پر اُس کی اصلاح کے لئے عائد کئے تھے ہمیشہ انسانی صورت کے لئے مہلک ثابت ہوئے۔ وضع و لباس کے لئے ایسے احکام نافذ کئے گئے تھے جن کی پابندی جسم اور چہرے کو بدنما بنا دیتی تھی اسی طرح اصلاح سیرت کے لئے جن اعمال و فرائض کی تلقین کی گئی وہ بھی اکثر حسن صورت کے دشمن تھے۔ غرض کہ ہر تلاش حسن اور اُس کی رنگینیوں کے لئے خطرناک تھی۔ یہی نہیں بلکہ میں یہاں تک کہنے پر تیار ہوں کہ مجاہدات نفس اور لذت شکنی ارتقاء روح کے لئے بھی کسی طرح ضروری نہیں کہے جا سکتے وہ ریاضتیں کبھی روح کو لطیف نہیں بنا سکتیں جو جسم کی لطافتوں کو فنا کردیں صحیح اعمال وہ ہیں جو حسن سیرت اور حسن صورت کے درمیان ایک لطیف توازن قائم رکھ سکیں۔ بہر صورت حسن سیرت کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ لیکن ایسا نہیں کہ اُس پر حسن صورت قربان کردیا جائے۔ میں یہ نہیں برداشت کرسکتا کہ حسن و شباب پر اُن غیر دلچسپ فرائض کا بار ڈالا جائے جس سے کانٹا ہے کے

سب سے بڑے مصالح یعنی حسن و شباب برباد ہو جائیں ......

ندا ۔ تو چاہتا تھا کہ حسن تمام بندشوں سے آزاد کر دیا جائے ۔ اس کی اصلاح کے لئے نہ فرائض ہوں اور نہ بندشیں !

شیطان ۔ وہ تمام فرائض ایک حسین انسان کے لئے منوعات میں داخل ہیں جن سے حسن کی حقیقی دل فریبیوں کو صدمہ پہنچتا ہو ۔ ایک خوبصورت انسان کے لئے حسن ہی اس کا فرض ہے اور حسن ہی اس کی بندش حسن خود برگزیدہ ترین مصلح ہے ۔ وہ ہزاروں خرابیوں کی اصلاح کر سکتا ہے ۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ دنیا میں ہزاروں اصلاحات محض حسن کی سعی پیہم سے ہوئی ہیں ۔ مذہب و اخلاق کی بھی اصلاح حسن ہی کر سکتا ہے میرے خیال میں حسن و شباب پر مذہبی اور اخلاقی فرائض عائد کرنے کے بجائے مذہب و اخلاق پر حسن و شباب کی طرف سے فرائض عائد کرنے چاہیئے تھے ۔ بہر حال میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ حسن کی دنیا میں میں نے ان فرائض کو آنے نہیں دیا جو مخرب شباب تھے لیکن کبرسنی کے فرائض میں میں نے کوئی دخل نہیں دیا ۔ اسے میں نے کامل اختیار دے دیا کہ جس قدر چاہے ریاضتیں کرے اور جس طرح چاہے نفس کشی کرے ۔ ایک پیر کہن سال اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا ہے ۔ جب انسان میں حسن تخیل اور شیرینی حرکات فنا ہو جاتی ہے وہ لطیف معاصی سے تائب ہو کر نیک معاش بن جاتا ہے ۔ اسی طرح میں نے بدصورت اور بدمذاق

انسانوں کو بھی اُن کے فرائض سے نہیں روکا۔ زہد واتقا اُن کا اعتراف شکست تھا وہ لطیف اور دلچسپ گناہوں کا ارتکاب ہی نہیں کر سکتے تھے اُن کی یہ بہترین سزا تھی کہ اخلاقی بندشیں اُن پر عائد کی جائیں اور اُن کی تمام عمر خشک اور غیر دلچسپ نیکیوں کے ارتکاب میں ختم ہو جائے۔ اسی خیال سے اکثر میں نے اُنھیں اس کی ترغیب بھی دی کہ اپنے مذہبی اور اخلاقی فرائض کی سختی کے ساتھ پابندی کریں۔ اس طریقے سے میں انھیں اُن کی فطری بد مذاقیوں کی سزا دینا چاہتا تھا۔ مذہب حسن کے مراسم و آداب دوسرے مذاہب کے غیر دلچسپ آئین واصول سے زیادہ محترم ہیں۔ یہ مذہب صرف آشنایان راز کے لئے مختص تھا جن کی فطری صلاحیتوں نے انھیں حسن کا حقیقی محرم بنا دیا تھا ہر بیوقوف انسان عام مذاہب کی تعلیم کو سمجھ سکتا ہے اور اگر استقلال کے ساتھ عمل کرنا چاہے عمل بھی کر سکتا ہے۔ لیکن مذہب حسن وشباب کے سمجھنے کے لئے فطرت میں حقیقی رنگینیاں خیالات میں حقیقی لطافتیں اور اعمال میں حقیقی دلفریبیاں چاہئیں۔ یہی وہ صفات عالیہ ہیں جن کو میں معاصی لطیف کے ذریعہ سے انسان میں پیدا کرنا چاہتا تھا اور جن کو میں جانتا ہوں کہ زہد خشک اور ایثار ونفس کشی کے ذریعہ سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتیں۔ البتہ حسن وشباب اور نسوانیت کی حقیقی رنگینیاں ......

ندا۔ تو حسن نسوانی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے تو نہیں جانتا کہ اس کا ذکر بھی میرے معصوم فرشتوں کے لئے باعث غیرت ہوگا۔

شیطان۔ میں سمجھتا ہوں کہ معصوم فرشتوں کے دلوں میں حسن نسوانی کے تذکرہ سے ایک تلاطم پیدا ہو جائے گا لیکن اگر وہ اسے اپنے لئے باعث ننگ سمجھتے ہیں مجھے اُن کی بد مذاقیوں پر سخت افسوس ہے۔ بہر حال یہ تذکرہ لطیف فرشتوں کے لئے کتنا ہی مہلک کیوں نہ ہو۔ میں مجبور ہوں کہ اس کا اعادہ کروں میں نے انسان سے بارہا کہا کہ ایک خوبصورت عورت جس کا شباب نسوانیت کی دل فریبیوں سے معمور ہو کائنات کی ایک مستقل حقیقت ہے انسان اگر اُس کے رموز لطیف سے آگاہ ہو جائے جن کے ہزاروں حقائق اُس پر خود بخود روشن ہو جائیں گے۔ لیکن انسان اس قدر تنگ نظر اور کوتاہ بیں تھا کہ وہ کبھی ان رموز رنگیں کا محرم نہ ہو سکا۔ اُسے ہر عورت عورت نظر آتی تھی وہ یہ نہ سمجھا کہ ایک بدصورت عورت کا شباب دنیا کے مہلک ترین امراض میں سے ہے جو شخص اُس سے محفوظ رہ سکا وہ دنیا کی کسی دوسری مصیبت میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ صحیح معنوں میں عورت وہ ہے جس کی نسوانیت قیود سے جا کو توڑ کر حسن و شباب کی رنگینیوں میں محو ہو جائے۔

(شیطان کی اس گفتگو سے فرشتوں کے چہروں پر حیرت

پریشانی پیدا ہوگئی)

ندا - یہ تیری ہی گمراہ کن تعلیم کا نتیجہ ہے کہ انسان حسن نسوانی کی محبت
میں مبتلا ہو کر مجھ کو اور میرے احکام کو بھول گیا۔

شیطان - میں محبت کی محویتوں کو بدمذاقی سے تعبیر کرتا ہوں محبت میں محو ہوجانا
حسن وشباب کی رنگینیوں کا خون کرنا ہے تصورات کی لطافتیں
اسی وقت برباد ہو جاتی ہیں جب انسان دیوانہ وار محبت کی
پرستش کرنے لگتا ہے - میں ہر قسم کی پرستش کا دشمن ہوں - جذبہ پر
پرستش احساس خودداری کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیتا ہے - میں
غلامانہ نیازمندی کا ہمیشہ سے مخالف ہوں چاہے وہ مذہب و
اخلاق میں ہو یا انس ومحبت میں - حسن وشباب کی دنیا میں بھی
میرا یہی پیام تھا کہ انہماک مہلک ہے انسان کو اپنی شخصیت فنا
نہ کرنی چاہیئے - وفا محض جذبۂ رذالت پسندی ہے - شرع حسن و
شباب کا یہ تقاضا ہے کہ انسان اپنے تصورات لطیف کو برباد
نہ کرے - محویت وانہماک ہر حیثیت سے انسانوں کے لئے
خطرناک ہے - عام اس سے کہ وہ گناہوں میں ہو یا نیکیوں میں
لیکن انسان کی احمقانہ انتہا پسندیوں نے میرے تلقین وارشاد
کی قدر نہ کی - قیس وفرہاد کے ایسے مبتذل اور خود فروش
محبت کرنے والوں نے حسن کی بھی توہین کی اور محبت کی بھی
اُن کی بدمذاقیوں نے محبت کی مضحکہ انگیز مثال قائم کر دی

جس نے انسان کو تمام عمر گمراہیوں میں مبتلا رکھا - ایک طرف میں اس امر کی کوشش کرتا رہا کہ اس قسم کی محبت کا نقش انسانی قلوب سے مٹا دوں - دوسری طرف طبقہ شعرا کے جہل مرکب نے ان بد مذاقیوں کی تشہیر و اشاعت کرنی چاہی - بیوقوف انسان یہ نہ سمجھا کہ عالم محبت میں انتہائی غلو اسی قدر مضحکہ انگیز ہے جس قدر مذہب و اخلاق کے خود ساختہ اصول و مراسم ہیں -

خدا - تو نے انسان کو ہر گناہ پر آمادہ کیا - تیری تعلیم سے انسانی قلوب میں خباثتیں اور رکاکتیں پیدا ہو گئیں -

شیطان - میں اس الزام سے قطعاً انکار کرتا ہوں کہ میری تعلیم نے خباثت و رکاکت پیدا کر دی - میں خباثت آفریں گناہوں سے قطعاً بری الذمہ ہوں حقیقت میں میں خباثت و رکاکت کا دشمن ہوں - میں انسان کو رکاکت آفریں گناہوں سے اسی طرح روکتا رہا جس طرح اُن نیکیوں سے جن سے متانت اور سنجیدگی کے ایسے ناقابل اصلاح عیوب پیدا ہو جاتے ہیں - میں صرف معاصی لطیف کا پیامبر تھا - اس لئے میں نے صرف ان گناہوں کی ترغیب دی جن سے صرف لطافتیں پیدا ہو سکتی ہیں اور جن کی رنگینیاں خود اپنا آغاز تھیں اور خود اپنا انجام - میں کسی طرح ان گناہوں کا ذمہ دار نہیں جنھوں نے ہزاروں انسانوں کو قطعی طور پر حیوان بنا دیا ہے - ایسے گناہ میرے پیام رنگین کے دشمن تھے ہیں اُن

سے ہمیشہ متنفر رہا۔ خود انسان کی بدمذاقی اور برُے مصالح سے
ان نفرت انگیز گناہوں کی ترغیب دیتے تھے یہ اُس کی مکاری
اور گستاخی تھی کہ وہ اپنے تمام گناہوں کا الزام مجھ پر رکھتا تھا۔ خواہ
وہ کثیف ہوں یا لطیف دلچسپ ہوں یا غیر دلچسپ۔ میں خباثت پرور
اور کثافت آفریں گناہوں سے اسی طرح متنفر تھا جس طرح رکیک
اور خشک نیکیوں سے۔ لیکن دنیا میں میرے متعلق سخت غلط فہمیاں
رہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ یہاں اُس سے زیادہ ہیں۔ تیرے فرشتے
میرے رازِ شیطنت سے اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح تیرے راز
الوہیت سے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ غلط فہمیاں ہمیشہ کے لئے دور
کر دی جائیں۔ اس ہجوم حشر میں میں نہایت فخر و امتیاز کے ساتھ
اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انسان کو معاصی لطیف کی ترغیب دی اور
اُسے محاسن قبیح سے روکا۔ میں حقیقتاً ان تمام گناہوں کا محرک ہوں
جنھوں نے بعض برگزیدہ انسانوں کو ہمیشہ کے لیے حقیقی رنگینیوں
میں محو کردیا ہے۔ آج میں ارباب قضا و قدر سے اپنی کاوشوں کی
داد کا طالب ہوں۔ میں نے اُن کے اہم مصالح کی تکمیل کی۔

جبرائیل۔ تو سمیع و بصیر ہے۔ تیرے فرشتے تیرے حکم کے منتظر ہیں شیطان
کہاں بھیجا جائے۔

ندا۔ ابھی اس کی باز پرس ختم نہیں ہوئی۔

(فرشتوں میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا تمام انسان سراسیمہ

ہو گئے۔ لیکن چند صدا ہائے آفریں بھی اٹھیں۔

جبرائیل۔ تو منتقم حقیقی ہے۔

شیطان۔ یہ فرشتے صرف تیری قہاری پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ تیرے مصالح اور تیری رحمت سے ناآشنا ہیں۔

ندا۔ شیطان! تیرا یہ قصور ناقابلِ عفو ہے کہ تو نے میرے مصالح پر اس ہجوم حشر میں گستاخانہ تقریر کی۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میرے فرشتے ان مسائل میں اُلجھ کر کشمکش میں مبتلا ہو جائیں۔

شیطان۔ تیرے حساب و کتاب کا تقاضا یہی تھا کہ میں اپنے حقیقی عذرات کو پیش کروں۔ تیرے مصالح کے سامنے میں نے ہمیشہ سرِ تسلیم خم کیا اور آج بھی کرتا ہوں۔

ندا۔ میری رحمتیں فیاض ہیں۔ میں نے تیرے قصور معاف کئے۔

(فرشتے مبہوت ہو گئے۔ جبرائیل اور اسرافیل وغیرہ ایک دوسرے کی طرف پریشان ہو کر دیکھنے لگے انسانوں میں ایک عام بے چینی پیدا ہو گئی ایک طبقہ سے نعرہائے مسرت بلند ہوئے۔

جبرائیل۔ تو رحیم و کریم ہے۔ تیرے فرشتے متعجب ہیں، کیا اس کا وہ گناہ بھی معاف ہو جائے گا جس کی بنا پر وہ ملعون قرار دیا گیا تھا۔

ندا۔ جس دنیا کے لئے وہ ملعون قرار دیا گیا تھا وہ تماشا ہی ختم ہو گیا۔ فرشتوں کو میری رحمت سے بے خبر نہ رہنا چاہئے۔

(فرشتے مایوس ہو کر حمد و تسبیح میں مشغول ہو گئے)

شیطان - میری التجا ہے کہ خبیث اور کثیف گنہگاروں پر انتہائی عتاب نازل کیا جائے اور انھیں شدید ترین سزا دی جائے وہ تیرے بھی مجرم ہیں اور میرے بھی - نیک اور متقی انسانوں کو تو چاہے جزا دے یا سزا مجھے اس سے کوئی بحث نہیں - البتہ میں یہ چاہتا ہوں کہ زہد و اتقا کی جزا و سزا دونوں رنگینیوں سے اسی طرح محروم ہوں جس طرح ان کی دنیا تھی - مجھے تیرے انصاف پر ہمیشہ احتمال رہا اور آج بھی ہے - البتہ اُن بلند نظر اور بلند حوصلہ انسانوں کے حشر سے مجھے خاص تعلق ہے جنھوں نے میرے پیام کو سمجھ لیا اور میری تلقین و ارشاد کو اپنے عقائد و اعمال کا رہبر بنایا آج اُن کی راست روی کی داد دے اور انھیں ابدی رنگینیاں عطا فرما - آدم و حوا میری وساطت سے بے نیاز ہیں - ان کا حشر تیرے مصالح پر منحصر ہے -

ندا - جبرائیل! آدم و حوا سے کہہ دو کہ اُن کے اعمال کی کوئی باز پرس آج نہ ہوگی - اُن کی تخلیق اور اُن کی سزائیں میری چند مصالح پر مبنی تھیں - اُن مصالح کی آج تکمیل ہو گئی - اُن کو اختیار ہے جہاں چاہیں رہیں -

آدم - جبرئیل! کیا جنت وہی جنت ہے جہاں سے ہم نکالے گئے تھے کیا اب وہ ثمرِ ممنوعہ وہاں نہیں -

حوا - جبرئیل! کیا دوزخ وہی دوزخ ہے جہاں ہم لوگ بھیجے جا رہے

تھے۔ کیا ہم دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجے جاسکتے۔

شیطان - جبریل سے کیا پوچھتی ہو مجھ سے پوچھو۔ میں ملعون قرار دیئے جانے کے بعد ہی جنت کی تمام سازشوں کا رازدار بنا لیا گیا تھا۔ ثمر ممنوعہ تمہاری جلاوطنی کا محض ایک حیلہ تھا۔ خدا تخلیق کائنات کا کوئی موقع چاہتا تھا ثمر ممنوعہ کے اختراع کا باعث یہی ہے۔ وہ اُسی وقت برباد ہو گیا جب تم جنت سے نکالے گئے۔ آج نہ جنت وہ جنت ہے اور نہ دوزخ وہ دوزخ۔ وہ نظام ہی ختم ہو گیا جو ابتدائے آفرینش سے نفخ صور کے لمحوں تک قائم تھا آج انکشافِ حقائق کا دن ہے۔ جزا و سزا کے حقائق خود بخود روشن ہو رہے ہیں۔ آج اعمال اور اجراء اعمال سے جنت اور دوزخ ایک نئے اصول پر تعمیر کی جائے گی تمہیں اگر دنیا عزیز ہے تمہیں اختیار ہے کہ اپنی دنیا یہیں تعمیر کر لو۔

ندا - جبریل! زاہد خشک اور اس کی بیوی کو سامنے لاؤ۔

زاہد خشک - اے رب العالمین۔ میں تیرا فرماں بردار بندہ ہوں میں نے اپنی ساری زندگی عبادت و ریاضت میں گزاری۔ ایثار اور نفس کشی سے میں نے لذت پرستیوں کے اُن تمام جذبات کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا جو مجھے تیرے احکام سے منحرف کر سکتے تھے۔ میں حسن اور بالخصوص حسن نسوانی سے ہمیشہ متنفر رہا۔ میں غیر شرعی حسن و محبت کو دشمن ایمان سمجھتا تھا۔ میں نے اپنے دامن کو

دنیاوی رنگینیوں سے محفوظ رکھا۔ آج میرے زہد و ایثار کا
اجر جمیل عطا فرما۔

شیطان۔ تمھاری فطرت رنگینیوں سے متنفر تھی اور تمھارا تخیل تصورات
لطیف سے غیر مانوس اس لئے آج تمھاری جزا بھی اُن دلفریبیوں
سے بیگانہ ہوگی جس سے تم عمر بھر بیگانہ رہے۔ تم کو ان رنگینیوں
سے یہاں بھی پرہیز کرنا پڑے گا جن سے تم دنیا میں پرہیز کرتے
رہے۔ وہ تم سے کبھی مانوس نہیں ہو سکتیں۔

ندا۔ تم کو تمھارے اعمال کی جنت دی گئی۔ جن مکروہات و ممنوعات
سے تم دنیا میں متنفر رہے اس کا شائبہ بھی تمھاری جنت میں
نہ ہوگا۔ تمھاری بیوی تمھاری عصمت و اتقا کی جزا ہے وہ
یہاں تمھاری تنہا رفیق ہوگی۔ میری رحمت نے تمھیں اجر جمیل
عطا کیا۔

زبد صورت عورت نے خوبصورت مرد اور عورت کی طرف
دیکھا۔ خوبصورت عورت متبسم تھی اُس نے مایوس ہو کر نظر ہٹالی۔

ندا۔ جبریئل! صوفی کو سامنے لاؤ۔

صوفی۔ اے مجاز کی حقیقت، مجھے اپنی ذات میں فنا کر دے۔ میں
ہمیشہ گرم جستجو رہا۔ لیکن حقیقت نہ ملنی تھی نہ ملی۔ ہر مجاز مجھے بالآخر
ایک سراب نظر آیا۔ آج مجھے اپنی حقیقتوں کا تماشا دکھلا۔

شیطان۔ حسن نسوانی سے تم بظاہر بیگانہ رہے۔ وہ بھی یہاں تم سے

بیگانہ رہنا چاہتی ہے۔ تمہارے مجاز کی یہ بھی ایک حقیقت ہے
ندا۔ یہ تیری نادانی تھی کہ تیرے سامنے جو حقیقت آئی تو اُسے مجاز
سمجھا۔ مجاز و حقیقت کے بے جا امتیاز ہی میں تیری جستجو کی ناکامیاں
پنہاں تھیں۔ تو اپنی گمراہیوں کے باعث اب تک حقائق سے
ناآشنا رہا۔ آج دفعتاً تو اُن سے مایوس نہیں ہو سکتا۔
جس طرح دنیا میں تیری عمر صرف جستجو رہی اسی طرح اس وسیع دنیا
کی نیرنگینیوں میں بھی سعی و تلاش میں تجھے منہمک رہنا پڑے گا
تیری منزل ابھی تجھے نہیں مل سکتی۔ تیری حیلہ سازیوں کا یہی
خمیازہ ہے۔ ابھی تو اپنے مجاز کا تماشا دیکھ۔ حقائق کا تماشا
تجھے آج نہیں دکھلایا جا سکتا ہے۔

(صوفی نے دونوں خوبصورت عورتوں کی طرف مغموم
ہو کر دیکھا۔ متقی عورت کے چہرے پر انتقامانہ تبسم تھا)

ندا۔ جبرئیل خوبصورت اور متقی عورت کو سامنے لاؤ۔

متقی عورت۔ خداوندا مجھے میری عصمت و عفت کی جزا دے۔ دوسری
حسین عورتوں کی طرح میں نے اپنے حسن کو رسوا اور ذلیل نہیں
کیا۔ میں نے کسی سے ناعاقبت اندیش محبت نہیں کی۔ صرف
تیری اطاعت و فرماں برداری کو ہی حقیقی محبت سمجھی دوسروں
کی طرح حسن کے زعم باطل میں کبھی میں تجھے اور تیرے احکام کو
نہیں بھولی۔ میں نے دنیا اور عقبیٰ میں ایک مذہبی امتیاز قائم رکھا

شیطان ۔ عصمت وعفت کا صحیح مفہوم کج فہم انسان آج تک نہ سمجھا
تم اپنی بد مذاقی اور سنگدلی کو عصمت وعفت کہتی ہو۔ جس طرح
زاہد اپنی ناچارگیوں اور مجبوریوں کو زہد و اتقا سمجھتا ہے ۔
تمھاری صورت حسن سے آشنا تھی لیکن تمھاری فطرت حسن
کی رنگینیوں سے قطعاً محروم تھی ۔ سیرت اور صورت کے اس
تصادم میں تمھاری فطری بد مذاقی تمھارے حسن پر غالب آگئی
فرائض نسوانیت سے تم ہمیشہ بیگانہ رہیں ۔ تم یہ بھی نہ سمجھیں کہ
عصمت وعفت کسے کہتے ہیں ۔ تمھارے اعمال بے روح
کا یہ نتیجہ ہے کہ آج تمھارے چہرے پر وہ شگفتگی نہیں جو اُس
خوبصورت عورت کے چہرے پر نمایاں ہے ۔ آج ممکن ہے
تمھیں تمھاری ریاضتوں کی کوئی جزا ملے ۔ لیکن تمھارے حسن
کی کوئی جزا نہیں مل سکتی ۔ تمھاری زندگی میں اُس کا کوئی حصہ
نہ تھا ۔ تم نے ہمیشہ اس کی توہین کی ۔ تمھاری جزا کبھی لطیف نہیں
ہو سکتی ۔

ندا ۔ اے متقی عورت تجھے تیرے اتقا اور تیری عصمت کی جزا دی جائے
گی ۔ تجھے سکون و اطمینان عطا کیا جائے گا تیرے سکون میں رنگینیوں
کی جھلک نہ ہوگی ۔ کیونکہ تو اس کی متحمل نہیں ہو سکتی ۔ کسی خوبصورت
انسان کو اس کی اجازت نہ دی جائے گی کہ تیری خلوت نشینیوں
میں حارج ہو ۔ کوئی شخص تیری عبادت گزار تنہائیوں میں مخل

نہیں ہو سکتا - یہی تیرے لئے جز اے خیر ہے -

(متقی عورت نے مایوس ہو کر خوبصورت مرد کی طرف دیکھا

خوبصورت عورت بھی سامنے تھی دونوں متبسم تھے متقی عورت

کی صورت پر حسد و رشک کی شکنیں پیدا ہو گئیں)

ندا - اے رازدار معصیت اپنی جماعت کو سامنے لا -

(سب سے آگے خوبصورت مرد اور خوبصورت عورت تھے

ان کے بعد حسین انسانوں کا ایک مجمع تھا جن کی آنکھوں سے ذہانت

چہرے سے سلیقہ اور لبوں سے ایک رازدارانہ تبسم نمایاں تھا)

خوبصورت مرد - اے حسن حقیقی ہم نے عقائد لطیف اور اعمال رنگین کے

ذریعہ سے تجھے پہچان لیا - زاہد کی طرح ہم جاہل اور بدمذاق نہ تھے

صوفی کی طرح ہم حیلہ ساز اور گمراہ نہ تھے، فلسفہ کائنات پر غور کرنے

والوں کی طرح ہم میں جہل مرکب نہ تھا - ہماری زندگی انتشار و تذبذب

میں نہیں گزری - مذہب حسن و شباب ہماری صراط مستقیم تھا

تیرے شیطان نے ہم کو اُن رموز شیریں سے آگاہ کر دیا تھا

جو ہمیشہ معصیت رنگیں میں پوشیدہ رہے - ہم نے وہ گناہ نہیں

کئے جس سے فطرت انسانی میں خباثت و سفلگی، رکاکت و کثافت

پیدا ہو جاتی ہے - ہم نے وہ نیکیاں بھی نہیں کیں جن سے چہرے سنجیدہ

ہو جاتے ہیں اور طبائع مضمحل - غرض کہ ہم سے وہ اعمال حسنہ کبھی سرزد

نہیں ہوئے جن سے حسن سیرت اور حسن صورت دونوں کو صدمہ

پہنچتا ہے۔ ہماری زندگی حقیقی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں بسر ہوئی
ہم اعمال صالحہ کے رازدار تھے۔ ہم یہ بھی جانتے تھے کہ نہ جنت کوئی
مستقل جنت ہے اور نہ دوزخ کوئی مستقل دوزخ۔ ہر انسان خود
اپنی جنت اور اپنی دوزخ کی تعمیر کر سکتا ہے۔ اس لئے آج نہ ہم اس
دوزخ سے خائف ہیں جس کی دھمکی ہمیں بار ہا دی گئی اور نہ اس
جنت کے متمنی جس کی تمنا میں حریص اور طامع انسان اپنی خوبصورت
دنیا کو برباد کر دینے پر تیار ہو جاتا تھا ہم کو یہ معلوم تھا کہ دوزخ
محض ایک فریب سزا ہے اور جنت محض ایک فریب جزا۔ ہم
تجھے بھی سمجھتے تھے اور تیرے شیطان کو بھی۔ گمراہ انسانوں کی طرح
ہمارا یہ عقیدہ نہ تھا کہ تو بے حس ہے اور ہر ہستی جو تجھ سے
بغاوت کرنا چاہے تیرے مصالح کو ہمیشہ کے لئے برباد کر سکتی
ہے۔ ہم جانتے تھے کہ بغاوت شیطانی تیری ایک مستقل مصلحت
ہے۔ اس لئے جاہل مولویوں اور گمراہ زاہدوں کی طرح ہم کسی
شیطان سے خائف نہیں رہے مولوی سمجھتا تھا کہ شیطان ایک
بالاتر قوت ہے جسے تیری قدرت کاملہ مغلوب نہ کر سکی یہ صریحی
کفر والحاد تھا اور صریحی شرک جس نے انسان کو تیرے علاوہ
شیطان سے بھی خائف رکھا۔ ہم اس راز لطیف کے محرم تھے
کہ تیری یہ کائنات رنگینیوں کا محض ایک طلسم ہے اور شیطان
حقائق رنگین کا ایک رازدار اس لئے دنیا و عقبیٰ محاسن و معاصی

اور جزا و سزا کے امتیازات اور ان کی حقیقتیں ہم پر منکشف ہو گئیں آج ہم
اپنی اس جنت کی تعمیر کریں گے جس کا تخیل تیرے معصوم فرشتے بھی قائم نہیں کر سکتے
وہ اپنی ایک تنہا مثال ہو گی یعنی حقائق محاسن اور حقائق معاصی کی ایک مستقل
کائنات جس کی تضائیں ہمارے عقائد رنگیں اور اعمال رنگیں کی تجلیوں سے معمور ہوں گی
(انسانوں کی اس فصاحت پر فرشتے متحیر ہو گئے ابلیس کی زبان سے بھی آفرین نکل گئی)

ندا ۔ تم میرے عفو و کرم اور فیض عام کے حقائق سمجھتے ہو تمھیں اختیار کامل ہے
کہ جس طرح چاہو اپنی عقبیٰ بسر کرو۔

(جماعت نے نعرۂ تکبیر بلند کیا فرشتے مایوس ہو گئے شیطان نے ان کی طرف
مسکراتے ہوئے دیکھا)

ایک گروہ انسانی انتہائی متانت کے ساتھ آگے بڑھا ۔ ہر شخص کے چہرے پر
غیر معمولی سنجیدگی تھی اور ہر انداز سے انہماک و غلو نمایاں تھا صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر
شخص نے تحقیق و اجتہاد میں عمر گزاری ہے ۔ ان میں سے ایک محقق سامنے آیا ۔

محقق ۔ اے وہ کہ دنیا میں تو ہمیشہ ایک مستقل موضوع بحث رہا ۔ آخر تو کیا ہے ہمارے
اس گروہ میں ملحدین بھی ہیں اور مشککین بھی ۔ تیرے وجود کے قائل بھی ہیں اور
منکر بھی ۔ ہم نے عمر بھر فلسفۂ کائنات پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کیا ۔ لیکن
ہم پر کوئی حقیقت منکشف نہ ہوئی ۔ ہمارا گروہ اس قدر ذمہ داریاں محسوس
کرتا رہا کہ اگر ہم میں سے کسی غیر محقق کو تیرے وجود کا یقین بھی ہو گیا
اس نے دنیا کے سامنے کبھی اس کا اقرار نہیں کیا صرف اس اندیشے
سے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ناتمام)

منظومات

"یادِ ببوق"[1]

اے پیکرِ انبساطِ ہستی! — تو حسنِ تبسمِ جہاں تھا
اک صبحِ اُمید کی جھلک تھی — اک حرفِ پیامِ آسماں تھا
سیمابِ نشاط تھا سراپا — دیوانۂ عیشِ کامراں تھا

---

(۱) موضع مسولی ضلع بارہ بنکی (اودھ) کے ایک مقتدر خاندان کے چشم و چراغ شیخ ولایت علی قدوائی مرحوم و مغفور۔ خاندانی پیشہ ریاست و امارت، ذاتی مشغلہ وکالت مگر صاحب خدمت اولیا رکے اطوار۔ احباب نواز کنبہ پرور اور بلند حوصلہ، نڈر ایسے کہ جس خدائی میں روزی کمانے کا روزگار پھیلا رکھا تھا اُسی کے خداوندوں سے ٹکرائے اور شاندار کامیابیاں پائیں۔ مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کے شہرۂ آفاق انگریزی اخبار Comrade کے مزاحیہ کالموں Tidbits میں "ببوق" نام سے طنز اور مزاح کے پرشور اور حرارت بخش قلم کار عین جوانی میں کنبے والوں اور دوستوں کو تڑپتا چھوڑ کر سفرِ آخرت اختیار کیا

تھیں دل میں بہار کی فضائیں — گو سامنے منظرِ خزاں تھا
الفاظ میں، بذلہ سنجیوں سے — اک سوزِ تجلّی بیاں تھا
تیرے اندازِ گفتگو میں — اک محشرِ حسنِ داستاں تھا
سحر کی دل فریبیوں میں — افسونِ بہارِ بوستاں تھا
اللہ رے مذاقِ نکتہ سنجی! — گویا شاعر کا رازداں تھا
اک انجمن صفات تھا تو — حسن فطرت کی چیستاں تھا
حریتِ صدق آشنا کا — سیمائے غیور پر فشاں تھا
کیوں کر کرتا توجبہہ سائی؟ — بیگانۂ رسمِ آستاں تھا
خودداریِ بے نیازیں بھی — اک عالمِ بے خودی نہاں تھا
اخلاص میں، خاکساریوں میں — افسانۂ دورِ باستاں تھا
ایثار تھا، غم گساریاں تھیں — ہر دل کے سکوت کی زباں تھا
تیرا مرنا تھا اک قیامت — ہر ایک ستم کشِ فغاں تھا
اللہ سے کس طرح گلہ ہو — یہ کیا اندازِ امتحاں تھا
یہ غم کدۂ فضائے گیتی — رہنے کے لئے ترے کہاں تھا
فردوسِ خلوص کا فرشتہ — اس فتنہ سرا میں مہماں تھا

اب خلد میں زینتِ چمن ہے
سرمایۂ حسنِ انجمن ہے

یادِ حسرت[1]

اے وہ کہ جو کر چکا ہے برسوں
زندانِ ستم کی میہمانی!

صدقِ بے باک کا فسانہ!
ایثارِ خموش کی کہانی!

آئینۂ بے خودی کا جوہر
موجِ اخلاص کی روانی!

ہستی شکنِ طلسمِ باطل!
اک نغمۂ سازِ آسمانی!

حسنِ تخئیل کا سراپا!
ہنگامۂ رنگِ بوستانی!

افسانہ نگارِ ہستیِ دل!
آرائشِ عالمِ معانی!

"اک محشرِ اضطرابِ خاموش!"
اللہ رے تیری بے زبانی!

ملت کو سکھا دیا ہے تو نے
آئینِ خلوصِ باستانی

تیری کوشش کی ہر خزاں ہے
اک نازِ بہارِ جاودانی

تیری ناکامیوں میں پنہاں
نیرنگ بہشتِ کامرانی

کب تک تجھ سے رہے گی آخر
آشفتہ سروں کو بدگمانی؟

کب تک کرتے رہیں گے یہ سب
ناموسِ جفا کی پاسبانی؟

آتش زنِ خرمنِ ستم ہے
تیری خاموش نوحہ خوانی

"فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابندِ نے نہیں ہے"

---

(1) مشہور شاعر اور ملک و ملت کے فدائی مولانا سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی

یادِ شبلی (۱)

اے وہ کہ صحیفۂ ادب میں ۔۔۔ اک آیۂ شانِ دلبری ہے!
تحریر کی کائنات ہیں تو ۔۔۔ شایانِ شکوہِ داوری ہے
ہر ہر ورقِ کتاب تیرا ۔۔۔ اک آئینۂ سکندری ہے
تیری ہر نثر کی کشش میں ۔۔۔ ہنگامۂ سحرِ سامری ہے
تیرے ہر شعر کا سراپا ۔۔۔ اک معجزۂ پیمبری ہے
نیرنگیٔ حسن کی جھلک سے ۔۔۔ حرفوں میں فروغِ ساغری ہے
ہر بت کدۂ خیال تیرا ۔۔۔ سرمایۂ رشکِ آذری ہے
تیری تخئیل کی تجلی ۔۔۔ صرفِ رہِ شعلہ گستری ہے

معمورِ اثر ترا سخن تھا
لبریزِ مذاقِ انجمن تھا

تھا کلکِ غلط نگارِ مغرب ۔۔۔ صرفِ ذوقِ سیاہ کاری
ناموسِ شریعتِ ادب تھا ۔۔۔ جولاں گاہِ غلط نگاری
اسلام پہ نکتہ چینیاں تھیں ۔۔۔ تاریخ کی کائنات ساری
تیری تحقیق نے کیا ہے ۔۔۔ افشائے رموزِ فتنہ کاری
ٹوٹی ترے کلکِ پردہ در سے ۔۔۔ حرفِ باطل کی سحر کاری

---

(۱) ۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم ۔

خوں نابۂ دل سے کی ہے تو نے — کشت ملت کی آبیاری
اخلاص تھا تیرے آنسوؤں میں — "ندوہ" ہے مآل اشک باری
معمورۂ علم و فن میں اب تک — اردو تھی رہین شرمساری
لیکن ترے ذوق جستجو نے — کی حسنِ رقم کی شعلہ باری
تصنیف کے ہر چمن سرا میں — ہے تجھ سے طراوت بہاری

تو شامِ سیاہ کی سحر تھا
شرعِ نو کا پیام بر تھا

یادِ شوکت[1]

اے وہ کہ بنا دیا ہی تو نے — زنداں کو بھی غیرتِ گلستاں!
ہے تیرے جمالِ معنوی سے — تزئینِ فضائے بوستاں!
آزادیِ روح کا یہ عالم! — زنجیر بھی تیری تجھ سے لرزاں
تیرے زنداں کی بندشوں میں — نیرنگیِ وسعتِ بیاباں
تیری "لاتقنطوا" کی آواز — برہم زنِ بزمِ یاس و حرماں
امید کی لرزشوں سے معمور — تیرا ہر نغمۂ پریشاں
تیری آنکھوں کی جنبشوں میں — ہنگامۂ موج و جوشِ طوفاں
باطل تیری حق پرستیوں سے — افسونِ حریفِ فتنہ ساماں
عاجز تری بے گناہیوں سے — آبِ شمشیر و نوکِ پیکاں
تیرے صبر و سکوت میں ہے — صد رازِ شکستِ جورِ پنہاں
تیری مجبوریاں کریں گی — شیرازۂ جبر کو پریشاں
ایثار ترا، ترا محافظ — اخلاص ترا، ترا نگہباں
کی تو نے نثارِ راہِ ملت — روحِ مست و حیاتِ خنداں
نیرنگ جمالِ مصطفےٰ ہے — تیری محویتوں پہ نازاں

اے مایۂ افتخارِ ملت!
تو ہے روحِ بہارِ ملت!

(۱) ۔ مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کے برادرِ بزرگ مولانا شوکت علی مرحوم و مغفور۔

عرض نیاز

به بارگاه

غازی مصطفےٰ کمال پاشا

اے عقدہ کشائے باب عالی! ‏ دنیا ترے انتظار میں تھی
جمعیت کاروانِ ملت ‏ بربادی و انتشار میں تھی
واماندگی فغان خاموش ‏ ہر دیدۂ اشکبار میں تھی
اک کشمکشِ حیاتِ ملی ‏ مجبوری بے قرار میں تھی
ٹرپی آخر تری جبیں سے ‏ جو برق قضائے کار میں تھی

"اسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا"

اے مونسِ سطوتِ خلافت! ‏ تو "فتح مبیں" کا راز نکلا
طوفانِ بلا کی شورشوں میں ‏ اک تو ہی سفینہ ساز نکلا
ظلِ نبوی تھا سایہ افگن ‏ جب لے کے سر نیاز نکلا
یوں نغمہ سرا ہوئے فرشتے! ‏ "جاں باز رہِ حجاز نکلا"

لبریز تو اے سرمدی سے
معمور ضیائے احمدی سے

اے منتخب حیاتِ جاوید! ‏ اے غیرتِ طالعِ سکندر!

تو ایک دلیل محتشم ہے — اسلام کی جاں نثاریوں پر
تیری قربانیوں پہ نازاں — توقیر شریعت پیمبر
تیری بے باکیوں سے لرزاں — مغرب کا ہر ایک فتنہ پیکر
ہیں انجمنیں تمام برہم — دنیا پہ ہے اک فضائے محشر
بکھرے ہوئے ہیں عرب کے اوراق — ہے رو بہ خزاں عجم کا منظر
اے معجزۂ نسیم امید! — اب تیری طرف ہے دیدۂ تر

سرمایۂ برگ و بار ہو جا!
پیرایۂ صد بہار ہو جا!

پیامِ شوق

بہ بارگاہ

سیف الملۃ غازی مصطفےٰ کمال پاشا

اے غنچۂ شاخسارِ ملت
اے مژدہ دہ بہارِ ملت!

اے حرفِ پیامِ دورِ فیروز!
اے مونس و مایہ دارِ ملت!

ماہِ عز و جلال و تمکیں!
مہرِ شرف و وقارِ ملت!

چمکا تری طرفہ کاریوں سے
رنگِ لیل و نہارِ ملت

تیری شمشیر کی تجلی
صبحِ شبِ انتظارِ ملت

سعیِ پیہم سے تیری آخر
نصرت ہوئی ہم کنارِ ملت

قایم تری ہوشمندیوں پر
یہ دورۂ کامگارِ ملت

اے محورِ گردشِ تمنا!
اے مرکزِ اقتدارِ ملت!

تو معجزۂ لبِ دعا ہے
تو پیکرِ حسنِ مدعا ہے

جب تو رہِ جستجو میں نکلا
آوارہ و مضطر و پریشاں

ہر اک نقشِ قدم سے تیرے
تھیں شوق کی منزلیں نمایاں

ہر تار تھا رونمائے دامن
ہر چاک تھا رشکِ صد گریباں

شامِ غربت کی تیرگی میں
اک مشعلِ طور تھی فروزاں

جاہ و حشمِ سکندری تھا ‌ ‌ ‌ ‌ تیری بے مائگی پہ قرباں
تھی بادِ خزاں کی جنبشوں میں ‌ ‌ ‌ ‌ موجِ نفسِ بہارِ پنہاں
بخشا تری بے نوائیوں کو ‌ ‌ ‌ ‌ نیرنگِ قضا نے ساز و ساماں
تیری صحرا نوردیوں میں ‌ ‌ ‌ ‌ رنگینیٔ عشرتِ گلستاں
ذرّہ ذرّہ ترے وطن کا ‌ ‌ ‌ ‌ تیری تابانیوں پہ حیراں
تیری فیروزمندیوں پر ‌ ‌ ‌ ‌ شیرازۂ کائنات نازاں
تیری نکہت فروشیوں سے ‌ ‌ ‌ ‌ ہر دشت میں ہے بہارستاں
ہر خار سے ہے تراوشِ گل ‌ ‌ ‌ ‌ ہر گل میں ہے شوکتِ گلستاں
ہر شام میں تابشِ سحر ہے ‌ ‌ ‌ ‌ ہر صبح میں ہے فروغِ عرفاں
صحرائے عرب کی بھی فضائیں ‌ ‌ ‌ ‌ ہیں منتظرِ ضیائے ایماں

ہر خاک کو کامیاب کر دے!
ہر ذرّہ کو آفتاب کر دے!

غزلیات

ہر اقتضائے درد کہ شور و فغاں رہے
حسرت کا راز یہ ہے کہ درد نہاں رہے

برباد ہو گیا دل حسرت طلب مگر
ہم یوں ہی صرفِ کشمکشِ امتحاں رہے

دلکش ہے کس قدر لبِ خاموشِ مدعا!
وہ محوِ سحر کاریِ حسنِ بیاں رہے

گھبرا نہ جائیں وہ گلہ ہائے دراز سے
لے درد! دل فریبیِ صد داستاں رہے

صوفی کی میکشی بھی تصوف کا راز ہے
مخمورِ چشمِ یار سے سب بدگماں رہے

تھا پاسِ رازداریِ الفت کا امتحاں
وہ میرے ضبطِ آہ سے گر بدگماں رہے

جنونِ بے خودی ہیں ایک ذوقِ گریہ ساماں ہے
نہ پابندِ سلاسل ہے نہ سرگرمِ بیاباں ہے

دلِ مایوس کو کس طرح پیغامِ تمنا دوں
تغافل کیش پھر آمادۂ تجدیدِ پیماں ہے

تمنا آتے آتے بن گئی تصویرِ ناکامی
خدا جانے تبسم میں ترے کیا راز پنہاں ہے

تھا تنگ نظر مگر خیالِ مجنوں
صحرا میں بھی صرف روئے لیلیٰ دیکھا

ہم نے تو نگاہِ شوق کو بھی آخر
خارِ رہِ عالمِ تمنا دیکھا

تعبیرِ حیات کس سے پوچھیں جا کر؟
اتنا بھی تو یاد ہو کہ کیا کیا دیکھا

پیدا نہ ہوئی کبھی تمنا دل میں
مایوس نظر سے ہر تماشا دیکھا

تغافل کا اثر کیا ہو مرے جوشِ تمنا پر
سمجھتا ہوں کہ یہ بھی عشوۂ انکار باطل ہے
طلسم انگیز ہیں نیرنگیاں عہدِ تمنا کی
مری تنہائیوں میں بھی وہی اندازِ محفل ہے

رہی جاتی ہے دل میں حسرتِ داغِ جبیں باقی
مٹا جاتا ہے وہ نقشِ قدم ہی جس پہ سر رکھا
فضائے حسن کے صد ہا کرشمے چھپ گئے مجھ سے
مری محرومیوں نے مجھ کو پابندِ نظر رکھا
رہی آوارگی میں بھی وہی پابندیٔ صحرا
جنوں سے بھی مجھے رسمِ جنوں نے بے خبر رکھا
تعلق توڑنا چاہا تھا سب سے بے نیازی نے
جنوں نے سر سے باقی رشتۂ دیوار و در رکھا
تعلق کیا سکونِ بے خودی کو حشرِ بیجا سے؟
مجھے بدمستیوں نے بے نیازِ خیر و شر رکھا

جبیں میں شوق کی وہ شورشیں باقی نہیں شاید
کھنچا جاتا ہے آخر اس قدر کیوں آستاں ہم سے؟
ترے انداز میں ہر دل کا کوئی رازِ پنہاں ہے
تبسم کہہ رہا ہے کچھ ہماری داستاں ہم سے

مآلِ شوق ہے اک محشرِ حسرت بپا کرنا
سکونِ دل کو وقفِ شورشِ بے مدعا کرنا
نگہ سے محو ہو جائے گی یہ رنگینیٔ عالم
وفورِ شوق کو لے دل! نہ مجبورِ وفا کرنا
مجھے صبحِ ازل کی مستیوں میں ہوش ہی کب تھا
کسی نے کچھ کہا تھا کیا نہ کرنا اور کیا کرنا
لبِ خاموش ہی بس اک متاعِ بے نیازی ہے
کہیں اس کو بھی اے حسرت نہ مرہونِ دعا کرنا

خلوت کی حسرتوں میں جہانِ سکون ہے
میں کیوں رہوں نہ کشمکشِ انجمن سے دور
ہر پھول سے تراوشِ خونِ بہار ہے
اے حسرتِ آگاہ! فضائے چمن سے دور

ہم کو بھی افسانۂ دیر و حرم سے کیا غرض
ہم تو کفرِ شیخ و دینِ برہمن دیکھا کیے

راز دارِ حسن تھے، سمجھے خزاں کو بھی بہار
شوق سے ہم لطفِ تاراجِ چمن دیکھا کیے

حسن کی نیرنگیاں خود ہی حجابِ حسن ہیں
دیکھنے والے فقط رنگِ چمن دیکھا کیے

تھا سکوتِ حسن میں شاید بلا کا اضطراب
ورنہ وہ کیوں میرا اندازِ سخن دیکھا کیے؟

گر جنونِ عشق میں کچھ ہوش بھی آیا ہمیں
چاکیِ دامان و تارِ پیرہن دیکھا کیے

رنگِ خونِ دامنِ حسرت یہ ابھی باقی تھا
آج پھر آنکھ سے سیلابِ تمنا نکلا

دل پہ کچھ نازِ سکوں تھا، مگر اللہ ری ہما
وہ بھی الہٰ ہستیِ سیماب سراپا نکلا

آپ بے باک نگہ سے مجھے دیکھیں نہ ابھی
کچھ تمنا دلِ مایوس میں پیدا کر لوں

حسن انکار میں ہے لطفِ تبسم پنہاں
آج پھر اُن سے محبت کا تقاضا کر لوں

اچھی ہے ترے حسن کی بیگانہ وشی بھی
دل صرفِ ہوس کاریِ ارماں نہ رہے گا

ویرانیِ شوق ہی صحرائے جنوں ہے
اب مجھ پہ بیاباں کا بھی احساں نہ رہے گا

گل آج ہی چن لے ہوسِ شوق کہ کل تک
یہ شعبدۂ رنگِ گلستاں نہ رہے گا

قیمتِ مے کی بحث کیا ساقی!
زندگی خود بہائے ساغر ہے

خونِ دل ہی متاعِ حسرت تھا
وہ بھی اب صرفِ دیدۂ تر ہے

مرا وجود نوائے خموشِ حسرت ہے
مری نگاہ سے اک داستاں نکلتی ہے
گلہ مرا کبھی منت کشِ زباں نہ ہوا
نگاہ، سحر طرازِ بیاں نکلتی ہے

بیدار ہو رہی ہیں تمنا کی شورشیں
گہوارۂ خیال میں میں محوِ خواب ہوں
کیا کام آسکیں گی تری بے حجابیاں
میں انتہائے شوق میں خود اک حجاب ہوں
میرے ضیائے عشق میں گم ہے ترا جمال
میں کائناتِ شوق کا وہ آفتاب ہوں
تم کھو گئے تو مجھ کو ملی منزلِ حیات
میں انتہائے یاس میں بھی کامیاب ہوں
مجھ پر فروغِ مہر کا جادو نہ چل سکا
میں رازدارِ تابشِ حسنِ سراب ہوں

تری سرمستیوں سے کم نہیں ہے ہوشیاری میری
نشاطِ زندگی تیرا، حیاتِ جاوداں میری
تبسم میں ترے تیری ستم اندیشیاں پنہاں
مرے اندازِ خاموشی میں مضمر داستاں میری
حیاتِ جاوداں کی منزلیں بھی گزری جاتی ہیں
کہاں لے جائیں گی آخر مجھے ناکامیاں میری!

آنکھ جب تک فریب کار نہ تھی
پھول میں شوخیٔ بہار نہ تھی
اس سے پہلے بھی تیری خاموشی
تھی، مگر ایسی طرفہ کار نہ تھی
یاس پر تو نے کر دیا مجبور
ورنہ اُمید مجھ پہ بار نہ تھی!
میرے حسنِ نظر کا پرتو تھا
چمنِ دہر میں بہار نہ تھی
میں نے دیکھا تری نگاہوں کو
اُن میں وہ شانِ اعتبار نہ تھی

باقی رہیں گی حسنِ تصور کی شوخیاں
اے ضبطِ شوق! ہو نہ پریشانِ آرزو

دل ٹوٹتے ہی رازِ محبت بھی کھل گیا
اللہ ری بے ثباتیِ پیمانِ آرزو!

آنکھ میں ذوقِ جستجو کی خلش
دل میں تجدیدِ آرزو کی خلش

کون کہتا ہے رند اچھے ہیں ؟
شیشہ و ساغر و سبو کی خلش!

حسن بھی مایۂ سکوں نہ ہوا
گل میں اظہارِ رنگ و بو کی خلش

دامِ فریبِ حرص ہے شعبدۂ نماز کیا
دل ہے طلسمِ آرزو، سجدۂ بے نیاز کیا

صوفیِ حیلہ ساز بھی بے خبرِ جمال ہے
آئینۂ مجاز میں جوہرِ امتیاز کیا

صورتِ کائنات ہی پردہ کشائے حسن ہے
زیرِ نقاب کچھ نہیں شورشِ جہانِ راز کیا

تذکرۂ کلیم ہے ہرزہ سرائیِ جنوں
ایک فسانۂ غلط، جلوۂ شعلہ ساز کیا

ہوشِ نگاہِ ذوق کو صرفِ خمار چاہیے
عشق وفا شعار کیوں حسن جفا طراز کیا

سازِ خموش پاس ہے نغمۂ آرزو رہے
شورشِ آہ کس لیے، کاہشِ جاں گداز کیا

زہد کرشمۂ زبوں، صبر فسونِ بے اثر
بادہ کشِ حیات ہوں، مسئلۂ جواز کیا

میرا ہر پارۂ دل برقِ سرِ طور ہے آج
اپنی ہستی کا تماشا مجھے منظور ہے آج

چشمِ پرشوق کی یہ خیرہ نگاہی کیسی ؟
کل تھی عریاں جو حقیقت، وہی مستور ہے آج

حسن فریاد سے معمور ہے اندازِ سکوت
لبِ خاموش مرا غیرتِ منصور ہے آج

ہوش نے روک لیا لغزشِ پیہم سے مجھے
سامنے کل تھی جو منزل وہ بہت دور ہے آج

اے سجدۂ بے تاب اپنا انجام ذرا دیکھ
پھر چھیڑی ہیں تو نے دلِ مجبور کی باتیں
شرمندگیٔ عفو سے ہوں شعلہ بداماں
سب دیکھ ہی لیں تو نے تمنا کی وفائیں

ایسا نہ ہو مٹ جائے وہ نقشِ کفِ پا دیکھا!
پھر ٹوٹ نہ جائے کہیں پیمانِ وفا دیکھ!
اے رحمتِ گستاخ! گناہوں کی حیا دیکھ
اب آ، دلِ مایوس کا اندازِ جفا دیکھ

مجھ پہ تو اک طلسم ہے حسنِ کرشمہ کار کا
کیف نشاط اگر نہیں، لطفِ سکونِ غم سہی
عقل کی پختہ کاریاں خود ہی حجاب بن گئیں

دورِ خزاں کی کیا خبر، ہوش کہاں بہار کا؟
سر سے عذاب تو اٹھے کاوشِ انتظار کا!
حسن کو انتظار ہے دامنِ تار تار کا!

تیری رسوائی کا باعث تھا ترا ذوقِ نمود
تجھ کو بے پردہ کیا جلوہ فروشی نے تری
خود ترے حسن میں تھا ذوقِ تجلی مضمر
تجھ پہ کچھ فرض نہ تھا پاسِ صدائے ارنی
تجھ کو معلوم بھی تھا طور نوازی کا مآل
پھر ہے کیوں موردِ الزام تمنائے کلیم؟

نگہِ شوق ترے حسن کی غماز نہ تھی
ورنہ یاں کوئی نگہ پردہ درِ راز نہ تھی
حیلہ جو کیا ترے انکار کی آواز نہ تھی؟
لبِ موسیٰ میں کوئی شوخیٔ اعجاز نہ تھی
نگہِ حسن تری بے خبرِ راز نہ تھی
کیا تجلی تری خود شعبدہ پرداز نہ تھی؟

لن ترانی بھی بس اک حسن کا افسانہ ہے
جو اسے راز سمجھتا ہے، وہ دیوانہ ہوا

افسانۂ حیات سے گھبرا کے اٹھ گئے
پلٹی نہ تھی مری نگہ واپسیں ابھی

کچھ ذوقِ طرفہ کاری، کچھ بدگمانیاں — ہے ابتدائے عشق گلہ آفریں ابھی
مجبوریوں سے چھوٹ گیا آستانِ یار — باقی ہے ذوقِ کاوشِ داغِ جبیں ابھی

وہ دن گئے کہ محوِ تماشائے نور تھا — ہر آستانہ میرے لئے رشکِ طور تھا
پھر التفاتِ حسن نے مجبور کر دیا — مجھ کو سکونِ یاس پہ کتنا غرور تھا!
میں نے ہجومِ حشر میں رکھ لی خدا کی شرم — ہر جرم پر کہا کہ "مرا ہی قصور تھا!"

آج دنیا میں نہیں محرمِ شیطاں کوئی — ورنہ ہوتا ہی نہ بیگانۂ یزداں کوئی!
عفو کر دے گا وہیں لاکھ جہنم پیدا — کیوں مرے ذوقِ سزا سے ہے پشیماں کوئی؟
مجھ کو تسلیم فروغِ مہ و انجم، لیکن — سامنے میرے نہ آیا شبِ ہجراں کوئی!

نگاہِ شوق میں گر مستیِ شباب رہے — سکونِ حسن میں بھی کیفِ اضطراب رہے
نیاز ننگِ تمنا ہے، شوق ننگِ حیات — ترے حجاب میں گر رنگِ اجتناب رہے

جاتی نہیں ہے دل سے تمنائے رنگ و بو — مانا کہ ہر کلی سے گلستاں نکال لئے
اب خارہائے گلشنِ برباد ہی سہی — کچھ تو علاجِ کاوشِ داماں نکال لئے
آرائشِ جنوں ہی سے تزئینِ حسن ہے — ہر تارِ پیرہن سے گریباں نکال لئے

ہے ذوقِ آرزو کو بھی پاسِ حجابِ حسن — مجبور ہوں مگر نگہہ پردہ در سے میں

کچھ اس طرح کی مستیِ پیغام ذوق تھی
حرفِ نیاز کہہ نہ سکا نامہ بر سے میں

نکل کے اور بھی بیتاب ہو گئے سجدے
مٹانی چاہی اگر کاوشِ جبیں میں نے
سنا رہی ہے مجھے آج میری خاموشی
تمام عمر جو باتیں سنی نہیں میں نے

اللہ ری میرے ذوقِ نظر کی تجلیاں!
جس ذرہ پر نگاہ پڑی، طور ہو گیا!
پنہاں تھیں مجھ میں حسن کی ساری حقیقتیں
ہر حرفِ شوق نعرۂ منصور ہو گیا

حسن آزردہ نہ ہو جائے جنوں سے بھی کہیں
اپنے ہر تار کو پھر آج گریباں کر لوں
عار ہے اُن کو تجلی سے تو اے پرتوِ شوق!
دل کے ہر داغ کو خود مہرِ درخشاں کر لوں

ناز و نیاز کچھ نہیں، ایک فسونِ آز ہے
عشق بھی ہے بہانہ جو، حسن بھی حیلہ ساز ہے
اس کو میں کیا کروں کہ دل مائلِ شوق ہی نہیں
حسن کی ورنہ ہر ادا آج بھی دل نواز ہے
شوق میں میرے بھر گئیں حسن کی ساری تمکنتیں
پہلے جو تیرا ناز تھا، اب وہ مرا نیاز ہے
مایۂ کائنات ہیں دل ہی کی کارسازیاں
حسن بھی اک کرشمۂ شوقِ فسوں طراز ہے

کشتیِ عمر کو اب کوئی کہاں لے جائے؟
تپشِ موج ہی میری، نہ ہے ساحل میرا
راہ تو ختم ہوئی پھر بھی ہے گردش باقی
اک نشاں بھی نہیں ملتا سرِ منزل میرا
میں نے خود برہمیِ حسن بڑھا دی آخر
ہو گیا آفتِ جاں شکوۂ باطل میرا

کس طرف لے کے چلا شوق کا انداز مجھے؟ — آج کیوں روک رہی ہے تری آواز مجھے؟
خارِ رہ میں بھی نظر آتی ہے شادابیِ گل — لیے جاتا ہے کدھر حسنِ فسوں ساز مجھے
مجھ کو افسونِ محبت نے مٹا کر چھوڑا — تو سمجھتا ہی رہا شعبدہ پرداز مجھے
راہ میں چھوٹ گئی سرحدِ کونین بھی آج — کس طرف کھینچ رہی ہے تری آواز مجھے؟
جس کے ہر رنگ پہ یہ خوبیِ انجام نثار — یاد آتی ہے وہ نیرنگیِ آغاز مجھے

اتر کر عرش سے خود ہی مجھے لے جا کے بٹھلا دے — بیاں کر دوں خدا سے آج بھی گر ماجرا اپنا
جدھر چاہیں اُدھر لے جائیں یہ بیہوشیاں ورنہ — نہ کوئی جستجو اپنی، نہ کوئی مدعا اپنا
مرے ہر ہر گنہ میں ہیں ہزاروں جنتیں مضمر — کسی کو اور دکھلا یہ فریبِ اتقا اپنا

سرمستیِ انتظار کب تک؟ — اُمید کا اعتبار کب تک؟
اب شوق کو خود ہی حسن کر لے — افسانۂ ہجرِ یار کب تک؟
اے گمرہِ منزلِ تمنا! — یہ شغلِ جنون و خار کب تک؟
اب ہوش کی بھی تو کچھ خبر لے — پیراہنِ تار تار کب تک؟
مانا کہ سکونِ غم ہے بہتر — پر غم کا بھی اعتبار کب تک؟
آوارۂ رنگ و بو ہوں، لیکن — یہ شعبدۂ بہار کب تک؟
جا راز کو اپنے فاش کر دے! — دل داریِ رازدار کب تک؟
اے بے خبرِ رموزِ ہستی! — اُمید کا یہ خمار کب تک؟
خود عرش پہ جا کے کھینچ لاؤں — یہ زحمتِ انتظار کب تک؟

ہی

ہے غلط حسن پہ بیگانہ وشی کا الزام — میں ہی خود ذوقِ ستم حد سے سوا رکھتا ہوں

اے بادِ صبا! ستا نہ مجھکو — نقشِ کفِ پائے مدعا ہوں

نقشِ فطرت کے مصور! تیرے ہاتھوں کے نثار — یاس کی سب رنگتیں بھر دیں مری تصویر میں

بھر دیا یاس نے کچھ رنگِ سکوں بھی ورنہ — داستانِ غمِ دل آج پریشاں ہوتی

بدگمانی! اسے بیگانہ وشی کہتے ہیں — ایسی بیباک نگاہی سے تغافل اچھا

بدگمانی ان سے پیدا ہو چلی — اے ہجومِ یاس! تو نے کیا کیا!

اللہ رے جنوں کی یہ آوارہ گردیاں! — گھبرا رہا ہوں سایۂ دیوار دیکھ کر

مے سیرِ لطفِ وسعتِ میخانہ ہو گئی — کم ظرف تھی ستم کش پیمانہ ہو گئی

جتنی حقیقتیں کھلیں اُن پہ بھی اک حجاب ہے — تیرا نمودِ حسن بھی شعبدۂ سراب ہے

بہارِ حُسن کو بیگانہ وار دیکھا تھا — نگہ نے چھیڑ دیا مسئلہ محبت کا

حشر آخر ہو گا کیا اس گریۂ بیتاب کا　　اب تو کوئی تار باقی میرے دامن میں نہیں

اب کیوں سکونِ یاس تجھ کو چاہوں خدا سے میں　　تنگ آ گیا ہوں کش مکش مدعا سے میں

حدیثِ رنج میں بھی بھر گیا ہے رنگِ نشاط　　حجابِ یاس ہوا رنگِ داستاں میرا

ڈرا دیا ہے یہاں تک مجھے تمنا نے　　خیالِ حسن بھی مایوسیوں پہ بار ہوا!

ہیں مرے دم سے فضائے دہر کی رنگینیاں　　بن گیا رنگِ چمن جو خوں کے دامن میں نہیں

میری خودداری کہیں شرمندۂ رحمت نہ ہو　　وہ گنہ کرتا ہوں میں جو عفو کے قابل نہیں

حسن پرستیوں کو بس وضع کا اپنی پاس ہے　　ورنہ یہ رنگِ شوق کیا، ایک فریبِ یاس ہے!

:(ختم):